

ماہنامہ

سچی کہانی

لاہور

AUGUST
2014

اگست
2014





ستمبر
2014

لکی پرائز
بانڈز نمبر

قیمت 60 روپے

قیمت 60 روپے

قارئین سچی کہانی لاہور

کو دلی عید مبارک قبول ہو

اگست 2014ء

قیمت 60 روپے



خوفناک، دہشت ناک، ہیبت ناک، پراسرار، عبرت ناک، جرائم پر مبنی اور جاسوسی کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سچی کہانی لاہور

چیف ایڈیٹر۔ ایم اے زاہد

ایڈیٹر۔ طاہر امین

ایڈیٹر معاون۔ محمد سرور چغل (اعزازی)

لیگل ایڈوائزر۔ تیب یوسف ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)



جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 8

اگست 2014ء

پبلشرز۔ محمد امین زاہد

پرنٹرز۔ چوہدری طاہر حمید

قیمت فی شمارہ=60 روپے

سالانہ قیمت بمعہ رجسٹری فیس=1000 روپے

قلمی معاونین

- محمد رضوان قیوم
- مس کرن
- راناجی
- فدا شاہین بھٹی
- رفعت محمود
- نسیم امتیاز

مقامِ اشاعت۔ ماہنامہ سچی کہانی لاہور مکان نمبر 2-A جعفر سٹریٹ نمبر 53 قادر پارک نیو کوٹ ملتان روڈ لاہور

خط و کتابت و ملاقات کے لیے

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور۔ موبائل نمبر 0314-4008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 8

میری باتیں	ایم اے زاہد	7
پراسرار بھیڑیا	مس کرن	8
غیر مرئی مخلوق	محمد رضوان قیوم	18
ناگ راجہ	رفعت محمود	24
پراسرار حویلی	واجد نگینوی	36
آسیبی لڑکی	انجم شمیم	46
حویلی کا آسیب	نور حادی	52
گریملنز	راناجی	64
کراماتی مقبرہ	قمر نقوی	76
عید الفطر کی اکیس سنتیں	فدا شاہین بھٹی	84
ہوس بھری کھوپڑی	زینب	86
گھر کا چراغ	نورین تبسم	92
یقین نہیں آتا	ارشاد العصر	98
ایک حقیقت ایک افسانہ	انوار احمد	104

ماہنامہ سچی کہانی لاہور اگست 2014 قیمت=60 روپے

بے قابو	زین العابدین	122
جوشِ محبت	صدف صدیقی	130
پیغامات	ادارہ	142
روحانی دنیا	سید راحت علی شاہ	145
پرائز بانڈز کی دنیا	چاند بابو	156
بیوٹی کیئر	فضہ ماہین	160
طب نبویؐ سے علاج	حکیم شیخ محمد امین	161
قلمی دوستی	ادارہ	171
ناقابل فراموش واقعات	ادارہ	177
شاہدہ کا دستر خوان	شاہدہ پروین	183
میری پسند	نور العین عینی	187
غزلیں نظمیں	معیزہ سحر	193
گلستان	روبینہ کوثر	203
سچی کہانی کوئیز	ادارہ	208
عائمہ کے ٹوٹکے	عائمہ جبیں	103

حمد

زمیں کے ذرۂ ناچیز میں منور تو
نجوم و شمس و قمر کہکشاں کے اندر تو

ترے وجود کی تشریح ماورائے شعور
ہر ایک بندشِ الفاظ و بیاں سے باہر تو

ترے وجود کے پر تو کا اک شناور میں
جو تحت و فوق پہ حاوی ہے وہ سمندر تو

اداشناس نگاہوں کو یہ بھی کافی ہے
کہ جلتے بجھتے حسین قمقموں کا منظر تو

طلب کی منزلِ مقصود ہے ترا ہی وجود
تصوراتِ حقیقت کا ایک محور تو

حریف تیری خدائی کی جو ہری طاقت!
اسے خبر نہیں شاید خدائے محشر تو

گلوں سے پھوٹتی خوشبو حسیں دلیل تری
ہر ایک قید سے آزاد ہے معطر تو

عدم سے کرتا ہے الفاظ کا زباں پہ نزول
سخنوری کا معلم بڑا سخن ور تو

یوں کھول دیتا ہے انسان پر وہ ادراک
اتار دیتا ہے جیسے خرد کا لشکر تو

ہنر تمام ہیں اظہار تیرے عظمت کا
وجودِ اہلِ ہنر کا ہے خود ہنر ور تو

نگار خانۂ ہستی کا خالق و صانع
مکینِ قریۂ امکاں کا رب اکبر تو

یہ کائنات ظلم و ستم کا گہوارہ
دکھانے والا اسے امن کا پیمبر تو

خزانہ تیری عنایات کا میں خرچ کروں؟
میں تیرا بندۂ عاجز ہوں بندہ پرور تو

تو مل گیا تو ملی کائنات کی دولت
ہمارے واسطے دونوں جہاں میں بہتر تو

زمین تنگ ہوئی جا رہی ہے انساں پر
جہاں کو دے کوئی انسانیت کا رہبر تو

تری ثنا سے ہے قاصر شعور فہم و خرد
متاعِ لوح و قلم کا ہے خود ہی مصدر تو

کہے گا پھر بھی طارق حسین حمد تری
کرے گا جو اسے یارب! بڑا سخن ور تو

طارق ابن ثاقب دیوبند



میاں محمد نواز شریف صاحب نے ایک عام پارٹی کے سربراہ کو ہیرو بنا دیا

سب لوگ جانتے ہیں کہ کینیڈا میں رہنے والے کینیڈین شہری طاہر القادری اور ان کی پارٹی کا پاکستانی سیاست میں کوئی کردار نہیں ہے۔ ان کو زیادہ اہمیت دے کر وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب نے عام پارٹی کے سربراہ کو ہیرو بنانے میں اہم کردار ادا کر کے اسے اپنے سر پر بٹھا لیا ہے۔ اس وقت ہماری فوج دہشت گردی کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے آپریشن کر رہی ہے تاکہ ملک میں امن ہو۔ ایسی صورت حال میں طاہر القادری صاحب جلسے جلوس دھرنے دے کر ملک میں افراتفری پھیلانے میں مصروف ہیں۔ اگر یہ اتنے ہی قوم پرست ہیں تو اس کے لیے انہیں چاہیے کہ وہ الیکشن لڑ کر پارلیمنٹ میں جائے اور موجودہ حکومت کی پالیسیوں کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے جو کہ جمہوریت کا طریقہ ہے اور پوری دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر طاہر القادری نے ایسا نہیں کیا۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب کو چاہیے کہ پالیسی پر نظر ثانی کریں اور ان کے دھرنے وغیرہ کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ سابقہ صدر آصف علی زرداری صاحب کے دور حکومت میں بھی طاہر القادری نے اسلام آباد میں پانچ روز تک دھرنا دیا تھا اور ایک پتا بھی نہ ہلا تھا اور ناکام ہو کر واپس کینیڈا چلے گئے تھے۔

لکھے..... ایم اے زاہد

دوسری اور آخری قسط

اس کا خوبصورت جسم اچانک ہی ایک انتہائی عمر رسیدہ عورت کی شکل میں تبدیل ہونے لگا تھا — ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ہڈیاں گلنے لگیں اور پھر وہاں صرف راکھ کا ایک ڈھیر پڑا دکھائی دینے لگا

پراسرار بھیڑیا

لکھے ...... مس کرن

یہ ایک خیال ہی تھا — کیونکہ بھیڑیے بہرحال صرف ڈراتے ہی نہیں مار بھی ڈالتے ہیں۔

دروازہ کھلتے ہی وہ میرے بازوؤں میں سسکیاں بھرتے ہوئے جھول گئی۔

"وہ یہاں آیا تھا۔ آج میں نے اسے دیکھا بھی تھا۔ اس نے کھڑکی میں سے اندر جھانکا تھا۔ اف! کیسی بھیانک آنکھیں تھیں — کسی انسان کی سی گہری آنکھیں — پھر میں بے ہوش ہوگئی تھی۔ مجھے بچالو سامی — مجھے بچالو۔"

میں نے مناسب الفاظ سوچتے ہوئے کہا۔

"سب تمہارا وہم ہے۔ ویسے میں صبح ہی انتظام کروں گا۔ اگر یقیناً کوئی بھیڑیا آیا تھا۔ تو میں شکار پارٹی کا انتظام کرکے اسے ٹھکانے لگوا دوں گا۔"

میرے سمجھانے پر وہ ہولے سے مسکرائی اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی ہوئی بستر پر جا گری۔

میں دوپہر تک سوتا رہا — ناشتے پر مجھے سیما نے جگایا اور پھر ہم دونوں نے جا کر باہر دیکھا — میرے کیبن کے چاروں طرف درندے کے پیروں کے واضح نشانات موجود تھے۔

میرے لیے انکار کی گنجائش نہ تھی۔

"بہتر ہے۔" میں نے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں کہ کیا کرسکتا ہوں۔" پھر میں چل پڑا۔

راستے بھر میں، میں منصوبے بناتا رہا — کیفے میں پہنچ کر میں نے چائے کا آرڈر دیا۔ تو یہ منصوبہ بندی جاری نہ رہ سکی۔

چوہدری نے میری سمت جھکتے ہوئے اچانک پوچھا۔

"کیوں جناب! آپ کی طرف سے سب ٹھیک تو ہے — ؟" اس کے لہجے میں کچھ چھپا ہوا تھا۔

میں نے اسے گھورا۔

"کیوں — ؟" میں نے کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔ البتہ میری بیوی کی طبیعت قدرے ناساز ضرور ہے۔"

"آپ کا کیبن خاصی اکیلی جگہ پر ہے۔" اس نے دوبارہ کہا۔

"ہاں — یہ بات تو ہے۔ مگر — ؟" میں رک گیا۔

"رات کو آپ نے کوئی آواز تو نہیں سنی — ؟"

"یہاں تو آوازوں کا ہی راج رہتا ہے۔ جھینگروں



مینڈکوں اور گھوڑوں کی آواز سے ساری رات تک
میں ادھم رہتا ہے۔" میں نے کہا۔
"کیا کسی بھیڑیے کی آواز بھی سنی تھی آپ
نے....؟" وہ ہمارا اصل موضوع پر آ گیا۔
"بھیڑیا...." میں نے اداکاری کرتے ہوئے
کہا۔
"مگر ادھر بھیڑیے کہاں ہوتے ہیں؟"
"ہاں" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مگر معلوم
ہوتا ہے کوئی بھیڑیا ادھر آ گیا ہے۔ شاید آپ مونے
لاڈو سے واقف ہوں۔ کالا ڈو... جو جھیل کے آخری
سرے پر آپ کے کیبن سے کسی قدر دور رہتا ہے۔"

"ہاں.... میں اسے جانتا ہوں۔"
"رات کو وہ جھیل کے اس پار ایک شکار پارٹی
کے ساتھ گیا ہوا تھا اس کی لڑکی گھر میں تنہا تھی اور اسی
وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ ادھر کوئی بھیڑیا آ گیا ہے۔"
"کیا.... اسی لڑکی نے بتایا ہے....؟" میں
نے پوچھا۔
"جی نہیں۔ ڈاکٹر نوری سے معلوم ہوا ہے۔ وہ
ادھر سے گزر رہے تھے صبح کو.... اور وہیں وہ لاڈو کی
خیریت معلوم کرنے رکے تو پتا چلا کہ اندر فرش پر لڑکی
پڑی ہوئی ہے لڑکی کیا.... لڑکی کی لاش کیونکہ بھیڑیے
نے اس کا نرخرہ ادھیڑ دیا تھا۔ خدا اسے جنت میں جگہ

دے۔" اس نے رک کر ٹھنڈی سانس لی۔

"ڈاکٹر نوری کو وہاں بھیڑیے کے قدموں کے نشانات بھی نظر آئے تھے۔ سو اگر وہ آج آئے گا تو یقیناً اس بھیڑیے کو جہنم رسید کیے بغیر دم نہیں لے گا۔ میں خود بھی اس علاقے کی پولیس کو اطلاع دینے کے لیے جانے والا ہوں۔"

"سیما" میں نے جلدی سے کافی کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اکیلی ہے۔ اس صورت میں مجھے گھر جلد لوٹ جانا چاہیے۔"

اب مجھے پتہ چلا کہ رجیا رات کو مجھ سے رخصت ہو کر سیما کو ستانے کے بعد کدھر گئی تھی۔

میں رجیا کے کیبن کی سمت مڑ گیا۔ میری دستک پر اس نے دروازہ کھولا۔ دھوپ میں اس کی آنکھیں چندھیا سی گئی تھیں۔ اس کے بال کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"سامی......؟" اس نے سسکی سی لی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور درختوں کی سمت بڑھ گیا۔ میں نے ایک جگہ اس کے منہ پر زور سے تھپڑ رسید کیا۔ اس کے منہ سے کراہ سی نکلی وہ حیرت زدہ سی مجھے گھورنے لگی......

"کیوں......؟" وہ بولی۔ "کیوں مار رہے ہو مجھے......؟"

"یہ مجھ سے پوچھتی ہو۔" میں نے چیخ کر کہا اور تب وہ سمجھ گئی۔

"میں مجبور تھی سامی!" اس نے روتے ہوئے کہا۔ "بھوک کے ہاتھوں......؟"

"تم نہیں سمجھ سکتے۔" وہ دوبارہ بولی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"تجھے پتہ ہے سوتے ہوئے وہ لڑکی مر چکی ہے۔"

"مر چکی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "چلو اچھا ہوا۔"

"خوب......" میں نے جھلا کر کہا۔ "گویا بڑی اچھی بات ہوئی ہے۔"

"ہاں" وہ سسکیوں میں بولی۔ "یہ اچھا ہی ہوا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس زخم کے بعد بھی بچ جاتی تو یہ اور بھی برا ہوتا۔ وہ خود بھی میری ہی مانند ہو جاتی...... ہیئت بدلنے پر قادر...... اور مجبور۔"

"اوہ......" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ جو کچھ ہوتا ہے میری مرضی سے نہیں ہوتا...... شروع شروع میں ایسے مواقع پر مجھے جنگل میں چلی جاتی تھی...... مگر کڑی رات اور بھوک نے اچانک ہی مجھے گھیر لیا تھا...... مجبور کر دیا تھا...... بے چاری لڑکی۔"

مگر میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں جانتی۔ اس سے ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

"وہ کیسے......؟" اس نے گھور کر دیکھا۔

"اب میری بیوی اسے وہم نہیں حقیقت سمجھے گی...... اب اسے کوئی پاگل قرار نہیں دے گا۔"

وہ اچانک سناٹے میں رہ گئی۔

"مگر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" میں نے اسے دلاسہ دیا۔ "اب اور کوئی ترکیب کرنی ہوگی...... مگر تم وعدہ کرو کہ تم کسی بھی حالت میں میری بیوی کے قریب نہیں جاؤ گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔" میرے بازوؤں سے جھولتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں کوشش کروں گی۔۔۔ مگر تمہیں آج رات میرے پاس آنا ہی ہوگا۔ تمہاری قربت مجھے بھوک سے محفوظ رکھے گی۔"

"اچھی بات ہے میں آجاؤں گا۔"

اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔۔۔ آہستہ سے اس نے کہا۔

"مگر سامی! کوشش کرنا کہ چاند نکلنے سے قبل ہی تم میرے پاس آجاؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

جب میں گھر پہنچا تو سیما کو بیرو کی لڑکی کی ہلاکت کی خبر مل چکی تھی۔ کوئی اس سے ملنے آیا تھا اور اس نے سیما کو سارا واقعہ سنا دیا تھا۔ سیما نے تفصیلات کے بعد بتایا۔

"میں نے اسے اپنے ساتھ ہونے والے سارے واقعات بھی بتا دیے ہیں۔ آنے والے نے اپنا نام عابدی بتایا تھا۔ شاید وہ اس علاقے کا پولیس آفیسر ہے۔"

ابھی مجھے اندر بیٹھے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ عابدی دوبارہ آدھمکا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند ہی باتوں کے بعد اس نے اچانک پوچھا۔

"مسٹر سامی! ویسے کیا آپ بتائیں گے کہ رات جب بھیڑیا ادھر آیا تھا' آپ کہاں تھے۔۔۔؟"

"میں قصبے میں تھا۔"

"کس جگہ۔۔۔؟"

"میں چہل قدمی کر رہا تھا اور کہیں ٹھہرا نہیں تھا۔"

"ہوں۔۔۔" وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

"ہم نے ایک گشتی دستے کا انتظام کیا ہے۔ آپ شاید ہی اس میں شرکت کرنا پسند کریں۔۔۔ کیونکہ میں نے سنا ہے آپ ایک ادیب ہیں' کیوں۔۔۔؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ عجیب و غریب اور پراسرار کہانیاں لکھنے کے سلسلے میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے اس کیس کے سلسلے میں۔۔۔؟"

میں چپ رہا۔

اس نے دوبارہ کہا۔

"یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ممکن ہے آپ کی سوچ' جو یقیناً مختلف ہی ہوگی۔۔۔ میری مدد کر سکے۔"

میں اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ اس کا لہجہ زہریلا سا تھا۔

"کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں۔۔۔ وہ میری سرگزشت ہوتی ہے۔ کیا میں آپ کو کوئی بدروح لگتا ہوں۔۔۔؟" مجھے اچانک غصہ آگیا تھا۔

جواب میں عابدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔

"میرا تو کام ہی ہے کہ میں لوگوں پر شبہ کرتا رہوں۔" پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "ویسے مسٹر سامی! براہ کرم ذرا منہ کھول کر اپنے دانت مجھے دکھا دیں۔" اس بار وہ بھی سنجیدہ تھا۔

میں نے منہ کھول دیا۔

میرے دانتوں کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"خوب، مگر وہ ایسے نہیں ہیں جیسا میں نے سوچا تھا۔" میرے لیے موقع اچھا تھا۔ میں ایک دم چڑھ دوڑا—

"مسٹر عابدی! میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ میں کوئی ایسا جادوگر یا بدروح ہوں جو اپنا قالب بدل کر حیوان بن سکتا ہوں پھر شکار کرتا ہو— کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس لڑکی کو میں نے ہلاک کیا ہے—؟"

جواب میں عابدی نے دوبارہ قہقہہ لگایا۔ پھر ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے وقت اس نے کہا۔

"شکریہ مسٹر ساہی! آپ نے مجھے خاصی معلومات پہنچا دی ہیں۔"

اس لمحے میں نے واقعی بڑی عقلمندی کی تھی۔ اگر میں گرمی نہ دکھاتا تو شاید وہ اسی لکیروں پر چل پڑتا— کیونکہ مجھے اچھی طرح پتہ تھا کہ اس علاقے کے لوگ ضرورت سے زیادہ توہم پرست اور بھوت پریت کے قائل تھے۔

اس مرحلے سے فارغ ہو کر میں سیما کی سمت مڑا اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"اب تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔ پولیس بھیڑیے کے پیچھے لگ چکی ہے اور جلد ہی وہ مارا جائے گا۔"

سیما نے مطمئن ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر میرے پاس آ کر بولی۔

"آج رات تو تم گھر پر رہو گے نا—؟" میری بھنویں اچانک تن گئیں۔

"نہیں— میں شکار پارٹی میں شرکت کی ٹھان چکا ہوں۔"

"مجھے ڈر لگے گا۔" اس نے کہا۔

"فضول بات ہے۔" میں نے اسے جھڑک دیا۔ "میرا خیال ہے میری شرکت اس میں ضروری ہے۔ عابدی مجھے مدعو کر گیا ہے۔"



چاند اس وقت کسی حد تک اوپر چڑھ چکا تھا۔ جب میں رجیا کے کیبن تک پہنچا جو کسی اشجار کے سائے میں کھڑا تھا۔ وہ اندھیرے میں کھڑی میری منتظر تھی۔

"تم آ گئے۔" وہ میرے قریب پہنچتے ہی بولی۔ "مگر ساہی! مجھے آج ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیوں—؟"

"شاید تم نے سنا نہیں۔" اس نے کہا۔ "پولیس میری تلاش میں ہے۔ وہ میرے پاس بھی آئی تھی۔ یہ ساری شیطانی چودھری کی ہے جو میرے بارے میں ادھر ادھر باتیں بکتا رہتا ہے۔"

"اچھا—"

"ہاں—" اس نے کہا۔ "شکار پارٹی اس لمحے تک باہر نکل چکی ہوگی۔ وہ لوگ موٹے ہیرو کے کیبن سے گشت کا آغاز کریں گے اور جھیل کے دوسرے کنارے تک نظر رکھنے والے ہیں۔"

"مگر—" میں نے اسے سمجھایا۔ "آج تو انہیں بھیڑیا نظر ہی نہ آئے گا کیوں رجیا— آج تو ہم دونوں ساتھ رہیں گے؟"

"ہوں—" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "کوچ پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے جیب سے ایک بوتل نکالتے ہوئے کہا۔

"اس میں کچھ شراب ہے۔ تم پیو گے—؟"

ساتھ ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"تم نے کچھ سنا.....؟" وہ بولی۔

واقعی کہیں دور' آدمیوں کے منہ سے نکلنے والے ہنکارے گونج رہے تھے..... ساتھ ہی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ یقیناً شکار پارٹی کے ساتھ ہی تھے۔

رجیا کانپ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

میں نے اسے قریب کرتے ہوئے چاند کی روشنی میں دیکھا۔ میرے چاروں طرف سناٹا تھا اور چاند کی روشنی میں رجیا کا چہرہ بھیگا بھیگا اور متوحش سا لگ رہا تھا۔

میں نے سوچا۔ لوگ جس بھیڑیے کی تلاش میں ہیں وہ تو میرے بازوؤں میں محفوظ ہے۔ چاند کا چہرہ اور رجیا کا چہرہ' دونوں ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے اور میں ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ اسی وقت مجھے اپنا ہی لکھا ہوا جملہ یاد آ گیا۔

"اور جب چاند عروج پر ہوتا ہے تب اس کی کشش کی شدت انسانی بھیڑیے کی نس نس میں آگ بھر دیتی ہے اور وہ اپنا چولا اتار پھینکتا ہے اور....."

"تم ٹھیک تو ہو؟" میں نے سرگوشی میں رجیا سے پوچھا۔

"بالکل"

"کیا تم محسوس کر رہی ہو کہ کچھ ہونے والا ہے.....؟" میں نے اس کی آواز میں کپکپاہٹ محسوس کرلی تھی۔

"نہیں..... نہیں آج رات ہرگز نہیں۔ میں ہر لمحہ تمہارے قریب رہوں گی۔" وہ ہنسنے لگی۔

"لیکن دیکھو.....؟" میں نے اسے تنبیہ کی۔ "جب تک یہ شور وغل ختم نہ ہو جائے تم ہرگز راتوں میں نکل کر سیما کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"ہاں....."

"اس سلسلے میں اتنے عرصے تمہیں صبر کرنا ہی ہوگا۔" میں نے دوبارہ کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

کچھ دیر تک میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"اس میں کچھ وقت لگے گا۔ یہ منصوبہ اتنی جلد کامیاب نہیں ہو سکتا..... طلاق اتنی جلدی نہیں ہو سکتی..... قانونی کارروائی تاخیر سے ہوتی ہیں اور رجیا کیا تم اتنا لمبا انتظار کر سکو گی.....؟"

"طلاق میں بہت وقت لگے گا.....؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"ہاں....." میں نے کہا۔ "مگر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم انتظار کرو گی اور تم سیما کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاؤ گی..... جب تک طلاق نہیں ہو جاتی۔ ورنہ ہمارا تمہارا ملاپ نہ ہو سکے گا۔" میں نے اسے ڈرایا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "میں انتظار کر لوں گی۔" پھر ہم دونوں مشروب سے شغل کرنے لگے..... اور پھر پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔



"جاگو..... اٹھو..... اٹھو۔"

کسی آواز نے مجھے زور سے چونکا دیا۔ کوئی مجھے

گردن سے ہلا رہا تھا۔ میں نے آنکھ کھول دی اور اٹھ بیٹھا۔ چاند پوری طرح چڑھ آیا تھا اور اس کی چمکتی کرنیں ٹھیک سر پر پڑ رہی تھیں اور تب میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ڈاکٹر نوری کھڑا تھا۔

"اوہ—" میں نے غنودہ لہجے میں پوچھا۔ "رجیا کہاں ہے—؟"

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے حواس بحال ہو رہے تھے۔

"جلدی سے میرے ساتھ چلو۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیوں—؟" میں نے اس کے ساتھ گھسٹتا ہوا بولا۔ "معاملہ کیا ہے— کیا بات ہے—؟"

"غضب ہو گیا۔" وہ تقریباً دوڑتے ہوئے چل رہا تھا۔ "تمہاری بیوی بھیڑیے کا شکار ہو گئی ہے۔ بھیڑیا تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے کیبن میں جا گھسا تھا۔ میں قریب ہی گشت پر تھا مگر جب تک میں پہنچا— بھیڑیا نکل چکا تھا اور—"

"جلدی بولو ڈاکٹر!" میں نے چیخ کر کہا۔

"بھیڑیے نے بھاگتے بھاگتے بھی تمہاری بیوی کا نرخرہ کاٹ دیا ہے۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ اندھیرے اجالے میں دوڑتا ہوا سوچ رہا تھا تو رجیا نے جھوٹ کہا تھا۔ اس میں انکار کی ہمت نہ تھی۔ وہ یقیناً میرے سو جانے کے بعد گئی ہوگی۔

جب ہم کیبن میں پہنچے تو بستر کے پاس جھکتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا۔

"مسٹر ساہی! ایسما خوش قسمت تھی کہ بچ گئی۔ وہ بہرحال سخت زخمی ہے۔"

میں نے جھک کر دیکھا۔ یسما کے گلے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے آنکھیں کھولیں۔ پھر ایک کمزور مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی تھی۔

"اوہ— تو یہ ابھی زندہ ہے۔" میں بڑبڑایا۔

"ہاں— ہاں زندہ ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے آتے ہی خون روک دیا تھا اور مرہم پٹی کر دی تھی۔ وہ ایک دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا کا شکر ہے۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"اب چلو۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "اسے آرام کرنے دو۔" چلتے ہوئے وہ دوبارہ بولا۔

"میں بروقت پہنچ گیا تھا۔ بھیڑیا یقیناً کھڑکی کے شیشے توڑ کر اندر داخل ہوا تھا کیونکہ شیشے تمام فرش پر بکھرے ہوئے ہیں۔ کیبن کے چاروں طرف درندے کے بے شمار نشانات بھی موجود ہیں۔"

میں نے باہر جا کر دیکھا۔ ڈاکٹر کا خیال ٹھیک ہی تھا۔

"شکاری پارٹی ادھر آ ہی رہی ہوگی۔" ڈاکٹر نے بتایا۔ "کیونکہ انہوں نے پیروں کے نشانات دیکھ لیے ہوں گے۔"

اچانک جنگل کے اندر سے آدمیوں کا شور بلند ہوتا ہوا سنائی دینے لگا۔ اس شور میں بھونکتے ہوئے کتوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

ڈاکٹر نوری نے اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑیے کا پتہ چلا لیا گیا

ہے۔ کچھ دیر رک کر وہ چیخا۔ "سنو غور سے سنو۔"

"نعرہ... اور گونج... جھاڑیوں میں سے آنے والی آدمیوں کی اونچی آوازیں... پھر ایک زور کا نعرہ... پھر...!

اچانک کئی راکٹوں کی دھاڑیں سناٹے کو جھنجھوڑتے ہوئے ابھریں۔

"مار لیا۔" خوش ہوتے ہوئے ڈاکٹر نے چیخ کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے پارٹی کامیاب ہو گئی ہے۔"

یکایک دوڑتے ہوئے کتوں کے منہ سے نکلنے والی آوازیں واضح طور پر سنائی دینے لگیں۔ جھاڑیوں میں دوڑتے ہوئے بہت سے قدموں کی آوازیں ہوا میں لرز اٹھی تھیں۔ جو لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھیں... اور تب... جہاں سے میدان شروع ہوتا ہے۔ کیبن کے عین سامنے ہمیں ایک اونچے سے قد آور بھیڑیے کا ہیولا دکھائی دینے لگا۔ جو لڑکھڑاتا ہوا تیزی سے ادھر ہی آ رہا تھا۔ ڈولتا ہوا... بھاگتا ہوا۔

بھیڑیے کا بھاری جسم لمبی دوڑ کی باعث جواب دیتا نظر آ رہا تھا۔ اس کے جسم سے خون گر گر کر زمین پر جمتا چلا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شدید کرب کی حالت میں بدقت آگے بڑھنے کی جدوجہد کر رہا ہو۔

ڈاکٹر توری نے جلدی سے ریوالور نکالا اور نشانہ باندھنے لگا۔

"رک جاؤ۔" میں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر دوڑتا ہوا بھیڑیے کی سمت لپکا۔ قریب پہنچ کر میں نے آہستہ سے کہا۔

"تو نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا رجیا! تو نے انکار کیوں نہیں کیا...؟"

جواب میں ہانپتے ہوئے درندے نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے پہچان ہی نہ سکی ہو... ان آنکھوں میں منڈلاتی والی موت کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں... اور بس۔

"رجیا...!" میں نے دوبارہ کہا۔

یقیناً میری آواز ڈاکٹر تک نہیں پہنچ رہی تھی مگر درندہ ضرور سن سکتا تھا اور پھر اس نے سن بھی لیا۔ درندے کے آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے شناسائی کی چمک ابھری... اس کے گلے میں ایک ہلکی سی آواز نکلی۔ اچانک اس کا جسم زور سے کانپا اور تیورا کر زمین بوس ہو گیا۔

اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔

اور ابھی جو کچھ ہوا اسے دیکھنا آسان نہ تھا۔

اس سے قبل جب رجیا بھیڑیا بنی تھی۔ میں نے وقت کا تعین کر لیا تھا اور اب میں اس کی لاش کو درندے کی لاش سے انسانی لاش میں تبدیل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

فرش پر پڑا ہوا درندے کا جسم حجم میں بڑھنے لگا۔ کان چھوٹے ہونے لگے اور اسی رفتار سے ہاتھوں اور پیروں میں بھی فرق پڑنے لگا... ڈاکٹر توری جو میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ زور زور سے چیخنے لگا... مگر وہ کیا کہہ رہا تھا... یہ میرے کان نہیں سن رہے تھے۔ میں تو رجیا کی لاش کو حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

تین منٹ کے عرصے میں ساری تبدیلی مکمل ہو گئی۔ جہاں کچھ دیر قبل درندہ گرا تھا۔ وہاں اب زمین

پر رجیا کی عریاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ شاخ سے ٹوٹے ہوئے کسی جنگلی لالے کی مانند—

میں نے زور سے سسکی لی اور جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔

"نہیں—نہیں—یہ نہیں ہو سکتا۔"

اسی لمحے ڈاکٹر کی تیز آواز نے مجھے دوبارہ ادھر متوجہ کر دیا اور ایک بار پھر اس جوان لاشے میں ایک نئی تبدیلی ہوتی ہوئی نظر آئی—

یہ تبدیلی ناقابل برداشت تھی۔ مجھے اس وقت صرف اتنا یاد ہے کہ رجیا نے مجھے کبھی نہیں بتایا تھا کہ کب اور کن حالات میں وہ اس قوت پر قادر ہوئی تھی—ہاں مجھے یہ ضرور معلوم تھا کہ شکار کا خون بھیڑیے کو ہمیشہ جوان رکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

رجیا کا خوبصورت جسم اچانک ہی ایک انجانی عمر رسیدہ عورت کی شکل میں تبدیل ہونے لگا تھا—ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ہڈیاں گلنے لگیں اور پھر وہاں صرف راکھ کا ایک ڈھیر پڑا دکھائی دینے لگا۔

باقی سب باتیں بڑی تیزی سے ہوئیں—شکار پارٹی پہنچ چکی تھی اور جب ڈاکٹر اس راکھ کو دیکھنے کے لیے جھک رہا تھا۔ میرا سر گھوما اور میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔

میں دوسرے دن دوپہر تک سوتا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر نوری سیما کی پٹی کر رہا تھا۔ مجھے جاگتا دیکھ کر اس نے مجھے کوئی دوا دی اور ایک بار میں پھر سو گیا۔

دوسری صبح جب ڈاکٹر مجھے ملا تو میں ٹھیک تھا۔ ڈاکٹر نے عقلمندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے لوگوں سے بھیڑیے کے موت ہونے کی تصدیق تو کر دی تھی مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ بھیڑیے کے روپ میں رجیا تھی۔

پھر عابدی کی مدد سے یہ معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔

سیما بھی ٹھیک ہو چکی تھی۔

رات کو میں نے سیما کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

سارے راز اس پر ظاہر کر دیے تھے۔

جواب میں وہ صرف مسکرا دی تھی۔

میرا خیال ہے کہ شہر پہنچ کر وہ یقیناً مجھ سے طلاق لے لے گی—ویسے مجھے پتہ نہیں کیونکہ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ رات بھر وہ بے حد بے چین سی رہی تھی۔ آج صبح سے باہر گھومنے گئی ہوئی تھی۔

اور میں—

میں صبح سے بیٹھا یہ ساری داستان کاغذ پر منتقل کر رہا تھا—ٹائپ رائٹر پر میری انگلیاں تیزی سے چلے جا رہی تھیں اور اس وقت شام ہو رہی ہے۔ وہ اب آنے ہی والی ہو گی۔

میں کھڑکی میں سے چاند کو نکلتے دیکھ رہا ہوں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ سیما کو اب مجھ سے شدید نفرت ہو گئی ہے اور—میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں—میں لکھنے کی ٹیبل سے اٹھنا نہیں چاہتا۔ مجھے یہیں رک کر سیما کی واپسی کا انتظار کرنا ہو گا۔

مجھے تعجب ہے زخمی ہونے کے بعد بھی—آخر وہ سارا دن کہاں گھومتی ہے—؟ اس طرح زخم کے ساتھ گھومنا اس کے لیے یقیناً مضر ہو سکتا ہے۔

وہ زخمی ہے اور یہ زخم—اوہ—مجھے کچھ اور بھی یاد آ رہا ہے۔

اوہ—خدا کرے سیما واپس نہ آئے۔

آج وہ سارا دن بے چین رہی تھی اور تنہا باہر

چلی گئی تھی۔ اب میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کیوں یہاں نہیں ٹھہری تھی۔

یقیناً اس کا زخم ــــ گل کھلا رہا ہوگا ــــ

مجھے یاد آ گیا ہے۔ میں نے بیرو کی لڑکی کی موت پر جب رجیا سے کہا تھا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر وہ مر چکی ہے تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

کیونکہ اس کا خیال تھا کہ لڑکی اگر اس کے بعد بھی بچ جاتی ــــ تو وہ بھی ایک ایسی مخلوق بن جاتی جو بھیڑیے کا روپ دھارنے پر قادر ہو سکتی تھی ــــ اور سیما کے حلق پر بھیڑیے کے دانتوں کا لگایا ہوا زخم موجود تھا اور سیما مری بھی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زخم اپنا کام کر رہا ہوگا ــــ سیما جنگلوں میں آخر کیوں گئی ہے ــــ؟

میرے سامنے کھڑکی موجود ہے اور میں اس میں سے دیکھ سکتا ہوں۔

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا ــــ ہاں وہ آہستہ آہستہ ادھر ہی آ رہی ہے۔ چاند کی روشنی میں وہ مجھے صاف دکھائی دے رہی ہے۔ چاند اس کے بکھیرے بال اور جسم پر دمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں ترچھی ہو کر اس کے سفید سفید بھیانک دانتوں پر منعکس ہو رہی ہیں۔

سیما مجھ سے نفرت کرتی ہے اور وہ اب واپس آ رہی ہے۔ مگر عورت کی شکل میں نہیں ــــ

اوہ ــــ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا میں نے دروازہ اندر سے بند کیا ہوا ہے ــــ؟ ہاں یہ تو بند ہے۔ یہ اچھا ہے۔ وہ اندر نہیں آ سکتی۔ وہ باہر ہی منڈلاتی رہے گی ــــ دروازہ کھرچتی رہے ــــ آوازیں نکالتی رہے گی ــــ

ہو سکتا ہے۔ عابدی آ جائے ــــ ہو سکتا ہے ڈاکٹر ہی آ جائے ــــ اگر وہ نہ بھی آئے تو بھی میں اندر محفوظ ہوں۔

صبح ہوتے ہی وہ بھاگ جائے گی اور جب وہ دوبارہ آئے گی تو میں یہ تعلق فوراً ختم کر لوں گا۔

مگر ــــ اس کی غراہٹیں کتنی اونچی ہیں ــــ

اسے یقیناً میرے ٹائپ رائٹر کی آوازیں سنائی دے رہی ہوں گی۔ وہ باہر بے چینی سے گھوم رہی ہے۔ انتقام کی آگ میں سلگتی ہوئی۔ مجھے چیر پھاڑ ڈالنے کے لیے بے تاب ــــ مگر میں محفوظ ہوں۔ اندر میں محفوظ ہوں۔

کیا وہ مایوس ہو چکی ہے ــــ؟ وہ دروازہ کھرچ کر جا چکی ہے۔ مجھے اس کے قدموں کی آہٹیں بھی ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں مگر ــــ یہ کیا ــــ یہ آہٹیں اب کسی اور سمت سے کیسے آ رہی ہیں ــــ

آہ ــــ وہ کھڑکی کی سمت سے آ رہی ہے۔ اس کھڑکی کی سمت جس کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ جس کا شیشہ رجیا نے اندر آتے وقت توڑ دیا تھا۔ وہ کھڑکی اب شیشے سے بے نیاز ہے اور بالکل غیر محفوظ بھی ــــ وہ غرا رہی ہے ــــ وہ کھڑکی تک پہنچنے کے لیے چھلانگ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔

چاند کی روشنی میں وہ مجھے صاف نظر آ رہی ہے۔ ایک بھیڑیے کا جسم مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔ زمین سے چپکا ہوا ــــ اچھلنے کے لیے تیار ــــ

(ختم شد)

تمہارا برا وقت اب سے شروع ہو گیا اور تمہارے وہ پائلٹ ساتھی نفع میں رہے جنہوں نے ہماری بات کو سمجھا۔ اس کے ساتھ ہی بلا طرز کی مخلوق نے ایک زوردار قہقہہ مارا اور غائب ہو گیا

غیر مرئی مخلوق

محمد رضوان قیوم

اس پراسرار مافوق الفطرت کہانی کو ایک جرمن فائٹر جو کہ جرمن ایئر فورس میں سکواڈ لیڈر بھی تھا اس کا نام ”مسٹر راجر فیلمز“ تھا اس نے اپنی کتاب ”دی لینڈ سائن“ میں لکھا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اپنے فائٹر جہاز میں اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح چاک و چوبند (الرٹ) بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران مجھے وائرلیس پر میرے سکواڈ ”ون لیڈر روم تون“ کا حکم ملا کہ تم 8 دیگر فائٹر جہازوں کی قیادت کرتے ہوئے فینس کی آبادی میں کارپٹنگ بمبارمنٹ کر کے آؤ۔ میں نے فوری طور پر اپنے دیگر پائلٹوں کو وائرلیس کے ذریعے فینس کی آبادی کے اوپر بمبارمنٹ کے لیے چند ہدایات اور احکامات دیئے۔ چند منٹوں بعد میرے طیارے کے پیچھے 8 فائٹر طیارے فینسی کی آبادی پر پرواز کرنے لگے۔ نسٹ نامی ایک پائلٹ نے مجھے وائرلیس پر یہ پیغام بھیجا کہ۔

”سر! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس مشن سے نکل کر واپس چلا جاؤں۔۔۔؟“ میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”اول تو تم ایسا نہ کرو اور اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہارا ابھی پر کورٹ مارشل کروں گا۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں میں اس مشن میں شرکت نہیں کر سکتا۔ میری کچھ مجبوری ہے۔“ میں نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ۔

”اس وقت اور ان حالات میں تمہیں ایسی کون سی مجبوری یاد آ گئی۔۔۔؟“

”سر! میری آنکھوں کے سامنے ایک بھیانک جن نما مخلوق بیٹھی ہے اور وہ مخلوق مجھ سے کہہ رہی ہے کہ جہاں تم فضائی حملہ کرنے جا رہے ہو اس پر ہمارا ہیرو ہے اور ہم ہرگز یہ برداشت نہیں کریں گے کہ تم ہمارے ہیرو پر جا کر بمبارمنٹ کرو آگ برساؤ۔“

”لگتا ہے تم پاگل ہو گئے ہو یا ڈرپوک ہو۔۔۔؟“

اس نے جواباً میرے حکم کی گستاخانہ عدولی کرتے ہوئے تنی میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مسٹر راجر جو بھی ہو میں اس مشن سے بذات خود علیحدہ ہو کر واپس جا رہا ہوں۔“

”دیکھو اس سے تمہیں شدید نقصان ہوگا۔“

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔۔۔“ نسٹ نے میری وارننگ کو نظر انداز کیا اور اپنے فائٹر جہاز کو ہماری ٹکڑی سے علیحدہ کر لیا۔



"اچھا میں تم سے واپسی پر نمٹ لوں گا۔" میں نے یہ لفظ اسے غصے سے کہا تو میری وائرلیس پر مجھے واقعی بڑی دلخراش آواز سنائی دی۔

"مسٹر راجہ! تمہارا برا وقت شروع ہو گیا ہے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اس مشن سے واپس آ جاؤ۔"

لگی بات یہ ہے کہ مجھے دلی طور پر عجیب سا خوف محسوس ہوا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے اپنے دیگر بقیہ 7 ساتھی ہوابازوں کہا کہ۔

"وہ اپنے جہازوں کو فینسی کی آبادی کے مطلوبہ پوائنٹ پر پہنچنے کی بھرپور کوشش کریں۔"

دراصل ہم نے ایک مخصوص پوائنٹ سے اس آبادی پر کارپیٹ بمبار نمٹ کرنی تھی۔ ایک اور جہاز کے پائلٹ "تونے" نے مجھ سے وائرلیس پر رابطہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے سر پر شدید درد یا محسوس ہو رہا ہے۔ میں ذہنی طور پر اس مشن کو جاری رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ لہٰذا مجھے واپس جانے کی اجازت دی جائے۔"

میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اسے Reply دیا کہ۔

"یہ مشن بڑا ضروری ہے اور ہم کامیابی کے بالکل قریب ہیں۔ لہٰذا تم ہمت کرو اور آگے بڑھو۔"

"نہیں —— سوری میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔"

اس نے بھی وہی باتیں کیں جیسے کرنٹ نے کی تھی۔ یعنی میرے سامنے ایک عجیب سی مخلوق بیٹھی ہے اور مجھے کہہ رہی ہے کہ تم ایسا نہ کرو جیسا کہ تمہیں حکم ہے تونے نے فائٹر کو 100 ڈگری اوپر اٹھا کر اسے واپسی کی جانب موڑ لیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے مزید تین پائلٹوں نے مجھ سے واپسی کا اصرار کیا۔ وہ بھی کچھ ملتی جلتی یہی کہانی سنا رہے تھے کہ ان کے کاک پٹ کے سامنے ایک عجیب سی مخلوق بیٹھی ہے اور وہ کہہ رہی ہے تم واپس ہو جاؤ۔ میں نے سب کو حالانکہ سختی سے منع کیا لیکن انہوں نے آپس میں ایسا ایکا کیا ہوا تھا کہ انہوں نے میرے حکم پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تینوں بھی بذات خود اس مشن سے علیحدہ ہو گئے۔

فینس کی آبادی پر ہم تین ہوابازوں کے طیارے منڈلا رہے تھے۔ میرے علاوہ شیبران اور لانیڈم پائلٹوں کے طیارے تھے شیبران نے مجھے کہا کہ۔

"سر! کیا حکم ہے ——؟ ہمارے طیارے فینس کی آبادی کے بالکل مطلوبہ پوائنٹ پر ہیں۔" میں نے اسے کہا کہ۔

"میں پہلے پلاسٹک فیکٹری پر کارپٹ وہ بم پھینکوں گا اور اس کے بعد تم برسٹ برسانے کے بعد اپنے بم برسانا۔" لانیڈم کو میں نے کہا کہ۔

"تم 200 گز کے فاصلے سے بالکل ایسا ہی عمل دہراؤ۔" میں نے اپنے جہاز کو ایک مخصوص غوطہ کی شکل دے کر بم ایک کی پوزیشن دی اور لوڈنگ بٹن اپنی پوزیشن سے برابر بھی کس سے مس نہ ہوا۔ میں نے ایکسٹرا لوڈنگ بٹن پر اپنا زور دار انگوٹھا رکھا لیکن وہ بٹن اپنی جگہ اڑا رہا۔

"کیا کیا جائے ——؟" میں نے لانیڈم کو کہا کہ۔

"تم کہاں اور کیا کر رہے ہو ——؟"

اس کے جہاز سے ایک اور بڑی کان پھاڑ دینے

والی یہ آواز آئی۔

''پاگل لائیڈم کا سرکچل کر قیمہ نکال دیا گیا ہے وہ تو کچھ دیر بعد دیکھ لے گا۔'' (ساتھ ساتھ ہنسنے کی آواز آنے لگی)

اس مقام پر مجھے دلی طور پر یقین ہو چکا تھا کہ لازماً فینس کی آبادی میں غیر مرئی مخلوق کا بسیرا ہے۔ بقول راجر کے۔

میں نے اس کشمکش زدہ حالات میں شیران سے مشورہ کیا کہ۔

''حالات ہمارے حق میں نہیں ہیں تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو ــــ'' اس نے میری تابعداری کرتے ہوئے کہا۔

''حالات تو واقعی بڑے گھمبیر اور ہمارے مشن کی راہ میں بڑی رکاوٹ والے ہیں۔ لیکن آپ جیسا مجھے حکم دیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔''

''واپس چلو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

''وہٹ ہر؟''

شیران نے اپنا طیارہ اوپر اٹھایا اور اسے میرے برابر لے آیا۔ اس نے بڑی افسردگی سے کہا کہ۔

''ہمارے بہادر ہوا باز پائلٹ یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے واپس کیسے ہو گئے ــــ؟''

''اس بارے میں تم سے تفصیل سے بات کروں گا۔ لیکن فی الحال مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا یہ مشن ناکام رہا۔ حالانکہ ابھی دشمن کی جانب سے کوئی اینٹی ائر گن بھی نہیں چلائی گئی۔ آج دشمن کی کمر توڑنے کا بہت اچھا موقع تھا۔'' میں ابھی اس سے وائرلیس پر یہ گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اچانک میری نظروں کے سامنے سے شیران کا طیارہ اس طرح پھٹا جیسے کہ کسی گیس والے غبارے کو سوئی چبھو دی جائے ــــ یہ کیا ہوا ــــ؟

حالانکہ شیران کے طیارے کے یوں پھٹنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ میں نے فوری طور پر اپنے طیارے کو اس خوفناک ماحول سے نکالنے کے لیے آخری حد تک سپیڈ بڑھائی ــــ میں ابھی فینس شہر کی حدود کو تقریباً چھوڑنے ہی والا تھا کہ میرے جہاز کے کاک پٹ میں ایک انتہائی بھیانک شکل کا نوجوان عمر کا بھوت نما مخلوق بیٹھ گئی۔ اس لمحے میرے اعصاب میں شدید تناؤ خوف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ لیکن میں نے اس کے باوجود اپنے جہاز کے کنٹرول ہینڈل کو نہ چھوڑا۔

''کوئی فائدہ نہیں مسٹر راجر اس جہاز کا کنٹرول اب تمہارے پاس نہیں بلکہ تمہاری زندگی اور اس اڑتے ڈبے کی باگیں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ راجر! تمہارا برا وقت اب سے شروع ہو گیا اور تمہارے وہ پائلٹ ساتھی نفع میں رہے جنہوں نے ہماری بات کو سمجھا۔ اس کے ساتھ ہی بلا طرز کی مخلوق نے ایک زوردار قہقہہ مارا اور غائب ہو گیا۔

میں نے جہاز کے سیکنڈ کنٹرول ہینڈل کو پکڑ کر سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ انتہا جام اور سخت ہو گیا تھا کہ وہ میرے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ میرا جہاز انتہائی تیزی سے زمین کی جانب آ رہا تھا مجھے فوری یقین ہو چلا تھا کہ میری زندگی کا کام تمام ہونے والا ہے۔ میں نے اپنے طور پر جہاز کو آسمان کی جانب اٹھانے کی کوشش کی لیکن ایک دھڑم کی آواز کے ساتھ میرا جہاز سطح زمین سے رگڑیں کھاتا ہوا ایک گہری کھائی کی

جانب بڑھنے لگا۔۔۔ میں نے انجیل مقدس کے چند کلمات پڑھے اور اپنی آنکھیں بند کرلیں چند لمحوں بعد یہ ہوا کہ میرا تیز دوڑتا ہوا جہاز یکدم ایسے رکا جیسے اسے کسی نادیدہ مخلوق نے پکڑ لیا ہو۔۔۔

"راجر!! اگر ہم آج چاہیں تو تیرا تیرے ساتھی لانیڈم کی طرح قیمہ نکال سکتے تھے۔ اب تو اپنی بقیہ زندگی سسک سسک کر اس طرح گزارے گا کہ تو روز مرے گا۔" اس کے بعد میرے کانوں میں فلک شگاف ہنسی کی آوازیں گونجنے لگیں۔ پھر میں بے ہوش ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے کچھ ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم پر معجزاتی طور پر زیادہ بڑے زخم نہیں آئے تھے۔ صرف خراشیں تھیں میں نے اپنی ہمت کو یکجا کیا۔ میں بڑی مشکل کے ساتھ جہاز کے کاک پٹ سے باہر نکلا۔

میں ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک مقام پر میں نے ایک جگہ لانیڈم کا مکمل طور پر جلا اور کئی ٹکڑوں میں تقسیم ملبہ پڑا دیکھا۔ میں جب ذرا آگے بڑھا تو وہاں میری نگاہوں کے سامنے بری طرح ادھڑی ہوئی اس کی لاش پڑی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر مجھے قے آگئی۔ میں خوراک یا پانی کی تلاش میں ذرا آگے بڑھا تو میرے سامنے اچانک چند اتحادی فوجی بندوق تانے آگئے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے گولی مارتے میں نے اپنے آپ کو ان کے سامنے ہینڈز اپ کرلیا۔ اتحادی فوجیوں نے مجھے ایک فوجی جیل میں بند کردیا۔

بقول راجر میں اس جیل میں تقریباً 1.6 سال قید رہا۔ اس عرصہ میری اکلوتی بیٹی جسے میں بہت پیار کرتا تھا وہ چھت سے پھسل کر مرگئی نیز میری محبوب بیوی "ایملی" جسے میں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا وہ ایک دم ہارٹ اٹیک کی وجہ سے چل بسی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ میں جب اتحادیوں کی قید میں تھا یہ سب مجھے ہنستی ہوئی نادیدہ آواز کے ذریعہ پتہ چلتا تھا۔ وہ نادیدہ مخلوق میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہتی تھی۔

"کہ ہم نے نہ صرف تیرے گھر کی بربادی کی بلکہ تجھے ذہنی طور پر اتنا دیوانہ اور مفلوج کردیا ہے کہ تو اپنے منہ سے موت مانگے گا۔"

بقول راجر کہ میں جنگ کے بعد اتحادیوں کی قید سے چھوٹ کر اپنے گاؤں بائرلوکون آیا تو میرے گھر میں کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد راجر نے بتلایا کہ۔

میں اپنے خالی گھر میں رہنے لگا اس کا سناٹا مجھے کسی سانپ کی مانند ڈسا کرتا تھا۔ میری نیم پاگل والی کیفیت ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد مجھے ایک بار اس مشن میں شامل ساتھی "تونے" ملا تھا اس نے جنگ کے بعد ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ وہ بہت بڑا کاروباری بن کر خوشحال زندگی گزار رہا تھا اور اسی طرح اس مشن سے حکم عدولی کرنے والے پائلٹ اور ان کی اولادیں معاشی اور گھریلو زندگی سے مطمئن خوش و خرم تھے۔ آخر میں راجر نے اپنے اس پچھتاوے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ۔

"کاش۔۔۔ ! میں فینسی شہر پر ہوائی حملہ نہ کرتا اور اس شہر میں بسنے والی نادیدہ مخلوق کی بات مان لیتا۔"



رات کو جب پراسرار گھنٹیاں بجیں اور پھنکاروں کا شور سنائی دیتا تو لوگ دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگے ان بھیانک آوازوں نے ان کے جسموں سے خون نچوڑ لیا

ناگ راجہ

...... رفعت محمود

پرانے مندر کے چاروں طرف کھیت ہی کھیت تھے اور ان کھیتوں سے پرے جنوبی سمت گھنا جنگل تھا۔ جب رات گہری ہو جاتی تو اس جنگل سے گیدڑوں کی چیخیں اور الوؤں کی ہو ہو کا شور بلند ہونے لگتا۔ لیکن یہ شور مندر کی دیواروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔ مندر کی بوڑھی بے نور اور پتھرائی ہوئی آنکھوں نے صدیوں کی انقلاب آفرینیاں اور زمانے کی سیکڑوں کروٹیں سمیٹ رکھی تھیں۔ اس پرانے اور بے آباد مندر کا ایک ہی ساتھی تھا اور وہ تھا برگد کا درخت جس کی لمبی لمبی شاخیں اور موٹی موٹی جڑیں اس کے دروازے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ اس پر ہر وقت چڑیاں کوے آ کر ستاتی رہتیں۔ بوڑھے برگد اور پرانے مندر کی آنکھیں برسوں سے کسی کی راہ دیکھتے دیکھتے پتھرا گئی ہیں۔ لیکن یہاں کوئی پوجا کو نہ آیا تھا۔ ویرانیاں اور ہولناکیاں شاید ان دونوں کا مقدر بن چکی تھیں۔

ایک رات مندر کی گھنٹیاں خود بخود بج اٹھیں اور پھر فضا میں کسی خوفناک عفریت کی پھنکاریں سنائی دینے لگیں۔ یہ پھنکاریں تیز ہوتی گئیں اور اس کے ساتھ ہی مندر سے لوبان عود اور عنبر کی خوشبوئیں پھوٹنے لگیں۔ لیاقت پور والے سخت حیران ہوئے ان کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ وہ اپنے بستروں پر پڑے کروٹیں بدلتے رہے۔ ان آوازوں نے صدیوں کا جمود توڑ کر رکھ دیا تھا۔ لیاقت پور کے تمام باسی سوچتے رہے۔ لیکن کسی پر یہ بھید نہ کھل سکا کہ یہ دیوی دیوتاؤں کا اسرار ہے یا کسی بھوت پریت کا کیا دھرا۔ ساری رات چاند کرنیں بکھیرتا رہا۔ ستارے آنکھیں جھپکتے رہے اور جب اس واقعے سے قصبے میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ بہت سے لوگ اس لڑکی کی تلاش میں نکلے۔ لیکن کافی تلاش کے بعد بھی اس لڑکی کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔

پھر کچھ روز تک اس قسم کا کوئی واقعہ رونما نہ ہوا۔ لیکن چند ہی روز بعد ایک رات پھر سانپ کی پھنکاروں اور گھنٹیوں کی آوازوں سے لیاقت پور والوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ ان کے لیے یہ رات صدیوں پر بھاری ہو گئی۔ جب صبح ہوئی تو پتا چلا کہ گاؤں کی ایک خوبصورت لڑکی رانی بھی غائب ہو چکی ہے۔ دو خوبصورت کنواری لڑکیوں کی پراسرار طور پر گمشدگی گاؤں والوں کے لیے ایک معمہ بن کر رہ گئی۔ کچھ لوگوں نے مسلح ہو کر اس خیال سے جنگل کا کونا کونا چھان مارا کہ کہیں کوئی آدم خور درندہ رانی کو نہ اٹھا کر لے گیا ہو۔ لیکن جنگل میں ایسا کوئی بھی نشان نہ ملا جس سے ثابت ہو کہ رانی کسی جنگلی درندے کا لقمہ بنی ہے۔



اس واقعہ کے بعد لوگ مختلف قسم کی خیال آرائیاں کرنے لگے۔ کسی نے کہا کوئی پراسرار قبیلوں کا مالک پجاری مندر میں براجمان ہو چکا ہے اور دیوی دیوتاؤں کے لئے لڑکیوں کی بھینٹ دے رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ صدیوں سے مندر میں پوجاپاٹ نہ ہونے کے سبب دیوی دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔ کسی نے کہا جنگل کا کوئی آسیب مندر میں داخل ہو کر اپنی کارستانیوں میں مصروف ہے۔

گاؤں کے پڑھے لکھے اور تہذیب یافتہ نوجوانوں کی رائے اس سے بالکل مختلف تھی وہ کہہ رہے تھے کہ یہ سب ڈاکوؤں کے کسی پراسرار گروہ کا کیا دھرا ہے۔ وہی نقلی آوازوں کے ذریعے بستی والوں کو خوف زدہ کر رہا ہے تاکہ لیاقت پور کا وسیع قصبہ ویران ہو جائے اور وہ اپنی من مانی کارروائیاں عمل میں لا سکیں۔ یقیناً ان ڈاکوؤں نے اس مندر میں اپنا لوٹا ہوا سونا چاندی جمع کر رکھا ہے۔

کئی راتیں لیاقت پور ان آوازوں کی لرزخیزی سے محفوظ رہا۔ لیکن ایک رات پھر یہ آوازیں سنائی دیں تو بستی کے تمام مرد اور عورتیں بوڑھے اور بچے اپنے اپنے مکانوں میں پاگلوں کی طرح چیخنے اور شور مچانے لگے۔ جیسے بستی کے ہر گھر میں بھوت گھس آئے ہوں۔ رات بیت گئی تو صبح ہوتے ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح قصبے میں پھیل گئی کہ گاؤں کے زمیندار راجو چاچا کی بیٹی کرشمہ گم ہو چکی ہے۔ راجو اور ان کی بیوی پر دورے پڑنے لگے سارے قصبے میں صف ماتم بچھ گئی۔ اس روز نہ ہی کوئی کسان کھیتوں میں گیا اور نہ ہی کوئی مزدور جنگل میں لکڑیاں کاٹنے۔ سارا دن قصبے پر ایک عالم یاس و ہراس مسلط رہا۔ لوگ مختلف گھروں میں جمع ہو کر خیال آرائیوں میں مصروف ہو گئے۔ گاؤں کا چوہدری البتہ خاموش تھا وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا نظر آتا تھا۔ آخر اس نے اپنی کانپتی لرزتی آواز میں قصبے والوں سے کہا۔

"میرے خیال میں ہم سب کو خیال آرائیوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے گوکل چند کے پاس جانا چاہئے۔ وہ علم نجوم کا ماہر ہے۔ وہی ہمیں اس حقیقت سے باخبر کر سکتا ہے کہ گاؤں کی لڑکیوں کو کون لے جاتا ہے۔"

گاؤں والوں کو چوہدری کی یہ بات پسند آئی اور سب ہی گوکل سے ملنے کے لئے اس کے گھر کی طرف چل پڑے۔ تمام بستی والوں کے ذہنوں میں ہلچل سی مچی تھی اور دلوں میں خوف کی پرچھائیاں رینگ رہی تھیں۔ وہ مندر سے اٹھنے والی آوازوں اور لڑکیوں کی پراسرار گمشدگیوں کے اسرار کو جاننے کے لئے بے تاب تھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے گوکل چند کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ تاکہ اس سے پوچھ سکیں کہ یہ سب کیا ہے۔ کیا یہ کسی دیوی دیوتا کا قہر و غضب ہے یا کچھ اور؟۔۔۔ گوکل چند کا گھر گاؤں سے کچھ دور ایک ٹیلے کے اوپر تھا۔ بستی والے جب اس کے گھر کے پاس پہنچے تو گوکل اس وقت اپنے گھر کے اندر بیٹھا کسی جاپ میں مصروف تھا اور اس کی بیٹی نیلم جھانجھر چھنکاتی ٹیلے سے اتر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر افشاں جھلملا رہی تھی ماتھے اور چہرے کا رنگ اس کے حسن کو بڑھا رہا تھا۔ اس کی مدھ بھری آنکھوں میں نشے کی لہریں ناچ رہی تھیں اور وہ اس وقت کسی ایسی دیوی کی مانند نظر آرہی تھی۔ جو ابھی ابھی نیل گگن کی وسعتوں سے چاند تاروں سے جھولیاں بھرتی چھن چھن کرتی دھرتی پر اتر آئی ہو۔ لیاقت پور کے جوانوں نے اسے دیکھا تو مسحور ہو کر رہ گئے اور سینے کے اندر ان کے دل کبوتروں کی طرح پھڑپھڑانے لگے۔ نیلم کی جھانجھر کے گیت ان کی روحوں میں تحلیل ہوتے جا رہے تھے اور جب وہ ان کے قریب آکر رکی تو انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہے اور پنچھی اپنی اڑانیں بھول گئے ہیں۔ سارے نوجوانوں کو نیلم کے حسن میں یوں کھوئے دیکھ کر چوہدری نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"ہم تیرے باپ سے ملنے آئے ہیں نیلم۔ قصبے میں گونجنے والی پراسرار آوازوں اور لڑکیوں کے غائب ہونے والے واقعات نے ہمارے من پاگل کر دیئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ہلچل مچا دی ہے۔ ذرا جلدی سے اپنے باپ کو ہماری آمد کی خبر کر دو۔"

نیلم نے یہ سنا تو بجائے حیران ہونے کے ہولے سے مسکرا دی اور بستی کے نوجوانوں کے دلوں کے تار جھنجھنا اٹھے اور ان کی روحیں کیف آگیں نشے سے بوجھل ہو کر رہ گئیں۔ نیلم اب جھانجھر چھنکاتی اپنے گھر میں داخل ہوئی اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اپنے باپ کو لے کر باہر آگئی۔

"تم لوگ یہاں کیا لینے آئے ہو؟" گوکل نے حیرت سے لوگوں کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"مہاراج قصبے میں کسی نہ کسی رات گھنٹیوں کی پراسرار آوازیں اور اژدھے کی پھنکاریں سنائی دیتی ہیں۔" چوہدری نے آگے بڑھ کر کہا۔ "پھر صبح کوئی نہ کوئی لڑکی غائب ہو جاتی ہے۔ ان واقعات نے بستی والوں کا جیون اجیرن کر ڈالا ہے۔ خدا کے لئے ہمیں بتائیے کہ یہ سب کیوں اور کس کے کارن ہو رہا ہے تاکہ ہم اپنا کوئی بندوبست کر سکیں۔"

چوہدری کی باتیں سن کر گوکل کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات پیدا نہ ہوئے اس کی نظریں کچھ دیر خلاؤں میں بھٹکتی رہیں۔ پھر اس نے گردن جھکالی۔ بستی والے اس پر نظریں گاڑے بے چینی سے اس کے لب ہلنے کے منتظر تھے۔ کچھ دیر یوں ہی خاموش رہنے کے بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا۔

"چوہدری میری فریاد بے کار ہو چکی ہے۔ میں ان واقعات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں آنے والے وقت کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا۔" پھر وہ ایکدم پاگلوں کی طرح چیخا۔ "واپس چلے جاؤ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ جاؤ۔۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔۔"

قصبے والے جو بڑی امیدیں لے کر گئے تھے اور بہت کچھ جاننے کے خواہش مند تھے دل شکستہ واپس لوٹ آئے۔ چوہدری بھی غمگین نظر آتا تھا اور اسے اس طرح دیکھ کر تمام بستی والے افسردہ ہو گئے تھے۔ چوہدری کے تعلیم یافتہ لڑکے رتن کو گوکل کا یہ انداز بالکل پسند نہ آیا اس کا دل چاہا کہ اس نجومی کو مار مار کر کچومر نکال دے۔ لیکن وہ لہو کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گیا۔ گوکل کے گھر سے لوٹتے وقت بستی والوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے سے کہیں زیادہ خوف زدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ سب ہی مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ لیکن رتن اپنی جگہ کھڑا رہا بالکل ساکت وجامد۔ ایک مجسمے کی طرح اس پر نیلم کے حسن کا جادو چل گیا تھا نیلم کی محبت ایک لطیف خوشبو کی طرح اس کی روح میں جذب ہو گئی تھی۔ گوکل اندر جا کر اپنی جاپ میں مصروف ہو گیا تو نیلم پھر گھر سے نکلی اور جب اس کی نظر رتن پر پڑی تو اسے اپنی جانب گھورتے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیا کی سرخیاں دوڑ گئیں۔

"تو واپس کیوں نہیں گیا؟" اس نے پوچھا۔

"نیلم مجھے نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔" رتن نے آہستہ سے کہا۔ "میرا دل یہی چاہتا ہے کہ تو یوں ہی مسکراتی اور جھانجھر چھنکاتی رہے اور میں تیری پائل کے گیتوں میں کھویا رہوں۔"

"تو پاگل ہو گیا ہے کیا؟"

"ہاں نیلم میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں۔"

نیلم نے یہ سنا تو مسکرا دی اور پھر اپنی ہی خوشبو میں سرمست کسی جنگلی ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی ٹیلے کے عقب میں چلی گئی۔ رتن اسے اپنے خیالوں میں بسائے وہیں کھڑا رہا اور نیلم جب واپس آئی تو شام کے لرزتے سائے ٹیلے پر اتر آئے۔ گھنیرے درخت اندھیروں میں ڈوبتے جا رہے تھے اور دور افق پر لوہا کھلا کھلایا کھلایا اور اداس چاند درختوں کی ٹہنیوں سے جھانک رہا تھا۔ نیلم نے جب اسے وہاں دیکھا تو آگے بڑھی اور حیرت سے بولی۔

"تجھے کیا ہو گیا ہے تو گھر کیوں نہیں جائے گا کیا۔"

"گھر میں چاروں طرف اندھیرے ہیں نیلم۔ میں چاہتا ہوں کہ یہیں تیرے پاس کھڑا تیرے حسن کی چاندنی سے دل کی وادیوں کو منور کرتا رہوں۔ مجھے تم سے پیار ہو گیا ہے نیلم پیار ہو گیا ہے۔"

"کیا پیار ہو جائے تو من اسی طرح پاگل ہو جاتا ہے۔" نیلم نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں نیلم۔" رتن کی درد بھری آواز لرزی۔

"لیکن یہ پیار ہوتا کیا ہے؟" نیلم نے ایک معصوم بچے کی طرح اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پیار ایک میٹھا سپنا ہے نیلم" ایک ایسا سپنا جسے دیوتاؤں نے صدیوں تک چاند تاروں میں بیٹھ کر تیار کیا۔ پیار دو دلوں اور دو روحوں کے ملاپ کا نام ہے۔"

"تو اب مجھے جانا ہے۔" نیلم کھوئی کھوئی سی بولی۔ "میری طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔"

"تو اگر کل اسی وقت یہیں ملنے کا وعدہ کرے تو میں چلا جاتا ہوں۔" رتن نے کہا۔ "ورنہ سارا جیون یہیں کھڑے کھڑے گزار دوں گا۔"

نیلم نے یہ سنا تو شرما کر مسکراتے ہوئے حامی بھر لی اور رتن کو ایسے لگا جیسے اس کے جیون کی پھلواری رنگ برنگے پھولوں سے مہک اٹھی ہے۔ وہ واپس چلا گیا۔ اس رات گھنٹیوں کی پراسرار آوازیں بلند نہ ہوئیں اور نہ ہی سانپ کی پھنکاروں کا شور سنائی دیا۔ رتن نیلم کے تصور میں کھویا رہا۔ ساری رات نیلم اسے چاند کے نورانی ہالے میں مسکراتی اور جھانجھ چھنکاتی دکھائی دیتی رہی۔ وہ پہلی بار ایک انجانے جذبے سے سرشار ہوا تھا۔ ایک ایسے جذبے سے جسے محبت کہتے ہیں۔

نیلم بھی ساری رات کروٹیں بدلتی رہی وہ بھی پہلی بار محبت کے جذبے سے سرشار ہوئی تھی۔ جس نے اسے ایک نئی تڑپ اور نئے سرور کی کیفیت سے دوچار کر دیا تھا۔

لیاقت پور میں پہلے سے زیادہ خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ رات ہوتے ہی لوگ گھر بند کر لیتے اور بستی کے نوجوان اپنے گھروں کا پہرہ دینے لگتے۔ نیلم اور رتن کی محبت پروان چڑھتی گئی۔ وہ ایک جان دو قالب ہو کر رہ گئے۔

اگلی رات جب پراسرار گھنٹیاں بجیں اور پھنکاروں کا شور سنائی دیا تو لوگ دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگے۔ ان بھیانک آوازوں نے ان کے جسموں سے خون نچوڑ لیا تھا۔ جب بستی پر دبیز اندھیروں کی چادر تنی اور نیل گگن پر جگنو جھلملانے لگے تو رتن ٹیلے کی سمت چل پڑا۔

بھیانک آوازیں مسلسل بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ لوگ سہمے اور خوف زدہ گھر بند کیے اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ کتے آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر چیخ رہے تھے لیکن وہ ان ساری آوازوں سے بے نیاز اپنے من مندر کی رانی نیلم سے ملنے ٹیلے کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اس کے من میں کلیاں چٹک رہی تھیں۔ رات اس کے لیے ملن کا سندیسہ لے کر آئی تھی۔ لیکن ٹیلے پر پہنچ کر اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ آج نیلم وہاں موجود نہ تھی۔ وہ حیران و پریشان ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ اس نے نیلم کو بہت تلاش کیا لیکن نیلم اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ پھر وہ جنگل کی طرف چلا گیا اور دیوانہ وار آوازیں لگانے لگا۔

"نیلم ..... نیلم ..... تو کہاں ہے نیلم؟" اس کی آوازوں سے سارا جنگل گونج اٹھا۔ مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب اس کے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ پراسرار آوازوں کا شور مدھم ہو ہو کر تھم چکا تھا۔ اس کے دل میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیلم کہاں چلی گئی۔ نیلم کو کون لے گیا۔ اس نے نیلم کو بہت تلاش کیا۔ لیکن وہ نہ ملی اور پھر جب وہ

واپس آرہا تھا تو مندر کی طرف جانے والے راستے کی ایک خاردار جھاڑی میں سے اسے کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی اس نے غور سے دیکھا تو یہ نیلم کی ٹوٹی ہوئی جھانجھر تھی جو جھاڑیوں میں اٹکی ہوئی تھی۔ رتن نے یہ جھانجھر اٹھالی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا وہ سوچنے لگا۔ یقیناً کوئی اس کی نیلم کو اٹھا کر مندر میں لے گیا ہے اور پھر وہ مندر کی طرف بڑھنے لگا۔ چاند کی کرنیں بوڑھے برگد کی شاخوں سے چھن چھن کر پرانے مندر کی سیڑھیوں پر پھیل آئی تھیں۔ یہ رات دوسری راتوں سے بڑی مختلف تھی ستاروں کے دل ہولے ہولے دھڑک رہے تھے' سسکاریاں بھرتی ہوئی ہواؤں کے شور سے ایسا گمان ہوتا تھا جیسے لاتعداد روحیں درد سے کراہ رہی ہوں۔ فضا بھی کبھار چتوں کے شور اور چمگادڑوں کی پھڑپھڑاہٹ سے گونج اٹھتی تھی۔ رتن نے مندر کے اندر قدم رکھا تو مندر کا بڑا دروازہ ایک گونج دار آواز کے ساتھ خود بخود بند ہو گیا اور ایک ناگوار سی بو اس کے نتھنوں میں گھسنے لگی۔ اندر بڑی پراسرار سی دھند پھیلی ہوئی تھی اس دھند میں رتن نے دیکھا دائیں بائیں بہت سی مورتیاں رکھی تھیں جن کے سروں پر ناگ آلتی پالتی مار کر بیٹھے تھے۔ مندر کے کونوں کھدروں میں مٹی کے لاتعداد ننھے منے دیے ڈھیروں کی صورت میں پڑے تھے۔ لیکن انہیں ایک طویل مدت سے کسی نے بھی روشن نہ کیا تھا۔ منقش دیواریں قدیم زمانے کی داستانوں کا روپ تھا۔ مگر یہ روپ جگہ جگہ سے اکھڑے ہوئے تھے۔ کمروں کی چھتوں اور دیواروں پر مکڑیوں نے بڑی فیاضی سے جالے بن رکھے تھے اور لاتعداد چمگادڑیں ادھر ادھر پھڑپھڑاتی تھیں۔ فرش پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے تھے جن سے تعفن پھوٹ رہا تھا اسے صحن کے وسط میں ایک چھوٹا سا ٹوٹا پھوٹا تالاب نظر آیا جو پانی سے خالی تھا اور اس میں کائی جمی ہوئی تھی۔ سامنے وسیع دالان میں بہت سے کمرے تھے مگر ان کے دروازے بند تھے۔ دھند اب چھٹتی جا رہی تھی اور رتن ہولے ہولے قدم بڑھاتا ہوئے محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ بدبو سے اس کا برا حال تھا دالان کی طرف بڑھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا اس طلسمی مندر میں آکر اس نے سخت حماقت کی ہے۔

دروازہ خود بخود بند ہونے سے بھی وہ کافی خوفزدہ تھا اس نے اپنے حواس پر قابو پا رکھا تھا۔ لیکن جب وہ وسیع دالان کے قریب پہنچا تو اچانک مندر کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ان گھنٹیوں کے ساتھ ہی اسے کسی اژدہے کی تیز اور لرزا دینے والی پھنکاریں سنائی دیں اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔ دل سینے کے اندر بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ ہولے ہولے پیچھے ہٹتا ہوئے دروازے پر واپس آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل جائے گا۔ لیکن جب انتہائی زور آزمائی کے بعد بھی دروازے کے پٹ نہ کھلے تو وہ سمجھ گیا کہ کوئی پراسرار اور مافوق الفطرت قوت اسے مقید کر چکی ہے۔ لیکن وہ ایک راجپوت نوجوان تھا کسی چوہے کی طرح مرنا اسے قطعاً پسند نہ تھا۔ اس نے سوچا بزدل ہو کر جیون تیاگ دینا راجپوتوں کا شیوہ نہیں۔ مجھے مندر میں موجود پراسرار شکتی کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ویسے بھی تو بھوک پیاسے مرنا ہی ہے پھر کیوں نہ اس شکتی سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھا اس کے آگے بڑھتے ہی گھنٹیاں پھر بج اٹھیں۔ پھنکاریں تیز تیز سنائی دینے لگیں لیکن وہ بے خطر آگے بڑھتا گیا۔ اب وہ دالان کی سیڑھیاں عبور کر چکا تھا۔ سیڑھیاں عبور کرتے ہی پراسرار دھند پھیلتی چلی گئی

اور دھوئیں میں سفید سرخ اور سنہری رنگوں کی افشاں جھلملانے لگی۔ اس افشاں میں اسے ایک لڑکی دکھائی دی۔ جس کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ اس لڑکی کا نصف دھڑ ناگن کا تھا اور اس کے چہرے سے تقدس برس رہا تھا۔ پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے وہ دیوی دیوتاؤں پر بہت ہی کم یقین رکھتا تھا مگر اس وقت وہ یہی سمجھا کہ پراسرار شکتیوں کی مالک ناگ رانی اس کے سامنے جلوہ گر ہے اس پر ایک عجیب سی ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی وہ اس دیوی کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

"ناگ رانی مجھے تیری شکتیوں کی قسم میں نے کوئی پاپ نہیں کیا۔ میں یہاں تیرا اپمان کرنے نہیں آیا۔ مگر---- مجھے تو اپنی نیلم کی تلاش ہے۔ میں اپنی نیلم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ میری زندگی ہے۔ ناگ رانی بھلا کوئی اپنی زندگی کے بغیر رہ سکتا ہے۔" وہ آنکھیں بند کئے گڑگڑا رہا تھا۔ لیکن ناگ رانی خاموش تھی۔ وہ اوندھا لیٹا کافی دیر تک گڑگڑاتا رہا۔ لیکن ناگ رانی نے اس کی فریاد کا کوئی جواب نہ دیا اس نے لیٹے لیٹے ذرا سی آنکھیں کھول کر ناگ رانی کی جانب دیکھا مگر وہ اسی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی وہ سخت حیران ہوا اس نے تو ناگ دیوی کے بارے میں لوگوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا صدیوں سے اس کے متعلق بڑی حیران کن اور پراسرار داستانیں مشہور تھیں۔ کتنے ہی راجکماروں کو اس نے پلک جھپکنے کی دیر میں دور دیس کی سندر راجکماریوں سے ملا دیا تھا۔ کتنے ہی محبت کے روگیوں کو اس نے بھلا چنگا کر دیا تھا اور کتنے ہی غریبوں کو اس نے بادشاہوں کے دفن خزانے کا بھید بتا دیا تھا۔

"دیوی تو بولتی کیوں نہیں۔ کیا تو مجھ پر رحم نہیں کرے گی۔ کیا میری فریاد تیرے کانوں تک نہیں پہنچ رہی؟" رتن کے لہجے میں حقارت تھی۔ وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر دیوی کو چھوا تو حیران رہ گیا۔ یہ تو سچ مچ کی کوئی جیتی جاگتی دیوی نہیں بلکہ مٹی کی ایک سندر مورتی تھی۔ جس کی آنکھوں میں دو سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے اسے سخت غصہ آیا اور اس نے اس مورتی کو اٹھا کر حوض کی طرف پھینک دیا۔ سناٹے میں ایک بھیانک گونج سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی گھنٹیوں کی آوازوں اور ناگ کی پھنکاروں کا شور مدھم ہو گیا اب مندر میں چاروں طرف خاموشی اور ویرانی مسلط تھی۔ اس نے تالاب کی طرف دیکھا تو وہاں مورتی ٹوٹی پڑی تھی۔ اسے اپنی حماقت پر افسوس ہوا کہ اس نے ایک مورتی کے سامنے گڑگڑا کر خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کیا وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مورتی میں کوئی شکتی ہوتی تو وہ اسے مار ڈالتی مگر نہیں یہ سب واہمہ ہے۔ ان مٹی کی بے جان مورتیوں میں ایسی شکتی کہاں کہ ایک انسان کا کچھ بگاڑ سکیں اس خیال نے اسے ایک نیا حوصلہ دیا اور وہ بائیں کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ ایک ہی دھکے سے کھل گیا۔ اندر بہت گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کیا جیسے کوئی پراسرار قوت اس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔ لیکن یہ کوئی پراسرار قوت نہیں تھی بلکہ دروازہ ایک عرصہ بند رہنے کی وجہ سے اسے گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ ان بوجھل اندھیروں اور گھمبیر تاریکیوں میں اسے آگے بڑھنے کی راہ دکھائی نہ دی۔ تو وہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے محسوس کیا جیسے اندھیرا ہولے ہولے کم ہوتا جا رہا ہے اور کمرے کی تیرہ و تار فضا میں کچھ چمک پیدا ہو گئی ہے۔ تاریکیوں کا فسوں ٹوٹتے ہی کمرے کے دائیں جانب ایک تنگ سے راستے پر سیڑھیاں نظر آئیں وہ

ان سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ سیڑھیاں کمرے کے نیچے کسی تہہ خانے کو جاتی تھیں اسے ایک لمحے کے لئے خوف محسوس ہوا لیکن پھر وہ ہولے ہولے سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں ختم ہوتے ہی گوشت کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگا اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو اسے کمرے کی دیواروں کے ساتھ ہڈیوں کے کئی انسانی ڈھانچے نظر آئے۔ یہ انسانی ڈھانچے اپنے چہروں پر خوفناک مسکراہٹیں لئے اسے گھور رہے تھے وہ لرز کر رہ گیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی مافوق الفطرت طاقت نے اس کی تمام قوت سلب کر لی ہے اور پھر جب انسانی پنجر حرکت میں آئے اور انہوں نے ہولے ہولے اس کی جانب بڑھنا شروع کیا تو اس پر ایک لرزہ طاری ہو گیا۔ یہ استخوانی ڈھانچے بڑے مسکرانہ انداز سے لٹک لٹک کر اور کاندھے جھٹک جھٹک کر اس کی طرف آ رہے تھے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس پر ایک ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اس نے تصور میں خود کو موت کے منہ میں محسوس کیا اسے ایسا لگا جیسے یہ ہڈیوں کے ڈھانچے بھوکے گدھوں کی طرح اس کا جسم نوچ رہے ہیں۔ اچانک ایک خوفناک شیطانی قہقہہ بلند ہوا پھر ایک اور قہقہہ۔ اس کی گھگی بندھ گئی اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا تو استخوانی ڈھانچے اسے گھیرے میں لئے کھڑے تھے اور اس کے بالمقابل نیلم کا باپ گوکل شعلے برساتی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"گوکل چاچا تم۔۔۔؟" اس کے حلق سے لرزتی کانپتی آواز نکلی۔

"ہاں احمق لڑکے میں ہوں۔ لیکن تم نے اس ناگ راجہ میں داخل ہو کر اچھا نہیں کیا۔ ناگ راجہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تم نے کئی پاپ کئے ہیں۔"

"پاپ۔۔۔ میں نے۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔" گوکل گرجا۔ "پہلے تم نے ناگ راجہ کی اسی نیلم سے محبت کی اور اسے اپنی محبت کے جال میں پھنسایا۔ اسے جھوٹے پیار کا سہارا دیا۔ پھر جب ناگ راجہ کی شکتی اسے ناگ راجہ کے چرنوں میں لے گئی تو تم اس کی تلاش میں یہاں چلے آئے اور مندر میں پہنچ کر تم نے ناگ دیوی کی مورتی کا اپمان کیا۔ یاد رکھو رتن ناگ راجہ کے راستے کی دیوار بننے کی کوشش نہ کرو۔ جاؤ اور خاموشی سے مندر سے باہر نکل جاؤ ورنہ مجبوراً مجھے ناگ راجہ کے حکم کا پالن کرنا ہو گا اور تم شاید نہیں جانتے کہ پھر ان ڈھانچوں میں ایک اور انسانی ڈھانچے کا اضافہ ہو جائے گا۔"

گوکل چند اسے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ ایک سوالیہ نشان بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے اسے اس کے جواب کا انتظار ہو۔ رتن مجسمہ حیرت بن کر رہ گیا تھا۔

"تم بولتے کیوں نہیں؟" گوکل کی آواز دوبارہ کمرے میں گونجی۔

"گوکل چاچا۔۔۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ نیلم تمہاری بیٹی ہے میں نیلم کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ ہم دونوں مل کر اسے ناگ راجہ کے چنگل سے آزاد کرا سکتے ہیں۔ چاچا تم میری مدد کرو نیلم کو اس درندے سے چھڑا لو۔"

"بکومت۔۔۔!" گوکل دانت پیس کر بولا۔ "نیلم کو ناگ راجہ سے مہا شکتی ہونے والی ہے پھر وہ امر ہو جائے گی۔ وہ سدا جوان رہے گی۔ روئے زمین پر ناقابل شکست قوتوں کی مالک بن کر۔۔۔" پھر اس کا دیوانگی سے بھرپور قہقہہ گونجا۔ رتن کانپ کر رہ گیا۔

"گوکل چاچا!" اس نے دھیرے سے کہا۔ "یاد

رکھو میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔ تم نے میرا ساتھ نہ بھی دیا۔ تب بھی میں اپنی جان دے کر نیلم کو بچانے کی کوشش کروں گی۔"

گوکل نے اس کی اس بات پر ایک اور قہقہہ لگایا جس سے تہہ خانے میں کافی دیر تک ایک بھاری گونج سنائی دیتی رہی پھر جب سناٹا ہوا تو اس نے دیکھا استخوانی ڈھانچہ کا حصار تنگ ہو گیا اور گوکل کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اسی لمحہ اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔

"گوکل چاچا۔" اس نے کہا۔ "میں نیلم کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ لیکن اگر اسے دیوی دیوتاؤں کی طرف سے ساشکتی ہونے والی ہے۔ تو میں اس کے راستے میں نہ آؤں گی۔ ہاں میں تم سے ایک التجا کرتا ہوں۔"

"جلدی بول کیا چاہتا ہے تو۔ انتظار کا وقت نہیں ہے؟" گوکل چاچا نے بے قراری سے کہا۔

"گوکل چاچا میں آخری بار اس مندر سے رخصت ہونے سے پہلے نیلم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔۔" گوکل نے ایک لمحہ کے لئے اس کی جانب غصے سے گھور کر دیکھا اور پھر بولا۔ "اچھا میں تیری یہ آرزو پوری کئے دیتا ہوں۔ لیکن تجھے وعدہ کرنا ہوگا کہ تو اسے چپ کر دیکھے گا اور خاموشی سے واپس چلا جائے گا۔"

"ہاں میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گی۔" رتن نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

رتن کی یہ بات سنتے ہی گوکل نے استخوانی ڈھانچوں کو پرے ہٹ جانے کا اشارہ کیا تو یہ ڈھانچے الٹے پاؤں تیزی سے حرکت کرتے اپنی جگہ دیوار کے ساتھ جا لگے۔ رتن نے اطمینان کا سانس لیا۔

"آؤ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ وقت بہت تھوڑا ہے۔" یہ کہتے ہوئے گوکل نے دیوار کو ہلکی سی ٹھوکر لگائی تو وہاں ایک دروازہ نمودار ہوا پھر دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی یہ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

اب دونوں ایک ایسے کمرے میں تھے جس میں ایک مریل سا شخص کسی مشین کے سامنے بیٹھا تھا اس کے چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور وہ کافی ضعیف نظر آتا تھا۔ وہ مشین کے مختلف پرزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا پھر کبھی ایک پرزے کو مشین میں فٹ کرتا کبھی دوسرے کو رتن اس شخص کی حرکات میں کھویا ہوا تھا۔ کہ گوکل نے اسے کاندھے سے ہلا کر بائیں سمت آنے کا اشارہ کیا۔ اس سمت ایک اور چھوٹا کمرہ تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر گوکل نے بٹن گھمایا تو کمرے کی دیوار میں ایک بڑا سا خلا نمودار ہوا رتن نے آگے بڑھ کر اس سوراخ میں جھانکا تو اسے حیران کن منظر نظر آیا۔ مندر کا پست قد اور بدشکل ناگ راجہ ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ نیلم اس کے سامنے مبہوت کھڑی تھی۔ ناگ راجہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرا رہا تھا۔ نیلم کے چہرے پر کسی دیوی کا تقدس اور ہونٹوں پر مونالیزا کی سی دلکش مسکراہٹ تھی۔ وہ ایک باندی کی طرح اس پجاری کے سامنے کھڑی تھی۔

"ناگ راجہ تجھے ساشکتی دان کرنے والے ہیں۔ نیلم پھر تو امر ہو جائے گی۔ لیکن تجھے میرے سامنے بے لباس ہونا ہوگا۔" نیلم کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

"تو بولتی کیوں نہیں نیلم؟"

"میں حاضر ہوں مہاراج!" نیلم کی آواز جیسے کسی گہرے کنوئیں سے سنائی دی۔

"دھن ہو۔۔۔" ناگ راجہ کے چہرے پر شیطانیت ناچنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ہوس کی

لہریں پھیلنے لگی اور پھر رتن نے دیکھا ایک نامعلوم کشش کے تحت نیلم ہولے ہولے آگے بڑھتی ہوئی ناگ راجہ کی آغوش میں گر پڑی۔ ناگ راجہ کا ایک شیطانی قہقہہ کمرے کی فضا میں بھیانک گونج پیدا کر گیا اور رتن نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کا دل پاتال میں ڈوب گیا ہے۔

"گوکل چاچا یہ سب کیا ہے؟" وہ چیخا۔

"خاموش۔۔۔۔" گوکل کی آواز ہولے سے لرزی۔ "تم نے وعدہ دیا تھا کہ تم نیلم کو ایک نظر دیکھ کر واپس چلے جاؤ گے۔ اپنا وعدہ پورا کرو اور خاموشی سے واپس لوٹ جاؤ۔"

"لیکن میں نیلم کو اس درندے کے منہ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ۔۔۔۔۔ وہ اس پر جادو کر کے اس کی عزت لوٹنا چاہتا ہے۔ میں۔۔۔۔ مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا چاچا۔۔۔۔"

"نادان لڑکے میں کہتا ہوں۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" گوکل نے اسے دھکا دیا تو رتن گرتے گرتے بچا لیکن سنبھلتے ہی اس کی آنکھوں میں خون گردش کر آیا۔ اس نے گوکل کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا اور اتنی شدت سے دبایا کہ وہ بے سدھ ہو گیا۔ پھر اس نے کمرے میں پڑی ایک مضبوط رسی سے اس کو باندھا اور ایک کونے میں ڈال دیا۔

گوکل بے ہوش ہو چکا تھا۔ گوکل سے فارغ ہو کر اس نے اس سوراخ میں جھانکا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ نیلم اب ناگ راجہ کی آغوش میں نیم برہنہ پڑی تھی۔ اس پر ایک مدہوشی طاری تھی اور ناگ راجہ اس کی خوبصورت زلفوں سے کھیل رہا تھا۔

رتن سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور اس نے دروازے پر زور سے ٹھوکر لگائی جس کے ساتھ دروازہ چرچرا کر کھل گیا اور ناگ راجہ، رتن کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے ایسے اٹھ کھڑا ہوا جیسے اچانک اسے کسی بھیڑیئے نے کاٹ لیا ہو۔

"کون ہو تم؟" وہ بڑے زور سے چیخا۔

"میں رتن ہوں۔ تم چپ چاپ نیلم کو میرے حوالے کر دو۔ ورنہ تجھے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت نیلم کو مجھ سے نہیں چھین سکتی۔" وہ یہ کہہ رہا تھا کہ نیلم اپنی جگہ سے اٹھ کر چیخی۔

"رتن۔۔۔۔ خدا کے لئے مجھے اس درندے سے بچاؤ۔" لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی ناگ راجہ نے آگے بڑھ کر دوبارہ اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی تو نیلم نے اسے جھٹک دیا اور ایک طرف ہٹ گئی۔ رتن بجلی کی تیزی کے ساتھ ناگ راجہ کی طرف جھپٹا۔ لیکن جونہی وہ ناگ راجہ کے قریب پہنچا۔ ناگ راجہ نے نہ جانے دیوار کے ساتھ لگا ہوا کون سا کنڈا گھمایا کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے گہری کھنڈ میں دھکا دے دیا ہے۔

اپنے پاؤں تلے سے لکڑی کا تختہ کھسکتے ہی وہ نیچے لڑھکتا گیا۔ اس کی دلدوز چیخیں ٹکرا ٹکرا کر مدھم ہو گئیں پھر اچانک اس کا ہاتھ زنجیر پر پڑا۔ اگر وہ اس زنجیر کو مضبوطی سے نہ تھام لیتا تو نیچے گر کر اس کا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔ وہ کافی دیر تک زنجیر کے ساتھ جھولتا رہا۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو یہ دیکھ کر اس کی چیخیں نکل گئیں کہ نیچے فرش پر بے شمار رنگ برنگے سانپ اس کی طرف منہ اٹھائے غصہ سے پھنکار رہے تھے۔ رتن لرز کر رہ گیا۔

اس زنجیر سے زیادہ دیر تک لٹکے رہنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس نے سوچا اگر وہ اسی طرح لٹکا رہا تو اس کے ہاتھ شل ہو جائیں گے اور وہ نیچے گر کر ان خوفناک زہریلے ناگوں کی خوراک بن جائے گا۔ اس نے اس زنجیر کو بڑی مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

لیکن اس کے ہاتھوں کی قوت جواب دیتی جارہی تھی اور بے شمار ان گنت بھیانک سانپ اپنی لہو چاٹنے والی زبانیں کھولے پھنکار رہے تھے۔ "یا خدایا۔۔۔۔" اس کے دل کی گہرائیوں سے آواز بلند ہوئی۔ "میں بخوشی ان سانپوں کی خوراک بننے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن مجھے نیلم کو اس درندے کی ہوس کا نشانہ بننے سے بچا لینے دو، یا خدایا رحم کر۔" اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے اس لمحے اپنے جسم میں نئی قوت اور نرالی سی پھرتی محسوس کی وہ ایک مینڈک کی طرح اچھلا لیکن تختے کے اوپر پہنچنے میں ناکام رہا۔ لیکن دوسری بار وہ بڑی مشکل سے اپنا آدھا جسم تختے پر رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔

تختے کے نوکیلے کیلوں سے اس کے جسم میں خراشیں آگئی تھیں لیکن بالآخر وہ اس تختے کے اوپر آ گیا۔ اس نے موت کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور اوپر پہنچتے ہی پھر ناگ راجہ کی طرف لپکا۔ وہ نیلم پر کسی بھوکے گدھ کی طرح جھپٹ رہا تھا۔ وہ کسی جنسی دیوانے کی طرح نیلم کو زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن نیلم پوری قوت سے مزاحمت کر رہی تھی۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔

"لڑکی میں کہتا ہوں ہوش میں آؤ تم ایک ناگ راجہ کا اپمان کر رہی ہو۔"

رتن پوری قوت سے اچھل کر ناگ راجہ پر جا گرا اور دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔

تھوڑی ہی دیر میں رتن کو پتا چل گیا کہ ناگ راجہ کی جسمانی طاقت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ رتن کو بار بار پٹخنی دے کر گرا لیتا تھا۔ تہ خانے میں نیلم کی دل ہلا دینے والی چیخیں گونجنے لگیں تھیں۔ اگر رتن مضبوط جسم کا نوجوان نہ ہوتا تو ناگ راجہ اسے پہلی ہی پٹخنی میں زیر کر لیتا۔ مگر اب وہ خود بھی تھک کر ہانپنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو گئی تھیں۔ وہ اچھل کر رتن پر اپنی پوری قوت سے حملہ آور ہوا تو رتن نے اس کی کنپٹی پر ایک ایسا مکا رسید کیا کہ اس میں اٹھنے کی ہمت باقی نہ رہی اب رتن اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ لیکن جیسے ہی رتن کی نظریں اس کی نظروں سے ٹکرائیں۔ رتن کا سارا غصہ ختم ہو گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کی تمام طاقت اور غصے کی ساری آگ ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی ناگ راجہ نے فاتحانہ قہقہہ لگایا اور اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن رتن نے اپنی آنکھیں پھیر کر اسے پوری قوت سے پھر نیچے گرا لیا۔ اب اس پر یہ حقیقت آشکارا ہو چکی تھی کہ ناگ راجہ عمل تنویم کا ماہر ہے اور اگر اس نے اس کے ساتھ آنکھیں ملائیں تو اس کی ساری قوت ختم ہو جائے گی۔ اس نے آنکھیں پھیر کر پوری قوت سے اس کا گلا دبا دیا تو ناگ راجہ کی ایک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی اس کی آنکھیں ابل آئیں وہ کسی پہاڑی بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔

رتن پوری قوت سے اس کا گلا دباتا چلا گیا۔ ناگ راجہ اب ٹھنڈا ہو چکا تھا اس کی خوفناک آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ اس کے منہ سے باہر نکلے ہوئے پیلے پیلے دانتوں سے ایک رقیق سا مادہ جھاگ کی شکل میں بہہ رہا تھا اور اس کا جسم بالکل ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اس کے بعد رتن، نیلم اور گوکل کے ساتھ جب اس مندر سے باہر نکلا تو لیاقت پور والے حیران و ششدر رہ گئے اور پھر ان پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ ناگ راجہ دراصل ایک جنسی دیوانہ اور آدم خور شخص تھا جو مندر میں آنے والی لڑکیوں کو نہ صرف ہوس کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔ بلکہ ان کا گوشت بھی کھاتا تھا اس نے رنگ رنگ کے سانپ پال رکھے تھے اور مندر سے

سانپ کی پھنکاروں کی نقلی آوازیں پیدا کر کے وہ اپنے شکار کو آسانی سے مندر میں لے جاتا تھا۔
اس کے بعد پرانے مندر سے بھی پھنکاروں کی آوازیں بلند نہ ہوئیں اور لیاقت پور والوں نے اس ناگ راجہ کے خاتمے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

ختم شد

قسط نمبر 3

پراسرار حویلی

...... واجد نگینوی

سورج Sun بھی کا غروب Set ہو چکا تھا اور تاریکی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نگینہ شہر کے گھنٹے نے سات بجنے کا اعلان کیا۔ اسی وقت شہر نگینہ کے وسط کی ایک خوبصورت دو منزلہ عمارت Beautiful Building کی فصیل پر ایک پراسرار سایہ رینگتا ہوا معلوم ہوا۔ بغیر کوئی آواز کے سایہ دھیرے دھیرے آگے سرک رہا تھا۔ اپنی حرکات و سکنات سے وہ کوئی [illegible] معلوم ہوتا تھا۔

فصیل کے ایک خاص مقام پر پہنچنے کے بعد اس نے آہٹ لینے کے لئے اپنے کان فصیل سے لگا دیئے اور چند ہی منٹوں میں عمارت کی چھت کے ایک ویران گوشے میں کود گیا۔ شاید اس کے پاؤں میں کسی خاص قسم کے ربڑ کے جوتے رہے ہوں گے جس سے اونچائی سے کودنے کے باوجود کوئی دھماکہ وغیرہ کی آواز نہ ہو سکی۔

اب وہ ذرا زیادہ تیزی کے ساتھ زینے کی طرف بڑھ رہا تھا اور بڑی پھرتی کے ساتھ اس نے زینے کی سیڑھیوں کو طے کیا۔ نیچے پہنچ کر وہ گھر کے صحن اور برآمدے میں پھرنے والے گھر کے افراد کی پرواہ کے بغیر آناً فاناً میں سامنے نظر آنے والے بڑے ہال کمرے میں داخل ہو گیا۔ صحن کو پار کرنے کا وقفہ اتنا مختصر رہا کہ گھر کا کوئی بھی فرد اس کے بارے میں کوئی نوٹس Notice نہ لے سکا۔

اسے ایک بڑی میز پر چنے ہوئے کھانے کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ اس کا اندازہ کتنا صحیح تھا اس بڑے کمرے کا استعمال ڈائننگ ہال کے طور پر کیا جاتا تھا چند منٹ دروازے کے پردے سے لگ کر اس نے کھانے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے افراد کا جائزہ لیا بالکل سامنے بٹلر کٹ مونچھوں کا ایک ادھیڑ عمر بارعب شخصیت کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں طرف ایک اور بائیں طرف دو نوجوان لڑکے بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے والی کرسیوں پر دو جوان لڑکے اور ان کے درمیان کرسیوں پر دو نوخیز دوشیزائیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

شکل و شباہت اور صورت میں مشابہت سے یہ صاف ظاہر تھا کہ یہ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کمرے میں خاموشی مسلط تھی۔ سب کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ سامنے کی میز پر کھانا لگا ہوا تھا لیکن ابھی ہاتھ رکے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کسی چیز کا انتظار ہے گھر کے کسی فرد کا تو ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ میز کے چاروں طرف کی سب کرسیاں گھری ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب یہی نکل سکتا تھا کہ میز پر کھانے کی کوئی چیز اور لگنا باقی ہے۔

اچانک اس پراسرار سایہ میں حرکت سی پیدا ہوئی اور وہ بڑی بیباکی سے چلتا ہوا کمرے کے وسط میں جا پہنچا۔ ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے افراد کی بیک



وقت ایک ڈراؤنی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ان کے اوپر سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ جسم کی کپکپاہٹ کی وجہ سے ہونٹوں سے بے معنی سے الفاظ رعشہ طاری ہونے کی وجہ سے ادا ہو رہے تھے۔ گل نے تو اٹھ کر بھاگنا چاہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کے ٹانگوں Legs کی طاقت سلب ہو گئی ہو۔

نو وارد پر اسرار اجنبی کے نہ صرف چہرے پر نقاب پڑی تھی۔ بلکہ تمام جسم ایک کالی عبا میں لپٹا ہوا تھا۔ حد یہ کہ جوتے تک کالے پہن رکھے تھے۔

نو وارد نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا داہنا ہاتھ باہر نکالا جس میں اعشاریہ آٹھ تین کا پستول Pistal چمک رہا تھا۔ نو وارد کا فی الحال معلوم

ہوا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ بھی کالے دستانے میں چھپا ہوا تھا۔

منظر Scene یکایک ہوگیا تھا۔ پستول کی چمک نے حاضرین کے گویا ہوش و حواس گم کردیئے تھے۔ دوشیزاؤں پر غشی کا سا عالم طاری ہونے لگا تھا۔ کس کی مجال تھی کہ اس پراسرار نقاب پوش کی طرف دوبارہ نظریں اٹھانے کی جرات کر سکتا۔

"خبردار اپنی جگہ سے حرکت اور کسی قسم کا شوروغل کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ورنہ نتائج کے خود ذمہ دار ہوں گے" پراسرار نووارد اجنبی کی کڑکتی ہوئی آواز نے فضا کی خاموشی کو توڑا۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟" ادھیڑ عمر آدمی نے اپنے ہوش و حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"صرف کچھ دیر کا مہمان Guest ہوں"۔

نقاب پوش نے بڑی ملائمت کے ساتھ With Ploteness کہا۔

"ت۔۔۔ تش۔۔۔ تشریف رکھئے" ادھیڑ عمر آدمی نے ہکلاتے ہوئے بڑی مشکل سے اپنا جملہ پورا کیا۔

"شکریہ۔۔۔" پراسرار نقاب پوش کا لہجہ کافی مہذبانہ Civilized تھا۔ دوشیزائیں سکڑ کر ایک ہی کرسی پر آگئی تھیں اور ان کی خالی کی ہوئی ایک کرسی پر نوجوان لڑکا سرک آیا تھا اور اس نوجوان لڑکے کی خالی ہونے والی جگہ Vacant Seat کو اس پراسرار نقاب پوش نے پر کردیا۔ کسی کے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی۔ شاید کوئی کمرے میں آرہا تھا۔ نقاب پوش کی دروازے کی طرف پشت Back تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے پستول والا ہاتھ اپنی عبا کے اندر کرلیا اور ہلکی سی سرگوشی سے کہا۔

"کسی قسم کے اشارے یا کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں"۔

آنے والا گھر کا ملازم تھا جو اپنے ہاتھوں پر برتن اٹھائے ہوئے تھا۔ جس میں کافی تعداد میں چپاتیاں تھیں۔ ایک لمحہ کے لئے وہ نقاب پوش کو دیکھ کر ٹھٹھکا اور پھر اس نے ڈھیر سے سب کے سامنے برتن میں سے اٹھا کر روٹیاں Breads لگادیں۔ شاید نقاب پوش کی موجودگی اس کی عقل سے بالاتر تھی اور جیسے ہی وہ جانے کے لئے مڑا نقاب پوش نے تحکمانہ لہجہ میں کہا "باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ خاموشی سے کھانا ختم ہونے تک سامنے کے کونے میں بیٹھ جاؤ" اور لرزتے پاؤں سے ملازم نے حکم کی تعمیل کی۔

کھانا شروع ہوگیا۔ اس پراسرار نقاب پوش نے اپنے داہنے ہاتھ کا دستانہ اور پستول میز کے ایک کنارے پر رکھ دیا اب اس کے خوبصورت ہاتھ پر سب ہی کی نظریں بار بار پڑ رہی تھیں۔

پراسرار نقاب پوش کی شخصیت سب کے لئے ایک معمہ تھی۔ ہر ایک اپنے دل میں کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ نقاب پوش کے بے حد خوبصورت ہاتھ Necket Beautiful Hand کو دیکھ کر دوشیزاؤں کا خوف کچھ کم ہوگیا تھا اور نہ جانے کیوں آنکھوں میں سراسیمگی کے بجائے ایک عجیب سی چمک نے جگہ لے لی تھی۔

کونے میں بیٹھے ہوئے ملازم Servant کی صورت ڈر کی وجہ سے بڑی مضحکہ خیز

Amusing بن گئی تھی اور ایک بار تو اتفاقیہ طور پر ایک دوشیزہ کی نظر اس پر پڑ گئی ۔ موقع Situation کی نزاکت کے باوجود اس کے منہ سے بے اختیار ہنسی نکل گئی جو کہ لمحہ بھر میں سوں سوں کی آواز میں تبدیل ہو گئی۔ آواز سنتے ہی نقاب پوش چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور پستول بلا تاخیر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ ماحول پر ایک بار پھر خوف و دہشت کی فضا طاری ہو گئی۔ سب نے یہی سمجھا کہ شاید یہ سوں سوں شوربے میں زیادہ مرچ ہونے کا ردعمل ہو۔

کھانا بڑی خاموشی سے ختم ہو گیا۔ کافی غور و خوض کے بعد بھی کوئی کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ البتہ نقاب پوش کے مہذبانہ طور طریق اور بات چیت نے سب کے لئے حیرت پیدا کر دی تھی اور یہ تو صاف ظاہر تھا کہ یہ تعلیم یافتہ Educated ضرور تھا ورنہ الفاظ میں اتنی شائستگی کیسے آتی۔

"آپ کی اس بغیر مدعو کئے دعوت Invitation with out Calling کا شکریہ۔ اگر میرے برتاؤ Dealing سے آپ لوگوں کے جذبات Sentiments کو کوئی ٹھیس پہنچی ہو تو معافی کا خواستگار ہوں"۔ پراسرار نووارد اجنبی مہمان کے شیریں الفاظ نے پھر خاموشی کا سینہ چاک کیا اور وہ جس پھرتی اور تیزی سے کمرے میں داخل ہوا تھا ویسے ہی واپس بھی ہو گیا اس کے جانے کے کچھ دیر بعد تک بھی اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی کسی میں جرات نہ ہو گی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ابھی ابھی کوئی خطرناک اژدھا پاس سے گزر گیا ہو۔

"گل رعنا" پھولوں سے کوٹھی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی ۔ رنگ برنگی جھنڈیوں Buntiesاور غباروں کا ایک خوشنما جال سا پھیلا ہوا تھا۔ ہوا میں تھرکتی ناچتے گھومتے ہوئے غبارے رنگوں کا ایک حسین امتزاج پیدا کر رہے تھے۔ قہقہوں کا ایک سیلاب آ گیا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے دنیا کی ساری خوشیاں گل رعنا کے اس گوشے میں سمٹ آئی ہوں حیرت و شادمانی ہر فرد کے چہرے سے عیاں تھی۔

"گل رعنا" کوٹھی گویا ایک جنت تھی۔ جنت جہاں خوشی کے پودے اگے ہوئے تھے اور خوشی کی ہنسی موتیوں کی طرح بکھر گئی تھی لان کے فواروں کی پھوار نے ان لمحات کو دلکش بنانے میں چار چاند لگا دیے تھے۔ ہلکی ہلکی موسیقی کی دھنیں ہوا کے دوش پر انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ آفتاب اپنی مدہم مدہم شعاعوں سے فضا کو خیر باد کہہ رہا تھا۔ جھلملاتے بجلی کے قمقموں نے خوبصورتی میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔

مین گیٹ Main gate پر استقبال Reception کے لئے خان بہادر ڈپٹی تراب علی اور ان کے صاحبزادے سید ناظر علی ترمذی کے صاحبزادگان سید قیصر علی ترمذی۔ سید سکندر علی ترمذی اور سید گوہر علی ترمذی بھی موجود تھے صاحبزادیوں میں سیدہ شہنشاہی عرف ہو اور ملکہ شیریں اور ان کی والدہ سیدہ بادشاہی بھی ہونٹوں پر تبسم کا خزانہ لٹا رہی تھیں۔ سید ناظر علی ترمذی کے داماد سید ساجد حسین نقوی پچھلے ہفتے لندن سے بیرسٹری کا اعلیٰ امتحان پاس کر کے لوٹے تھے۔ جن کی واپسی کی خوشی میں خان بہادر ڈپٹی تراب علی اپنی کوٹھی گل رعنا میں یہ جشن منا رہے تھے۔ جس میں سید ساجد حسین نقوی کے

صاحبزادگان سید محمد جبلین نقوی اور سید محمد حسنین نقوی اور ان کی ہمشیرائیں نسرین شہناز، شہوار، رعنا شمع اور شان زہرہ بھی شامل تھیں۔ بچوں میں نسرین شہناز کی بیٹیاں سبیتا، اقبیا اور بیٹا رضوان تھا۔ شہوار کے بچوں میں ضیاء، ثنا اور دو چھوٹی بچیاں، رعنا کی بچی فضا، سیدہ عروج زہرہ اور شانی کے بچے احسن، مریم اور چھوٹا منا تھے۔

مہمانوں Guests کو مناسب جگہ بٹھانے اور ان کی دیکھ بھال کا کام خان بہادر ڈپٹی تراب علی صاحب کے چھوٹے صاحبزادے سید ناصر علی اور دو صاحبزادیوں کے سپرد تھا۔ تینوں افراد اپنی ذمہ داری کو بڑی ذمہ داری Responsibilty اور بڑی مستعدی کے ساتھ نبھا رہے تھے۔ ہر مہمان کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خوش اخلاقی کا مقابلہ Competition ہو رہا ہو۔ سب مسرت و شادمانی کے خزانے لٹانے پر تل سے گئے تھے۔

شاید یہ سب اس نصیحت کا اثر تھا جو کہ ایک دن قبل خان بہادر ڈپٹی تراب نے اپنے کمرے میں بلا کر کی تھی۔ ورنہ ان کے چھوٹے صاحبزادے میاں گوہر علی، سکندر علی اور ملکہ شیریں کے رویے سے گھر کا کون سا فرد شاکی نہ تھا اور کوٹھی کے ملازمین تو پناہ مانگتے تھے۔ حد یہ کہ اڑوس پڑوس کے رہنے والے تک نالاں تھے۔

مجال ہے جو کبھی بھولے سے چہرے پر نرمی کی کوئی لہر عود کر آئے اور نہ جانے کیوں کبھی کبھی کوٹھی کے سب سے پرانے اور وفادار ملازم علی حسن کے کسی گوشے میں یہ سوال ابھر ہو جاتا کہ جن ننھے ننھے پودوں کو ہم نے اپنے خون سے سینچا اور پروان چڑھایا وہ تناور ہو کر اتنے کٹھور سنگدل کیوں ہو جاتے ہیں۔

قریب قریب سب ہی مدعو کیے گئے مہمان Invited Guests آ چکے تھے۔ خان بہادر ڈپٹی تراب علی اور ان کے صاحبزادے سید ناظر علی ترمذی تھکے تھکے قدموں سے لان کی طرف بڑھے کہ اچانک مین گیٹ Main gate کے باہر ایک کار کے رکنے کی آواز سن کر پلٹ پڑے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی اور سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی جن کے لبوں پر ایک حسین مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مستانہ وار خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔ میزبانوں نے بڑھ کر مہمانوں کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔

"معاف کیجئے گا Excuse آنے میں کچھ تاخیر ہوئی"۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی، نے معذرت Regret چاہی۔ جو کہ خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی اور سید ناظر علی ترمذی کو ان کی طرف جاتا ہوا دیکھ چکا تھا۔

"کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں"۔ خان بہادر ڈپٹی تراب علی نے رسماً کہا۔ "آپ صاحبان کے کاندھوں پر ذمہ داری کا ایک بوجھ ہے۔ اس بڑھی ہوئی مصروفیتوں کے مدنظر یہ ذرا سی تاخیر کوئی معنی نہیں رکھتی بھلا سید ساجد حسین نقوی اپنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے میں کیسے چوکتے۔" "جی ہاں جی ہاں" سارجنٹ نے لقمہ دیا اور سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی ان سب کے جواب میں صرف مسکرا کے رہ گیا۔ خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی ذرا پیچھے سرکے اور ان کے صاحبزادے بیرسٹر سید ساجد حسین

نقوی نے سر کو خم کر کے معزز مہمانوں Respected guests کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

چمچے قابوں سے اور جام پیالوں سے ٹکرانے پارٹی شروع ہو چکی تھی۔ بیرے Waiter ایک میز سے دوسری میز کی طرف بھاگ کر بڑی مستعدی سے کام کر رہے تھے۔ نقرئی قہقہوں اور مختلف شوروغل کی جگہ اب صرف کانٹوں اور چھریوں کی جھنکاروں نے لے لی تھی۔ ساری فضا انسانی آوازوں سے محروم ہو گئی تھی۔ مہمان کافی تہذیب یافتہ تھے صرف اشاروں سے ہی بیرے ان کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے بہت سے انواع و اقسام کے کھانوں کی خوشبو سے کل رہنما کا گوشہ گوشہ معطر تھا۔

تقریب بڑی پر تکلف تھی۔ جس اہتمام سے کام کیا گیا تھا اس سے خان بہادر سید تراب علی ترمذی ڈپٹی صاحب کی شان و شوکت اور عظمت کا پتہ چلتا تھا پارٹی کے حسن انتظام سے ہر ایک مہمان متاثر نظر آتا تھا اور خوش ذائقہ کھانوں کی ترتیب سے خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی صاحب کی خوش مزاجی کا دل ہی دل میں اعتراف کرنے پر مجبور تھا۔ یوں تو سب ہی کے لب خاموش تھے لیکن کسی کسی کے نازک ہونٹوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ زندگی کی رعنائیوں کا احساس دلا رہی تھی۔

فضا میں رنگینی سی رنگینی بکھری ہوئی تھی۔ بہار کروٹیں لے رہی تھی۔ متعدد غذاؤں نے شاید معدوں میں پہنچ کر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ حسین نگاہوں Beautiful eyes میں لال لال ابھرنے والے ڈورے اس بات کے شاہد تھے۔

خمار آلود آنکھیں اور دھڑکتے دل کی نئی شرارت پر آمادہ نظر آتے تھے اور اس سے قبل کہ کوئی شرارت جنم لیتی۔ پارٹی کے ایک گوشہ سے سرگوشیوں نے سر ابھارا اور بعد میں شوروغل کی آواز میں بدل گئیں۔

زلزلہ سا آ گیا تھا۔ اتنی اعلیٰ پارٹی میں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا یہ سب کے لئے بڑا عجیب سا تھا۔ بالکل غیر متوقع سب کی نظریں دفعتاً اس طرف اٹھ گئیں۔ منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

کانٹے اور چمچے ہاتھوں میں ساکت ہو گئے اور کچھ ہی دیر میں پارٹی تقریب ہنگامہ میں تبدیل ہو گئی ہنگامہ بپا کرنے والوں کے ارد گرد اچھی خاصی بھیڑ Crowd جمع ہو گئی تھی ہر شخص واقعہ کی اصلی حقیقت جاننے کے لئے بے چین نظر آتا تھا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی، خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی اور بیرسٹر سید ساجد حسین نقوی کو لئے کسی نہ کسی طرح بھیڑ کے ہجوم کو چیرتا ہوا مجمع کے اندر داخل ہو گیا وہاں چھ سات افراد مکہ بازی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور بڑے گرے ہوئے بازاری طریقے پر ایک دوسرے کو گالیاں گلوچ بھی سنا رہے تھے۔

"آپ ان صاحبان سے واقف Aware ہیں؟" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے ان لڑاکو اشخاص کی طرف آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی صاحب کے کان میں سرگوشی کی۔

"جی ...... بالکل نہیں"۔ خان بہادر سید تراب علی ترمذی نے عجیب کشمکش و پیچ کے عالم میں جواب دیا۔ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے پاس

کھڑے ہوئے بیرسٹر ساجد حسین نقوی کی طرف دیکھا انہوں نے بھی سر کی جنبش سے نفی میں جواب دیا۔

"دعوت والے کارڈ Invitation کس نے لکھے تھے"۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"میں نے جی ـــــ" بیرسٹر سید ساجد حسین نقوی نے ذرا دھیمے سے بتایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر مدعو ـــــ" سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے نہ جانے کیا سوچ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی ہاں ـــــ جی ہاں ـــــ" بیرسٹر سید ساجد حسین نقوی نے انسپکٹر واجد کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے کہا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے ان کی لڑائی کو ختم کرانا چاہا۔ غیر متوقع انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی مداخلت سے دو لوگ نپٹنا سے گئے اور ایک ایک کر کے اس خوبصورتی سے مجمع Crowd کے گھیرے سے باہر نکل گئے کہ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی، خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی صاحب اور بیرسٹر سید ساجد حسین نقوی تینوں کے تینوں ایک دوسرے کا منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

کچھ سوچ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بھی ان لوگوں کے تعاقب میں ایک جست Jump لگائی اور دوسرے ہی لمحہ سارجنٹ بن بلائے مہمان کہتا ہوا سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی پیروی کرنے لگا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے دفتر پہنچنے پر اس نے ٹیلیفون کی گھنٹی کی متواتر آواز کو سن کر جھنجلا کر ریسیو کیا۔ "ہیلو ـــــ ہیلو مسٹر واجد"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی "یس Yes میں انسپکٹر واجد ہوں" اور دوسری طرف کی بات سن کر سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کچھ دیر کے لئے گڑبڑا گیا کیونکہ اس سے بات کرنے والا ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولیس تھا۔

"یس، یس سر Yes sir میں انسپکٹر سی آئی ڈی سید واجد حسین نقوی بول رہا ہوں۔ حکم فرمائیے" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اپنے ہوش و حواس درست کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مسٹر نواب واجد ـــــ واقعات دن بدن پراسرار ہوتے جا رہے ہیں، اور ابھی تک ہمارا محکمہ کچھ بھی مجرموں Criminals کی کھوج Search نہ لگا سکا کل کمشنر سید مظہر بخش نقوی صاحب کی انسپکٹر جنرل آف پولیس سید قبت علی نقوی صاحب کے نام ٹرنک کال آئی تھی۔

کمشنر سید مظہر بخش نقوی صاحب سے کل رعنا کے خان بہادر ڈپٹی سید تراب علی ترمذی نے شکایت Complaint کی ہے کہ ان کی پارٹی تقریب میں ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کی موجودگی کے باوجود طوفان بدتمیزی کی گئی ہے۔

کمشنر سید مظہر بخش نقوی صاحب کا کہنا ہے کہ جب ایک معزز شہری Noble Civilian کی عزت کو اس طرح ضلع حکام کی موجودگی میں اچھالا جا سکتا ہے تو عام شہری کی عزت کا تو خدا ہی حافظ ہے اور حقیقت میں مسٹر نواب واجد، یہ بات ہے بھی تو ہمارے لئے باعث شرم کہ مجرم اپنی شرارتوں سے باز

نہیں آ رہے اور ایک عرصہ سے لگاتار اپنی تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور ہم ان کا ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکے۔

"حضور! آپ یقین کیجئے" کہ میں برابر جدوجہد کر رہا ہوں اگرچہ یہ سچ ہے کہ ابھی تک کامیابی پانچ فیصدی بھی نہیں ہوئی لیکن مجھے کامل یقین ہے کہ میں عنقریب مجرموں کا سراغ لگانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے ذرا جھجکتے لہجے سے کہا۔ حالانکہ دل میں اسے اپنی ناکامی کا احساس Feeling of failier تھا۔

"مجھے تمہاری ذات سے یہی امید ہے" ڈی آئی جی سید سید الحسن نقوی نے شاباش دینے کے انداز سے کہا لیکن واجد! میری سمجھ میں یہ بات ابھی تک نہیں آئی کہ شروع شروع میں سیٹھ سید محمد اقبال سبطین رضوی صاحب کے اور شہر میں جو دوسری چوریاں ہوئیں وہ سب ٹھیک تھا کہ مجرموں کا مقصد Aim نقدی Cash وصول کرنا تھا۔

لیکن یہ کل رات والا ہنگامہ اور تمہیں نگینہ شہر کے چیئرمین سید محمد سبطین زیدی ایم اے ایل ایل بی علیگ کے گھر پر رات میں آنے والا مہمان کے واقعہ کی تو اطلاع ہو گی۔ ان واقعات سے مجرموں کا کیا مقصد رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجرم ضرور کوئی گہری چال چل رہے ہیں اور یہ سب اس کا پیش خیمہ ہے۔

"مجرموں کا سراغ مل گیا" کا نعرہ بلند کرتا ہوا سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی سی آئی ڈی آفس نگینہ پولیس اسٹیشن میں داخل ہوا' بدحواسی میں کئی بار ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔

دفتر کا کل عملہ Whole Staff دفتر کی ٹائپسٹ گرل عاشی سے جھاڑو دینے والا خاکروب شبو تک تعجب کر رہا تھا اور سوچ میں تھا کہ اس بار سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کے منہ سے کیسی انہونی سی بات سنی جا رہی ہے اور یہ حقیقت بھی تھی کہ اب تک کی ملازمت میں سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے گزشتہ کسی بھی چھوٹے یا بڑے کیس Case کے پتہ لگانے میں بے دخل رہنے کا اپنا ریکارڈ Record قائم کر رکھا تھا اور یہی وجہ تھی کہ سروس کے آغاز سے اب تک سارجنٹ کے عہدہ Rank پر ہی ڈٹا ہوا تھا۔

کمرے میں داخل ہونے سے پہلے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی حسب ایک بار پھر بیٹھے ہوئے چپڑاسی علی حسن سے ٹکرا گیا جو کہ تعظیم کو رنش کے لئے کھڑا ہو رہا تھا۔ اس بے وقت کے ملن میں دروازے پر پڑی ہوئی چک Curtain بھی سرک گئی منظر کی اس ستم ظریفی پر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"ارے بھئی! یہ رنگ کال کیوں بنے ہوئے ہو معلوم ہوتا ہے آج تم نے کوئی شیر مارا ہے نہیں تو دیکھا ضرور ہے" انسپکٹر سی آئی ڈی سید واجد حسین نقوی نے موڈ Mood میں آ کر کہا۔

"جی ہاں! بات کچھ ایسی ہی ہے" یہ کہہ کر سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کی میز کے سامنے رکھی کرسی پر تقریباً گرسا پڑا۔

"تو پھر وہ بات کہہ ہی ڈالو" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے حکم دیا۔

"اصل قصہ اور ماجرا یہ ہے" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے کہنا شروع کیا کہ کل آپ کی ڈانٹ کا مجھ پر اچھا خاصا اثر ہوا اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ یہ بات میرے لئے تھی شرم کی ہے کہ اس نگینہ شہر میں عرصہ دراز سے متعین ہونے کے باوجود میں ان شرارت پسند عناصر کو پہچاننے سے قاصر رہا۔ جنہوں نے کل رضا میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔ کل دفتر سے گھر جانے کے بجائے پہلے میں ایک کیفے ہاؤس نگینہ میں گھس گیا اور وہاں اپنے کو خوب لوڈ کر لیا میرا مطلب ہے کہ اپنے پیٹ کو بھر لیا تاکہ چند گھنٹو کے لئے بیوی شہنشاہی غرق ہو اور گھر کے غم کو غلط کر سکوں اس کے بعد سب ہی گلیوں میں گیا ہر ایک فرد کو چیک کیا مگر گلیوں میں کم بخت شرارت پسندوں کا کوئی بھی صورت شناسا نہ مل پایا آخر میں مختلف تفریح گاہوں پر بھٹکتا رہا لیکن نتیجہ صفر ہی رہا اور اس سے تنگ آکر میں اپنی خودکشی Suicide کے امکانات پر غور کرتا" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے جملہ پورا کیا "میں نے سوچا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ شہر میں رہنے والا ہر شخص ان گلیوں میں تشریف لائے تفریح گاہوں میں سیر سپاٹے کرے۔ اس کی دلچسپیوں کے سامان شہر میں بھی تو مہیا Available ہو سکتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میرے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی اور میں پہلے سے بھی زیادہ چست و توانا ہو کر اپنے بچے کو بہلانے سڑک شہر کی طرف بے دھڑک چل پڑا۔ کچھ فاصلے تک بے کلی بے چینی سی محسوس ہوئی لیکن جیسے ہی میں نقوی فوٹو اسٹوڈیو کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ ... وہ ... وہ ... سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو مسکراتے دیکھ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے لبوں پر مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے سارجنٹ ساجد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی جو کہ نقوی فوٹو اسٹوڈیو میں داخل ہو رہی تھی"۔

"جی ہاں! جی ہاں! بات ٹھیک ہے۔ لیکن یہ سب کچھ آپ کو معلوم کیسے ہوا؟" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے تعجب کے ساتھ کچھ جھینپتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"مجھے علم قیافہ سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ خیر تمہیں اس سے کیا، تم بے تکلفی سے کہتے رہو۔ اس کے بعد کیا ہوا؟" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے پیپر ویٹ کو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے گھماتے ہوئے کہا۔

سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اب یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مجھے نقوی فوٹو اسٹوڈیو میں داخل ہونا پڑا میں اس وقت فوٹو کھنچوانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ فریم ہوتے فوٹوز کا ہی جائزہ Study لے لوں جو کہ شوروم Show room کی زیبائش کیلئے لگے ہوئے تھے ابھی میں نے چند فوٹوؤں کو ہی دیکھا تھا کہ اچانک میری نظر ایک تصویر پر پڑی اور ذرا دیر کے لئے بار بار ایک ہی سوال ذہن کے گوشوں میں غوطہ لگانے لگا کہ اس کو کہاں دیکھا ہے؟"

"بے ساختہ میرے منہ سے نکلا وہ مارا" اس وقت مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کیونکہ کاؤنٹر مین Counter man اور وہ لڑکی میری طرف

مشکوک نگاہوں Suspicious eyes سے دیکھ رہے تھے۔ شاید انہوں نے میری دماغی حالت Mental condition کے بارے میں کوئی غلط رائے Wrong opinion قائم کی ہو۔

"تمہاری دماغی حالت کے بارے میں کچھ رائے قائم ہی کون کرتا ہے؟" سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے چٹکی لی۔ "خیر مجھے اس سے بحث نہیں" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے پیچھا چھڑانے کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"جانتے ہیں آپ وہ فوٹو کس کی تھی؟ گل رعنا کے شرارت پسندوں میں سے ایک کی۔ اب آپ میرے اس جذبے کی داد دیجئے کہ میرے اوپر جو عشق کا بھوت سوار ہو گیا تھا اس کو میں نے بخوشی رخصت کیا اور جاسوسی کے موڈ کو طاری کر لیا۔ بڑی غمگین صورت بنا کر فوٹو گرافر سید شہزاد حسین نقوی کو یہ جھانسہ دیا کہ یہ تصویر میرے ایک گہرے دوست Fast friend کی ہے جو کہ فوت ہو چکا ہے اس لئے برائے یادگار اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔

تھوڑے معاوضہ کے عوض اس نے ایک کاپی تصویر کی بنا کر مجھے دے دی۔ اس کام سے فراغت کے بعد نقوی فوٹو اسٹوڈیو کے باہر میں نے اپنے سر کو دائیں اور بائیں دو تین جھٹکے زور زور سے دیئے۔ Care Less کی ترجمانی کرنے لگے۔ اس کے بعد جیب سے رومال Handrershief نکال کر گلے میں باندھ لیا۔ اب میں ایک اوباش نوجوان نظر آنے لگا تھا۔ تصدیق پاس کے پنواڑی لیاقت کی دکان میں لگے آئینہ Mirror نے کی۔ ایک عدد پان Batel کھایا۔ بیک کے دو بٹن کو کوٹ پر جگہ جگہ گرایا اور ایک سگریٹ ہونٹوں میں داب کر سڑک پر سے گزرتے ہوئے ایک رکشا والے کو اشارہ سے بلایا۔ رکشا والے کے یہ معلوم کرنے پر کہ بابو جی! کہاں جاؤ گے؟" میں نے وہ فوٹو اس کے سامنے کر دیا فوٹو کو پہچاننے سے انکار کرنے پر میں نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے چلے جانے کو کہا۔ غرضیکہ کئی رکشے والوں کو متواتر دکھانے کے باوجود کچھ کامیابی نہ ہو سکی اب میں کچھ مایوس سا ہو چلا تھا۔ اب تک کی کل محنت ضائع ہوتی دیکھ کر مجھ پر جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی اور اس سے قبل کہ میں اپنا گریبان چاک کر کے ہائے لیلیٰ لیلیٰ صدا بلند کرتا جنگلوں کا رخ کرتا۔ ایک رکشا والے نے فوٹو دیکھتے ہی اقرار میں سر ہلا دیا۔ میری مراد بر آئی اندھا کیا چاہے دو آنکھیں جیسی ہی ایک سو روپے کا نوٹ رکشا والے کے ہاتھ میں تھما کر اس بات کا وعدہ کرا لیا کہ ہر حال میں مجھے منزل مقصود تک پہنچائے۔ بس جناب اب میں نے تو اپنا فرض پورا کر دیا ہے اس شخص کا اتہ پتہ مکمل معلوم کر کے واپس لوٹا ہوں۔ اب آگے آپ جانیں آپ کا کام" تمام داستان کو سن کر کچھ دیر کے لئے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کی ذہانت کا قائل ہونا پڑا۔

(جاری ہے)



میں عین اس وقت کسی مافوق الفطرت وجود کے ہاتھوں سورج مکھی کے تنکے کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک گرجدار آواز کے ساتھ زمین پر آرہا

آسیبی لڑکی

تحریر......انجم شمیم

اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کوئی چیز میرا تعاقب کر رہی ہے۔'' یہ کہہ کر تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے قد کی سفید بالوں والی لڑکی تھی۔ نوجوان اور بے یار و مددگار۔ لیکن میں نے اس کے سراپے سے زیادہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے فقرے پر زیادہ غور کیا۔ اس نے کہا تھا۔

''کوئی چیز میرا تعاقب کر رہی ہے۔ اور یہ بات ذہن میں آتے ہی میں دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگا اور گلی کے نکڑ پر اسے جالیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑائی اور ہٹ کر مجھ سے تھوڑی دور ہو گئی۔

''خاتون! حوصلہ رکھو۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''میں اسے تم تک نہیں پہنچنے دوں گا۔''

وہ اتنی جلدی سے رکی کہ میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور تقریباً اس کے اوپر جا پہنچا تھا۔ ہم کھڑے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے اس کی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں تھیں جو اس کے سفید بالوں سے کسی طرح بھی مناسبت نہیں رکھتی تھیں۔

میں نے اس سے کہا۔

''صبح کے تین بجے تمہیں کون سی افتاد یہاں گھومنے پر مجبور کر رہی ہے؟''

''تمہیں پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

اس نے جواباً کہا۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے کسی نے ستار کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔



"دیکھو اب اپنی بکواس بند کرو۔" باتیں کرنے کے دوران اس نے اپنی نظریں میرے کندھے پر ایسے جما دیں جیسے اسے وہاں کچھ نظر آرہا ہو۔ وہ لمحہ بھر کے لیے رک گئی اور میں اس کے چہرے کے تاثرات میں کچھ اس طرح کھو گیا کہ میں اس بات کا اندازہ نہ کرسکا کہ وہ کس چیز کو گھور رہی ہے۔ فوراً اس نے نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرلیں اور ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر مارا۔ یہ اتنا غیر متوقع تھا کہ میں ایک قدم پیچھے ہٹا۔ میں بدحواس ہوگیا تھا اور اس سے پہلے کہ میں خود کو سنبھالتا وہ کافی دور جاچکی تھی۔ پھر میں نے بھی اس کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور کھڑا اپنا گال سہلاتا رہا۔

دو روز کے بعد میں ہنری برگینڈ سے ملا اور اسے اس کے متعلق بتایا۔ ہنری عملی ماہر نفسیات ہے۔ شاید مجھے یہ کہنا چاہیے کہ عملی نفسیات اس کا میدان ہے کیونکہ وہ خود با عمل انسان نہیں۔ اس کے اپنے نظریات ہیں۔ وہ اتنے ہی برے نظریات رکھتا ہے کہ کیا کوئی دوسرا زندہ انسان رکھتا ہوگا۔ وہ تیس کے پیٹے میں ہے اور سر سے گنجا ہے۔ اس نے بغیر کوئی کام کیے بہت سارا پیسہ کمایا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ وہ پاگل تھی۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" ہنری نے اپنی لمبی ناک کے ایک طرف انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے اس کا خیال جاننے کی کوشش کی؟"

"نہیں میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ وہ رات گئے وہاں کیوں بھاگی پھر رہی تھی۔"

"گوشا! تمہارے ساتھ بھی ٹریجڈی ہے کہ تم میں پیار کا لطیف جذبہ مفقود ہے۔ تمہیں کرنا تو یہ چاہیے تھا کہ تم اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیتے اور بوسوں کی بوچھاڑ کردیتے۔"

"مگر اس کا تھپڑ......؟"

"اس نے تھپڑ مارا یا نہیں۔ یہ الگ بات ہے۔" ہنری نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

ہنری بہت زیادہ ہنستا ہے اور جب وہ کسی لمحے نہ ہنس رہا ہو تو ایسی ہی پاگلوں جیسی باتیں کیا کرتا ہے۔

مجھے اس لڑکی سے تین ماہ کے بعد ملنے کا اتفاق ہوا میں ڈیوک کے باغیچے میں مشہور سورج مکھی کے پھول کو دیکھ رہا تھا۔ سورج مکھی کا پھول بارہ فٹ لمبا تھا اور اسے سیدھا کھڑا رکھنے کے لیے اسے بیساکھی کا سہارا دیا گیا تھا۔ یہ پھول سامنے راستے کے قریب ہی اگا ہوا تھا۔ اور یہ راستہ باغیچے کی شاہراہ تھا۔ وہاں پر پھولوں کے بچھونے سے لگے ہوئے تھے اور جگہ جگہ بجری بچھی گئی تھیں۔ جاپانی لالٹینوں سے اسے آراستہ کیا گیا تھا اور یہ لالٹینیں بارش میں بھی باہر رہتی تھیں۔ اس جگہ لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہوا تھا اور میں ان کے شوروغوغا سے بے نیاز سورج مکھی کے پھول کو دیکھ رہا تھا۔ ڈیوک نے قسم کھا کے کہا تھا کہ اس اکیلے پھول سے اس نے بیجوں کا ایک تھیلا بھرا تھا۔ تب میں اس لڑکی کی آواز سن کر چونک گیا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے منہ پر تھپڑ مارا۔" وہ سورج مکھی کے پھول کے تنے کی دوسری جانب پتوں کے سائے میں کھڑی تھی۔ میں نے کہا۔

"او، تمہارا مطلب ہے کہ تم اپنے کیے پر شرمندہ ہو؟ تمہیں اپنے کیے پر صرف افسوس کر دینا چاہیے۔ نادم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"او، میں نے تمہیں تھپڑ مارا ضرور تھا مگر بغیر کسی وجہ کے نہیں۔"

"او، واقعی میں نے کچھ کیا تھا؟"

"مجھے تھپڑ پڑنا چاہیے تھا؟"

"پلیز۔" اس نے کہا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی لڑکی تھی۔"

"تم وہاں کیوں چھپی کھڑی ہو؟" اس نے ذرا سی حرکت کی۔

"تم خود کو کس سے چھپا رہی ہو؟" میں نے پھر کہا۔ وہ خاموش رہی اور شانے اچکا کے صرف اتنا کہا۔

"بس ایسے ہی۔ تم جانتے ہو۔"

"کیا وہی چیز ہے جس کے خوف سے تم اس رات بھاگی تھیں؟"

"ہاں۔" میں نے اسے بتایا کہ

"وہ تمہاری احمقانہ حرکت تھی کیونکہ میں نے تمہارے پیچھے ہر طرف دیکھا مگر وہاں تو کچھ بھی نہ تھا۔"

"او، وہ وہیں تھا۔"

"اگر کچھ ہوتا مجھے نظر نہ آتا؟"

"میں اسے جانتی ہوں۔"

اچانک میں نے محسوس کیا کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو بڑی احمقانہ ہے۔ میں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"باہر نکل آؤ اور میرے ساتھ بیٹھ کر بیئر پیو۔ وہیں پر اس چیز پر بھی غور کریں گے۔"

"او، میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"تم یقیناً ایسا کر سکتی ہو۔ دیکھو ایسے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے کھینچ لیا۔ تمہیں اس سے بہتر سوچنا چاہیے۔" لڑکی نے مزاحمت کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

اور عین اس وقت کسی مافوق الفطرت وجود کے ہاتھوں سورج مکھی کا تنا دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ زمین پر آ رہا اور سورج مکھی کا پھول اس بیرے کی ٹرے سے جا ٹکرایا جو لان میں بیٹھے کسی صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شراب کی بوتلیں لیے جا رہا تھا۔ شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتلیں ادھر ادھر بکھر گئیں اور بیرا انہیں دیکھتے ہی رہ گیا۔ مگر اسے ٹوٹی ہوئی بوتلوں پر اتنا تعجب نہ ہوا تھا۔ جتنا کہ سورج مکھی کا تنا ٹوٹنے پر۔ وہ مسلسل گرے ہوئے سورج مکھی کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے شیشے معجزانہ طور پر اچھلے اور بیرے کے سر کو لہولہان کرتے ہوئے باغیچے کے آخری کونے میں بیٹھے ڈیوک کے اس پنجرے سے جا ٹکرائے جس میں تربیت یافتہ گلہری

سفید تھی۔

میں ڈیوک کی طرف بڑھا اس کے قریب بیٹھے ہوئے افراد حقیر نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا سفید بالوں والی لڑکی جا چکی تھی۔ ڈیوک اس خطرناک واقعہ پر روشنی ڈال رہا تھا مگر میں اس کی باتوں سے بے نیاز اس گلہری کو دیکھنے میں مصروف تھا جو اپنے پنجرے میں بیٹھی شراب کی وہ بوندیں چاٹ رہی تھی۔ جو یہاں تک پہنچنے والے بچوں کے ٹکڑے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ڈیوک نے چند ایک ایسی باتیں جو میری سماعت پر منقش نہ ہوئی تھیں، دہرانے کے بعد مجھے ایک زوردار جھٹکا دیا اور خود ایک طرف چل دیا۔ گو ہم اس واقعہ سے پہلے بہترین دوست شمار ہوتے تھے۔ مجھ سے جتنی جلد ہو سکا۔

میں نے ہنری سے ملاقات کی اور اسے اسی سفید بالوں والی لڑکی کی ملاقات سے ایک بار پھر آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ میں نے اس کے کہنے کے مطابق اسے بھیج لیا تھا۔ ہنری میری بات سن کر مسکرا دیا جیسا کہ اس کی عادت ہے۔

"اس لڑکی کے بارے میں اتنا سنجیدگی سے نہ سوچو گوشا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے میری پیٹھ پر ہلکی سی چپت لگائی اور مزید بولا۔

"یہ ہلکے پھلکے واقعات صحت کے لیے بہتر رہتے ہیں گوشا۔ اس واقعہ کو مسکراہٹ میں تحلیل کر کے فراموش کر دو اور ہاں یہ بتاؤ ڈیوک نے تمہیں موردِ الزام تو نہیں ٹھہرایا؟"

"نہیں ہرگز نہیں لیکن ہاں حیرت ناک بات یہ ہے ہنری کہ ڈیوک کی گلہری شراب کی بوندیں چاٹنے کے بعد کچھ زرد زرد سی نظر آنے لگی تھی۔ ڈیوک اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ علاج کرایا اور بل مجھے بھیج دیا۔"

"تو پھر کیا ہوا؟"

"وہی جو ہونا تھا...... ایک بات ہے ہنری۔"

"بولو۔"

"مجھے وہ لڑکی کسی مصیبت میں گرفتار نظر آتی ہے۔ ایسے جیسے اس پر کسی آسیب کا سایہ ہو۔"

"ہونا بھی چاہیے۔" ہنری بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ تم نہ تو اس کی مصیبت میں کام آ سکتے ہو۔ اور نہ ہی اسے آسیب سے نجات دلا سکتے ہو پھر اس کا تذکرہ چہ معنی دارد؟"

"لیکن میں نے کسی حد تک اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ وہ کسی ناگہانی مصیبت کا شکار ضرور ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا گوشا کہ تم اس کی مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" ہنری نے گوشا کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا اور جواباً گوشا بولا۔

"تم تو میرے بارے میں اچھی طرح سے جانتے ہو کہ مجھے عورتوں سے اس وقت دلچسپی ہوتی ہے جب وہ مجھے تنہا چھوڑ جاتی ہیں۔ اس لڑکی میں دلچسپی لینا ایک مضحکہ خیز امر تھی مگر وہ بڑے دنوں بعد میرے قریب آئی ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں سوچنا میرے خیال میں معیوب نہیں ہے۔"

آٹھویں اور آخری قسط

حویلی کا آسیب

تحریر...... نور حادی

یہ کیا بات ہوئی۔ بھانو بڑبڑایا اور اس کی سرخ سرخ آنکھوں سے غور و فکر کا اظہار ہونے لگا۔

پھر بیس منٹ گزر گئے لیکن وہ دونوں خاموش ہی رہے۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے کہ قطب شاہ اچانک آجائے اور ان کی کوئی بات سن لے۔

آخر وہ کمرے میں گیا اور بھانو پر ایک نظر ڈال کر اس طرف بڑھ گیا جہاں ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ قطب شاہ نے اپنی جیب سے ایک کیسٹ نکالی اور ٹیپ ریکارڈر میں لگا کر اسے آن کرتا ہوا بولا۔

میرا خیال ہے ٹیپ کی ہوئی یہ باتیں سن کر تم دونوں ہی کافی خوش ہو گے۔

نسرین چونک پڑی قطب شاہ نے دونوں کا لفظ کیوں استعمال کیا تھا۔ پھر اس وقت تو اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا جب ٹیپ ریکارڈر سے اس نے اپنی آواز سنی۔

میں اس سے تنگ آچکی ہوں بھانو وہ مجھے کیسی کیسی اذیتیں پہنچاتا ہے، میں تمہیں بتاتی رہتی ہوں۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے سینے میں چاقو اتار دوں لیکن تم مجھے دلاسا دیتے رہتے ہو کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آخر کب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہاری محبت میں میں نے سات سال بہت کچھ برداشت کیا ہے لیکن اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔

مجھے امید ہے کہ اب تمہیں پندرہ بیس دن سے زیادہ صبر نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بھانو کی آواز تھی۔

میں اب ایک دن بھی صبر نہیں کر سکتی۔ تم کو میری قسم ہے۔ آج تمہیں بتانا ہی پڑے گا کہ تم سات سال سے کیا منصوبہ بندی کر رہے ہو۔

بھانو نے بڑی سختی سے دانت پر دانت جمالیے جو ٹیپ ریکارڈر ہی کی طرف لگے ہوئے تھے۔

بھانو کہہ رہا تھا۔ میری جان تم آج اتنی بے صبری کا مظاہرہ کر رہی ہو تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔

میں تو قسم کھائے بیٹھی ہوں کہ آج سب کچھ معلوم کر کے رہوں گی۔

جواب میں بھانو کی ہنسی سنائی دی۔

کمرے میں قطب شاہ کی شعلہ بار نگاہیں صرف بھانو پر جمی ہوئی تھیں لیکن نسرین بوکھلا کر دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس وقت وہ حیران بھی ہوئی جب اس نے بھانو کے چہرے سے تناؤ ختم ہوتے اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلتے دیکھی۔

ٹیپ ریکارڈر سے بھانو کی آواز ابھر رہی تھی۔



وہ بتا رہا تھا کہ حویلی میں آنے کے کچھ دن بعد ہی اسے قطب شاہ کی اس فطرت کا علم ہو گیا تھا کہ جانداروں کو ایذا پہنچا کر اسے لذت حاصل ہوتی تھی۔

اس نے قطب شاہ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہاں کے کسی گاؤں کا کوئی فرد بھی قطب شاہ کو پسند نہیں کرتا۔ پہلی مرتبہ قطب شاہ نے محض دولت کے بل پر انتخاب میں کامیابی حاصل کر لی لیکن دوسری بار اس کی کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ گاؤں والوں پر اس کا خوف و دبدبہ قائم ہو جائے۔ بھانو نے قطب شاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مختلف گاؤں میں جو چند افراد

کھلے عام اس کی مخالفت میں بولتے ہیں انہیں اغوا کروالیا جائے اور پھر قطب شاہ انہیں سسکا سسکا کر مارے۔

کسی کو سسکا سسکا کر مارنا قطب شاہ کے لیے دنیا کی سب سے بڑی لذت تھی لیکن اس لذت کے لیے وہ کوئی مجرمانہ قدم اٹھانے سے گریز ہی کرنا چاہتا تھا۔ بھانو نے اس کی ہمت بندھائی اور خود وہ سارے کام کرنے کا دعویٰ کرکے قطب شاہ کو ہموار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس نے حویلی کے کچھ ملازمین کے ذریعے اس قسم کے کام کروانا شروع کیے اور قطب شاہ کو تیار کیا کہ وہ ارجن پور کی پولیس کے ایک ایک فرد کو اس قدر نوازتا رہے کہ وہ لوگ کسی معاملے کی تفتیش کا رخ اس کی طرف ہونے ہی نہ دیں۔

قطب شاہ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس نے ارجن پور کے پولیس والوں کے لیے اپنی تجوری کے دروازے پوری طرح کھول دیے۔

بھانو کے اش[illegible] کچھ لوگ قتل کر دیے جاتے تھے اور کچھ کو [illegible] کر کے حویلی کے تہ خانے میں لے آیا جاتا تھا جہاں قطب شاہ کو اپنے جذبہ ایذا رسانی کی تسکین کا موقع مل جاتا تھا۔ اس لذت سے وہ اتنا سرشار ہوا کہ اس نے بھانو کو بالکل کھلی چھٹی دے دی اور بھانو نے زیادہ سے زیادہ سرگرمی اس لیے دکھائی کہ لوگوں کو قطب شاہ سے زیادہ سے زیادہ متنفر کرسکے۔

تین سال قبل جب بھانو کو یہ علم ہوا کہ قطب شاہ کی ایک پرانی عمارت پر روحیں قابض ہوگئی ہیں تو اس نے اس عمارت کے بارے میں چھان پھٹک کی اور کچھ ہی دن میں اسے یقین ہوگیا کہ اس عمارت پر کسی آسیب یا روحوں کا قبضہ تو ہوگیا ہے لیکن وہاں جو کچھ بھی ہے کسی انسان کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔

اس کے اشارے پر کئی ملازمین نے کچھ راتیں اس عمارت میں گزاریں۔ وہاں جو کچھ ہوتا تھا اس سے وہ صرف ابتدا میں خوف زدہ ہوئے۔ پھر انہیں اطمینان ہوگیا کہ وہ آسیب انسانوں کے لیے نقصان دہ نہیں تھا۔

اس کے بعد بھانو نے قطب شاہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ اغوا کیے جانے والوں کو حویلی کے تہ خانے میں رکھنا کسی وقت پریشانی کا سبب بھی بن سکتا ہے لہٰذا اس کام کے لیے اس آسیبی عمارت کو استعمال کیا جائے۔

بھانو کی بات بے وزن نہیں تھی۔ قطب شاہ اس کے لیے آمادہ ہوگیا۔ اس کے بعد [illegible] لوگوں کو اغوا کیا گیا انہیں اسی آسیبی عمارت [illegible] لے جاکر رکھا گیا۔ انہی دنوں ایک گاؤں کے چوہدری رشید نے ایک انتخابی مہم میں قطب شاہ کے سامنے آنا چاہا تو اسے اس کی لڑکی سمیت اغوا کروالیا گیا۔

اس طرح بھانو نے قطب شاہ کے لیے حصول لذت کا ایک اور دروازہ کھولا۔ قطب شاہ وہاں جا کر زنجیروں سے جکڑے ہوئے چوہدری رشید کے سامنے اس کی بیٹی حسینہ کے ساتھ جو زیادتیاں کرتا وہ دنیا کے کسی باپ کے لیے بھی قابل برداشت نہیں ہوسکتی تھیں۔ چوہدری رشید زنجیروں سے اپنا سر پھاڑ لیتا، لہولہان ہوجاتا اور اس سے قطب

شاہ کو بلا کی لذت حاصل ہوتی۔

چوہدری رشید کو یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر اس نے زنجیروں سے خود کو اتنا زیادہ لہولہان کیا کہ اس کی موت واقع ہو گئی تو اس کے بیٹے اور چھوٹی بیٹی کو بھی اغوا کر کے یہاں لے آیا جائے گا اور پھر اس کے بیٹے کے سامنے اس کی دونوں بیٹیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اس وقت تک صرف حسینہ کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

چوہدری رشید کو اگر یہ روح فرسا دھمکی نہیں دی گئی ہوتی تو شاید خودکشی کر ہی لیتا لیکن پھر وہ اس سے باز رہا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بعد اس کی دوسری بیٹی بھی اس عذاب سے گزرے جس نے ابھی سن بلوغ میں قدم رکھا ہی تھا۔

حسینہ کے علاوہ گھنگھروں کی دوسری لڑکیاں بھی اغوا کر کے وہاں لائی جاتی رہیں اور ان پر ظلم و ستم ڈھا کر انہیں پوری طرح قابو میں کیا جاتا رہا۔ بھاٹو نے قطب شاہ سے کہا تھا کہ زیادہ لڑکیاں اس لیے جمع کی جا رہی ہیں کہ جب قطب شاہ اپنی حویلی میں کوئی جشن منائے تو اس کے دوستوں کی دل بستگی کے لیے لڑکیاں بھی موجود ہوں۔

ان حالات سے قطب شاہ بہت خوش تھا اور اس کے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکی تھی کہ بھاٹو اسے ایک خوف ناک جال کی طرف لے جا رہا ہے۔

چند دن قبل بھاٹو نے فیصلہ کن قدم اٹھانے کی منصوبہ بندی کے مطابق خود سامنے آئے بغیر کالم نگار الطاف رشید سے رابطہ کیا اور اس سے آسیبی عمارت کا کالم لکھوا لیا۔

وہ اس طرح مرکزی حکومت اور ایجنسیوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا لیکن قطب شاہ کو اس نے یہ پٹی پڑھائی کہ ایک مرتبہ جب مرکزی حکومت بھی اس آسیبی عمارت کی طرف متوجہ ہو جائے گی تو تمام قیدیوں کو وقتی طور پر وہاں سے ہٹا کر حویلی کے تہ خانے میں لے آیا جائے گا اور انہیں یقین آ جائے گا کہ وہ عمارت واقعی آسیبی ہے تو پھر دوبارہ کوئی جاسوس اس عمارت کی طرف متوجہ نہیں ہو گا اور قیدیوں کو تہ خانے سے پھر وہیں منتقل کر دیا جائے گا۔

قطب شاہ کو بھاٹو کی یہ تدبیر بہت پسند آئی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ آسیبی عمارت کے بارے میں مضمون پڑھتے ہی فارحہ وہاں جا پہنچی۔ اس نے جس کمرے سے رونے کی آوازیں سنی تھیں وہاں چوہدری رشید ہی قید تھا۔ وہیں فارحہ نے حسینہ کے منگیتر اشرف کو بھی دیکھ لیا جو قیدیوں کو کھانا وغیرہ پہنچانے کے لیے وہاں گیا تھا۔

اشرف کو بھاٹو نے ایک خاص مقصد کے تحت اپنی مٹھی میں لیا تھا۔ سکوں کی جھنکار اشرف جیسے لالچی نوجوان کو قابو میں کرنے کے لیے بہت کافی تھی۔ چوہدری رشید کے اغوا سے پہلے اس کی بیٹی حسینہ سے اشرف کی منگنی بھی ایک خاص مقصد کے تحت کروائی گئی تھی۔

بعد میں فارحہ نے حویلی جا کر قطب شاہ کو اس حویلی کا سارا قصہ سنایا اور موٹر سائیکل سوار کے بارے میں بھی بتایا لیکن وہ نہ بتاتی تو بھی قطب شاہ کو بھاٹو کے ذریعے اس کا علم ہو جاتا کیونکہ اشرف نے بھی فارحہ کو پہچان لیا تھا۔

آسیبی عمارت اور اس کے آس پاس غیر معمولی قدموں کے نشانات بھالو ہی بنوایا کرتا تھا۔ اس کے لیے اس نے لکڑی کی ایک کھڑاؤ بنوائی تھی جس کی ساخت ایسی تھی کہ اس سے غیر معمولی نشانات بنتے تھے۔ فارحہ نے ان نشانات کی تصویریں کھینچی تھیں لیکن جب وہ حویلی میں قطب شاہ سے باتیں کر رہی تھی تو اس کا کیمرہ باہر اس کی گاڑی ہی میں تھا۔

بھالو نے گاڑی سے کیمرہ نکال کر اس کی ریل تبدیل کر دی۔ مقصد یہی تھا کہ جب وہ ریل ڈیولپ کی جائے اور اس میں کوئی تصویر نہ ہو تو فارحہ کے ذہن میں یہی خیال ابھرے کہ وہ آسیبی نشانات تھے جن کی تصویر کشی سے کیمرہ قاصر رہا تھا۔

دوسرا قدم بھالو نے یہ اٹھایا کہ اشرف کو فارحہ کے تعاقب میں شہر بھیجا۔ اشرف کو سمجھا دیا گیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا واقعات پیش آئیں گے۔ چنانچہ جیولرز کی دکان پر جب بھالو کے آدمیوں نے اندھادھند فائرنگ کی تو اشرف نے فارحہ کو اس طرح گرا دیا جیسے اسے گولیوں سے بچانے کی کوشش کی ہو۔ درحقیقت فائرنگ اس طرح کی گئی تھی کہ وہ دونوں زخمی بھی نہ ہو پاتے لیکن اس حرکت سے اشرف، فارحہ کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس نے ایک ہوٹل میں فارحہ سے ملاقات کر کے اسے جو کہانی سنائی وہ اسے اچھی طرح رٹا دی گئی تھی۔ اس کہانی سے قطب شاہ کو بے خبر رکھا گیا تھا کیونکہ یہی بھالو کا وہ اہم اقدام تھا جو اسے اپنے مقصد کے حصول کی طرف لے جاتا۔

گزشتہ رات کو بھالو نے چوہدری رشید اور حسینہ سمیت تمام قیدیوں کو اس عمارت سے حویلی کے تہ خانے میں منتقل کرا دیا تھا اور قطب شاہ کو مطمئن کر دیا تھا کہ اب حکومت اور ایجنسیاں اس عمارت کی طرف ضرور متوجہ ہو جائیں گی اور جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ واقعی ایک آسیبی عمارت ہے تو پھر سرکاری طور پر دوبارہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی اور قیدیوں کو پھر اسی عمارت میں پہنچا دیا جائے گا۔

بھالو چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد اس عمارت کے بارے میں بڑی سطح پر تفتیش ہو چنانچہ اس نے الطاف رشید کو بھی اغوا کروا کے اس پر بے پناہ تشدد کیا تھا اور پھر اس سے اپنی مرضی کا ایک پرچہ لکھوا کر اسے گولی مار دی۔ بعد میں اس کی لاش اس کے گھر میں پہنچا دی گئی۔ اس طرح شہر کی پولیس کے بڑے افسران اور پھر ایک سی آئی اے کا افسر زماں تک اس آسیبی عمارت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بھالو نے قطب شاہ سے کہا کہ رات بھر کے آپریشن کے بعد اب پولیس دوبارہ اس عمارت کی طرف متوجہ نہ ہوگی لہٰذا بارشوں کا سلسلہ رکتے ہی قیدیوں کو حویلی سے وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔

لیکن دراصل بارش بھالو کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ وہ صرف ایک دن اور انتظار کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اسمبلی میں جو ووٹ آف نو کانفیڈنس پیش کیا جانے والا ہے اس میں حزب اختلاف کو ناکامی ہوگی تو قطب شاہ معمول کے

مطابق حویلی میں جشن ضرور کرے گا اور اس جشن میں بھانو اس کے دوستوں کی دل بستگی کے لیے ان لڑکیوں کو حویلی پہنچاتا جو مختلف گاؤں سے اغوا کی جا چکی تھیں اور جن میں حسینہ بھی تھی۔

اسی رات سارے مرد قیدی آہنی عمارت میں پہنچا دیے جاتے اور بھانو کے اشارے پر اشرف، فارحہ کو فون پر بتاتا کہ وہ برابر اس آہنی عمارت کی نگرانی کرتا رہا ہے اور آج اس نے دیکھ لیا کہ مرد قیدی تو دوبارہ آہنی عمارت میں پہنچا دیے گئے ہیں اور لڑکیاں حویلی میں ہیں؟ اس لیے روک لی گئی ہیں کہ وہ قطب شاہ کے دوستوں کی دل بستگی کا سامان بن سکیں۔

اشرف کیونکہ فارحہ کا اعتماد حاصل کر چکا تھا لہٰذا فارحہ اس کی بات پر یقین کرتے ہوئے اپنے بااثر باپ کے ذریعے یا کسی بھی طرح یہ اطلاع اعلیٰ سرکاری سطح تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتی پھر جب تھوڑی سی چھان بین کے بعد آہنی عمارت پر ریڈ کیا جاتا تو تمام قیدی وہاں مل جاتے جو صرف قطب شاہ ہی کے خلاف بیان دیتے کیونکہ بھانو ان لوگوں کے سامنے کبھی نہیں گیا تھا۔ حویلی کے جشن میں بھی کسی جاسوس کو بھیجنا حکومت کے لیے کوئی بہت مشکل کام نہ ہوتا اور یہ بات سامنے آ جاتی کہ وہاں وہ لڑکیاں موجود ہیں جن کو اغوا کیا گیا تھا۔

اس کے بعد قطب شاہ کے بچنے کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا۔ وہ نہ صرف گرفتار ہوتا بلکہ اسے عمر قید یا پھانسی کی سزا بھی ہوتی۔

بھانو پر گرفت صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ حویلی کے ملازمین اس کے خلاف بیان دے دیتے لیکن بھانو نے اس کا توڑ پہلے ہی کر لیا تھا۔ حویلی کے ایک کمرے میں اس نے پہلے ہی سے ڈائنامائیٹ لگا رکھے تھے۔ اس رات وہ تمام ملازمین کو کسی بہانے سے وہاں جمع کرتا اور جب پولیس حویلی پر ریڈ کرتی تو ڈائنامائیٹ اڑا کر تمام ملازمین کا صفایا کر دیا جاتا اور پولیس سمجھتی کہ یہ کام قطب شاہ کا ہے تاکہ پولیس کو اس کے خلاف اسی کے ملازمین کی گواہیاں نہ مل سکیں۔

بھانو جب نسرین کو یہ سب کچھ بتا چکا تھا تو نسرین بولی۔

لیکن اس سارے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے تم نے سات سال کیوں گزار دیے؟

اس سے پہلے کہ بھانو اس سوال کا جواب بھی دیتا انٹرکام کا بزر بج اٹھا اور بھانو کو دربان سے قطب شاہ کی آمد کا پتا چلا۔

پھر جب نسرین بھانو کے کمرے میں چلی گئی تو ٹیپ ریکارڈر سے آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

بھانو مسکراتا ہوا بولا۔

شاہ جی تمہارے اچانک آ جانے کی وجہ سے میں نسرین کو جواب نہیں دے سکا اب تم سن لو میں نے سات سال اس لیے گزارے تھے کہ ایک تو آس پاس کے دیہاتوں کی فضا میں تمہارے خلاف شعلے بھڑک اٹھیں اور دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ ہم نے اس سارے عرصے میں دھیرے دھیرے تمام ملازم صرف دکھانے کے لیے تمہارے ملازم ہیں ورنہ ان کا مالک میں ہوں۔

نمک حرام۔ قطب شاہ دانت پیس کر بولا۔

اب تو تیرا یہ منصوبہ خاک میں مل جائے گا لیکن آخر تو نے مجھ سے کس بات کا انتقام لینا چاہا تھا؟

غیرارادی طور پر تم بالکل ٹھیک سوال کر بیٹھے ہو شاہ جی تم نے ابھی مجھے نمک حرام کہا لیکن مجھے اس پر غصہ نہیں آیا۔ تم مجھے نطفہ ناتحقیق بھی کہہ سکتے ہو' مجھے حرام زادہ بھی کہہ سکتے ہو۔ میں بالکل برا نہیں مانوں گا کیونکہ میں واقعی حرام زادہ ہوں۔

بھانو کے لہجے میں اچانک گمبھیرتا آگئی۔

میں تمہارا ناجائز بھائی ہوں شاہ جی تمہارے باپ کا ناجائز بیٹا جو تمہاری اس چچی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جس کو تمہارا باپ اس حویلی میں اپنی ہوس کا نشانہ بناتا رہا اور پھر میری وہ بدنصیب ماں حویلی کے دو رحم دل ملازمین کی مدد سے یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔

یکایک قطب شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

ہاں شاہ جی۔ بھانو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

میں تمہارا ناجائز بھائی ہوں اور یہاں اسی لیے آیا ہوں کہ تم اپنے باپ کے بوئے ہوئے بیج کے زہریلے پودے کے نیچے دم توڑ سکو۔ میری بدنصیب ماں نے بڑی اذیت ناک زندگی گزاری تھی شاہ جی۔ اس نے مرنے سے کچھ ہی دن پہلے مجھے یہ ساری باتیں بتائی تھیں اس لیے مجھے اپنا حق وصول کرنے کے لیے یہاں آنا پڑا۔ میں چونکہ تمہارے باپ کی ناجائز اولاد ہوں اس لیے اپنا حق جائز طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا تھا اسی لیے مجھے یہ اس کا کھٹ راگ پھیلانا پڑا۔ اب میں نسرین سے شادی کر کے اس حویلی کا مالک بن جاؤں گا۔

قطب شاہ نے اس طرح سر جھٹکا جیسے بھانو کی تمام باتیں اپنے ذہن سے نکال دینا چاہتا ہو' پھر اس نے نسرین کی طرف دیکھتے ہوئے غرا کر کہا۔

اس کتیا کی زندگی تو میں جہنم بنادوں گا لیکن تیرا خواب بھی اب پورا نہیں ہو سکتا حرام زادے۔

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تم مجھے حرام زادہ کہو لیکن تم مجھ سے زیادہ پھرتیلے ہرگز نہیں ہو۔

قطب شاہ کا ہاتھ جو ریوالور نکالنے کے لیے کوٹ کی جیب کی طرف بڑھ رہا تھا اچانک ساکت ہو گیا کیونکہ بھانو نے ریوالور نکالنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی اور ریوالور کی نال کا رخ قطب شاہ کے سینے کی طرف تھا۔

اسی وقت بادل بڑی زور سے گرجے اور بجلی کی چمک سے کھڑکی بار بار روشن ہونے لگی۔ بھانو زہریلے انداز میں ہنسا۔

بادل تمہاری قسمت پر شاید ابھی اور رونا چاہتے ہیں۔

تو کچھ بھی کر لے بھانو۔ قطب شاہ بولا۔

تیرا منصوبہ تو اب کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

نسرین۔ بھانو بولا۔

اس کی جیب سے ریوالور نکال لو۔

نسرین جو شروع میں بہت نروس ہو رہی تھی اب بھوکی شیرنی کی طرح قطب شاہ کو گھور رہی تھی۔ وہ فوراً بستر سے اٹھ کر قطب شاہ کی طرف

بڑھی اور بولی۔

بھانو اس کتے کو سسکا سسکا کر مارنا ہے۔ اس نے مجھے برسوں سے اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔

قطب شاہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

نسرین نے اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا تو بھانو نے اس کے قریب جا کر ریوالور اس سے لے لیا۔ پھر ٹیپ ریکارڈر سے ٹیپ نکالتے ہوئے ہنس کر بولا۔

تم نے یہ ٹیپ کا چکر کیسے چلایا شاہ جی۔

آج صبح جب میں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے جانے کا پروگرام بنا کر تجھے کچھ ہدایات دے رہا تھا تو یہ بھی موجود تھی اور اس وقت اس نے ایسی نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا کہ میں کھٹک گیا۔

آج شام کو میں نے تیرے بستر کے نیچے ایک ٹیپ ریکارڈر چھپا دی تھا جس میں ٹائمر بھی لگا ہوا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہے تو یہ آدھی رات کے بعد ہی تیرے کمرے میں آئے گی۔ میں نے ٹائمر ساڑھے بارہ بجے کا سیٹ کیا تھا۔ اس وقت یہ خودبخود آن ہو گیا ہو گا اور اسی وقت تم دونوں نے یہ باتیں شروع کی تھیں۔ ابھی تجھے یہاں لانے کے بعد میں تیرے ہی کمرے میں گیا تھا۔ واپسی میں مجھے دیر اسی لیے لگی کہ میں نے وہیں رک کر ٹیپ سنا تھا۔

قطب شاہ نے یہ سب کچھ اس طرح کہا جیسے اپنا کارنامہ بیان کر رہا ہو۔

اس وقت موسلا دھار بارش شروع ہو چکی تھی۔ بند کھڑکی اور بند دروازے کے باوجود بادلوں کی گرج چمک کا شور واضح طور پر سنائی دے رہا تھا۔

اب تم میرے ساتھ یہاں سے چلو شاہ جی۔ بھانو بولا۔

کہاں؟ قطب شاہ نے اسے گھورا۔

بھانو نے کہا۔

یہاں تو تم میرے کہنے سے وہ خط لکھو گے نہیں جیسا خط میں نے الطاف رشید سے لکھوایا تھا اس لیے تمہیں تہ خانے میں لے جانا پڑے گا۔ وہیں ایسا بندوبست ہے کہ تم وہ خط لکھنے پر مجبور ہو سکو۔ اس کے بعد میں تمہاری لاش آسیبی عمارت میں لے جا کر ڈال دوں گا اور لوگ یہی سمجھیں گے کہ اس عمارت میں رہنے والی شریف روحیں تمہارے وہ گھناؤنے کرتوت برداشت نہیں کر سکیں جو تم وہاں کیا کرتے تھے۔ یہی بات شاید الطاف رشید کے بارے میں سوچی جائے کہ اس نے بھی وہاں کوئی ایسی حرکت کی ہو گی جو ان روحوں کو ناگوار گزری۔ ہاں میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہاری لاش کے ساتھ تہ خانے میں موجود تمام قیدیوں کو وہیں پہنچا دیا جائے گا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ میرا منصوبہ اب پورا نہیں ہو سکے گا۔

قطب شاہ کے چہرے کا رنگ کچھ بدلا لیکن اس نے ہمت سے کام لے کر مضبوط لہجے میں کہا۔

تم مجھ سے وہ خط ہرگز نہیں لکھوا سکتے۔

اسی وقت نسرین چونک کر بولی۔

بھانو ذرا سنو یہ تو بجلی کڑکنے کی آوازیں

معلوم ہو رہی ہیں۔

بھالو کے ساتھ ہی قطب شاہ نے بھی چونک کر ان آوازوں کی طرف دھیان دیا جو بادلوں کے شور سے الگ محسوس ہو رہی تھیں۔

تم نے ٹھیک سمجھا ہے دوستو۔ دروازے کی طرف سے ایک آواز آئی۔

یہ پولیس کے ہیلی کاپٹرز ہیں۔

ان تینوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ آواز پھر آئی۔

میں باہر راہداری میں ہوں۔ میں نے اس طرف سے دروازہ بند کر دیا ہے۔ اس کمرے کو اپنا وقتی قید خانہ سمجھو۔ پولیس کے جوانوں کی آمد تک تمہیں یہاں قید رہنا ہے اور اگر تم لوگوں نے فرار ہونے کے لیے کمرے کی کھڑکی استعمال کرنا چاہی تو ہیلی کاپٹروں سے کی جانے والی فائرنگ تم سب کے جسم چھلنی کر دے گی۔

یہ تو فارحہ کے ملازم کی آواز ہے۔ نسرین کی آواز کانپ گئی۔

نہیں۔ قطب شاہ کے منہ سے نکلا۔

یہ سی آئی اے کے افسر زماں آفندی کی آواز ہے۔

تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو قطب شاہ۔ باہر سے کہا گیا۔

میں نے حویلی ہی کے ایک ٹیلی فون سے پیغام بھیجا تھا کہ حویلی پر ایئر ریڈ کیا جائے۔

چند لمحوں کے لیے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ان تینوں کے چہرے فق پڑ گئے تھے لیکن پھر اچانک قطب شاہ پاگلوں کی طرح ہنس پڑا۔

میں نے تجھ سے کہا تھا نا بھالو تیرا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

بھالو نے دانت پیس کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

پورا نہ سہی لیکن آدھا منصوبہ تو پورا ہی ہو جائے گا۔

پھر وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف گیا اور کھڑکی کو تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹرز اس وقت اس طرف اڑ رہے تھے اور فضا میں چکراتے ہوئے ہیلی کاپٹرز کی سرچ لائٹس ہر طرف چکرا رہی تھیں۔

ہمارا کھیل ختم ہو گیا نسرین۔ بھالو نے اس کے قریب جا کر آہستہ سے کہا

یہ خانے میں سارے قیدی موجود ہیں۔ اب ہمارے بچاؤ کا کوئی امکان نہیں رہا۔ وہ کتیا کی بچی فارحہ ہمارے لیے موت کا فرشتہ بن گئی۔

کیا کوئی صورت نہیں بچاؤ کی؟ نسرین روہانسی ہو گئی۔

بس ایک صورت ہے۔ بھالو نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

وہ کیا۔ نسرین نے بے چینی سے پوچھا۔

بھالو کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور نے دو شعلے اگلے۔ قطب شاہ کی پیشانی پر دو سوراخوں سے خون ابل پڑا اور وہ چکرا کر گرا۔

خدا حافظ نسرین۔ بھالو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔

بھالو۔

نسرین چیخ کر فرش پر گرتے ہوئے بھالو سے

لپٹ گئی جس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ نسرین اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دوسرے دن شام کو خسرو، فارحہ کو بتا رہا تھا۔

دو دن میں زمان نے بہت اہم کام کر ڈالے تھے۔ اس میں سب سے اہم کام اشرف کی گرفتاری تھی۔ اشرف کو گرفتار اس نے اس لیے کیا کہ رات کو جب آسیبی عمارت میں پولیس آپریشن ہو رہا تھا تو زمان کے آدمی حویلی کی نگرانی بھی چاروں طرف سے کر رہے تھے۔ حویلی کے خفیہ دروازے سے ایک آدمی کو نکلتے دیکھا گیا تھا۔ وہ کچھ دور اندھیرے میں کھڑی ہوئی موٹر سائیکل ہائی وے پر پہنچی تو اس کا تعاقب اس خیال سے روک دیا گیا کہ وہ چوکنا نہ ہو جائے لیکن ہائی وے پر پیٹرولنگ کرنے والی پولیس کی گاڑیوں کو اس کے بارے میں خبر دے دی گئی۔

پھر جب یہ اطلاع وائرلیس پر زمان کو دی گئی تو اس کی ہدایت پر اس شخص کو گرفتار کر کے اس کی تلاشی لی گئی۔ اس کے پاس سے برآمد ہونے والے شناختی کارڈ پر اس کا نام اشرف اور اس کے گاؤں کا نام درج تھا۔ یہ اطلاع ملنے پر زمان نے پولیس کو ہدایت کی کہ اسے لاک اپ میں ڈال دیا جائے۔

پھر دوسرے دن اے سی آئی اے کے دفتر میں لے جا کر اس کی مزاج پرسی کی گئی تو اس نے ساری حقیقت اگل دی۔ اسے بھانو کی ہدایت پر شہر میں اپنے ایک دوست کے گھر رہتا تھا اور دو دن بعد یعنی آج حویلی فون کر کے بھانو سے بات کرنا تھی۔ اگر بھانو اس سے کہتا کہ آج اتنے بجے تو وہ اتنے بجے ہی تمہیں فون کر کے تم سے وہی سب کچھ کہتا جو تمہیں نسرین اور بھانو کی باتیں سن کر معلوم ہو ہی چکا ہے۔

بڑے ماہر نفسیات بنتے ہو تم۔ فارحہ منہ بنا کر بولی۔

تم نے اشرف کے بیان کو سچ قرار دیا تھا۔

کبھی اندازے کی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ فارحہ نے پوچھا۔

یہ بھی اشرف ہی نے بتایا تھا کہ حویلی کے تہ خانے میں وہ سارے قیدی موجود ہیں۔

ہاں۔ خسرو نے کہا۔

لیکن زمان چاہتا تھا کہ وہاں ریڈ کرنے سے پہلے اپنے طور پر اس بات کی تصدیق کرے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایم این اے کی حویلی کی بات تھی ریڈ ناکام ہونے کی صورت میں زمان کے لیے مصیبت ہو جاتی۔ اسی لیے وہ کل تمہارے ساتھ حویلی گیا تھا۔ رات کو وہ چوروں کی طرح حویلی میں منڈلاتا رہا۔ اسے شبہ تھا کہ وہ تہ خانہ خفیہ دروازے کے قریب ہونا چاہیے۔

اس کا یہ شبہ درست ... تہ خانے کے آہنی دروازے پر آٹھ مسلح پہرے دار موجود تھے۔ ان پہرے داروں کی وجہ سے زمان کو یقین ہو گیا کہ تمام قیدی وہیں ہوں گے۔ ایک دن قبل وہ چوری چھپے اس آسیبی عمارت میں بھی گیا تھا اور وہاں اسے کوئی نہیں ملا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قیدیوں کو اس وقت تک وہاں منتقل نہیں کیا گیا تھا۔

قیدیوں کی وہاں موجودگی کا یقین ہوتے ہی زمان

نے حویلی ہی کا ایک ٹیلی فون استعمال کیا تھا۔

پولیس کو تیار رہنے کی ہدایات وہ دن ہی میں دے چکا تھا۔ ٹیلی فون پر اس کا اشارہ ملتے ہی پولیس کے ہیلی کاپٹرز حرکت میں آگئے اور زماں کو ٹیلی فون کرنے کے فوراً بعد کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں وہ ایک ستون کی آڑ میں ہی چھپ گیا تھا۔

قطب شاہ کو دیکھ کر وہ حیران نہیں ہوا۔ اسے پہلے ہی خیال تھا کہ موسم کی خرابی کے باعث فلائٹس کینسل ہوں گی اور اسے واپس آنا پڑے گا لیکن اس نے قطب شاہ کے چہرے پر جس قسم کا اضطراب دیکھا تھا وہ فلائٹس کینسل ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں تھا۔ اسی لیے زماں چھپتا چھپاتا اس کی خواب گاہ تک گیا۔

خسرو نے خواب گاہ کی ساری کہانی سنائی، پھر بولا۔

زماں سے ٹیلی فون پر میری خاصی گفتگو ہو چکی ہے، اسی لیے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن ایک بات میں اس سے ٹیلی فون پر نہیں کہہ سکا۔ ملاقات ہوگی، تبھی نہ کہوں گا۔

کیا بات؟

یہی کہ اس نے بڑی عیاری کا ثبوت دیا تھا۔

کس معاملے میں؟

قطب شاہ کے معاملے میں۔

کیا مطلب؟

وہ ان لوگوں کو گرفتار بھی کر سکتا تھا لیکن اسے اندازہ ہوگا کہ یہ ایک ایم این اے کا مسئلہ ہے۔ اسے بچانے کے لیے حکومتی اعلیٰ ترین سطح سے دباؤ پڑ سکتا تھا لہٰذا اس نے ایسی سچویشن پیدا کر دی کہ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔

تمہاری بات اب بھی ایک معما ہے۔

زماں نے انہیں گرفتار کرنے کے بجائے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ ایسے مواقع پر خطرناک جرائم میں ملوث ہونے والے یقینی گرفتاری اور ذلت سے بچنے کے لیے عام طور پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ زماں کا یہ قیاس درست ثابت ہوا۔ بھاٹو نے خودکشی کر لی اور زماں کا یہ قیاس بھی ٹھیک نکلا کہ خودکشی کرنے سے پہلے وہ قطب شاہ کو ضرور ٹھکانے لگائے گا۔

خدا کی پناہ! فارحہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

وہ تین گولیاں چلنے کی آواز تو میرے کمرے تک آئی ہی تھی لیکن اس کے بعد تو پندرہ بیس منٹ تک اتنی شدت سے فائرنگ ہوتی رہی کہ اس کے بعد آدھے گھنٹے تک میرے کان سنسناتے رہے۔

حویلی کے ملازمین، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بھاٹو کے ملازمین نے ڈٹ کر پولیس کا مقابلہ کیا تھا لیکن آخر انہیں ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

خسرو نے کہا پھر چونک کر بولا۔

ارے ٹی وی تو کھولو خبریں شروع ہو چکی ہوں گی۔

فارحہ نے جلدی سے اٹھ کر ٹی وی کھولا۔ ہیڈ لائنز نکل چکی تھیں لیکن پہلی خبر اس سیلاب کے بارے میں تھی جو بارشوں کی وجہ سے آیا اور ارجن پور کے شمالی دیہات میں سے گیارہ دیہات مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے اور اس سیلاب کا زور

وہ قدیم آسیبی عمارت بھی برداشت نہیں کر سکی تھی اور زمین بوس ہو گئی۔

اس خبر کو سنتے ہی خسرو اور فارحہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں کی نگاہوں میں ایک ہی سوال تھا۔

کیا وہ عمارت واقعی آسیبی تھی؟

جدید سائنس مانے یا نہ مانے لیکن دنیا میں آج بھی اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔

(ختم شد)

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اس کہ لطفِ خلش ہائے نالۂ بے سود

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

چلوں، میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

ضیائے حسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود

پھر اس ادا سے مرا اس نے ماجرا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

اصغر گونڈوی

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر جو امت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرشِ خاک پر جاڑوں میں سوتا تھا

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے تھے تختِ قیصریت، اوجِ دارائی

سلام اس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حیدر کے افسانے

ماہر القادری

وہ ایک سحر میں گرفتار سا ہو کر نیچے اترتا چلا گیا۔ نیچے اتر کر اس نے جو نظارہ دیکھا اس نے اس کے ہوش ہی اڑا دیئے

عالمی شہرت یافتہ انگلش فلم سے ماخوذ

گریملنز

رانا جی

دروازے کی گھنٹی زور سے بجی انور اس وقت انہماک سے فلم دیکھنے میں مصروف تھا اس لیے اسے گھنٹی بجنے کی آواز قطعاً سنائی نہ دی۔ سٹیون سپیلبرگ جیسے ڈائریکٹر کی سائنس فکشن فلم ہو اور انور اس میں بری طرح کھویا ہوا نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا۔ فلم ''گریملنز'' نامی ایک عجیب و غریب مافوق الفطرت' خلائی مخلوق کے بارے میں تھی' جو اس کرہ ارض کے مکینوں کی زندگی میں زبردستی گھسی چلی آتی ہے۔

فلم کے مین ہیرو لڑکے کو ایک بوڑھا چائنیز ایک واحد گریملن تحفہ پالنے کے لیے دیتا ہے لیکن ساتھ ہی سختی سے ہدایت کر دیتا ہے کہ وہ اس پر کسی بھی صورت پانی کا ایک قطرہ تک نہ گرنے دے ورنہ ایک گریملن ٹمی پلائی ہو کر بہت سے گریملنز میں تبدیل ہو جائے گا اور بہت تباہی ہو گی۔

ہو اوہی جو ایسے موقعوں پر ہوا کرتا ہے۔ لڑکے کے ہاتھ سے پانی کے کچھ چھینٹے اس معصوم سے ننھے منے گریملن پر جا کر گرتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک گریملن ملٹی پلائی ہو کر پانچ چھ خون خوار گریملن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ جانور نما وحشی مخلوق' بھوکی پیاسی' سارے گھر میں دندنانے لگتی ہے۔ ان کے جسم پر اون بالوں بھری فر سے ڈھک جاتے ہیں۔

ان کا یہ خوفناک روپ' سرخ بڑی بڑی آنکھیں' بدنما دانت اور خرخر کرتی بھیانک آواز سن کر لڑکا گھبرا جاتا ہے۔ وہ غل غپاڑہ مچاتے' گھر میں توڑ پھوڑ کرتے ہنگامہ کرتے کچن میں جا گھستے ہیں۔

گھر کے مکین بے بس اور خوفزدہ ہو کر اپنی جان بچانے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

ایک گریملن مائیکرو اوون میں جا بیٹھتا ہے ایک گرائنڈر میں جا گرتا اور ایک واشنگ مشین میں شرارت کے طور پر گھس جاتا ہے تو ہیرو کی ماں سب



مشینوں کے بٹن آن کر کے انہیں کتنا "پستا چٹختا" چلاتا چھوڑ کر اپنے بچے لے کر گھر سے بھاگ جاتی ہے۔

کچھ گریملنز باہر نکل کر شہر میں دہشت پھیلا دیتے ہیں۔ ایک فوارے والے چھوٹے سے آرائشی تالاب میں کود جانے سے اب مزید گریملنز وجود میں آچکے ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد جنگل میں اُگنے والے خودرو مشروم کے پودوں کی طرح ہر لمحہ بڑھتی جاتی ہے۔

رفتہ رفتہ وہ شہر میں منظم طریقے سے پھیل جاتے ہیں۔ سڑکوں، بازاروں، پارکوں، گلیوں، سکولوں، سینما گھروں غرضیکہ ہر جگہ اپنا ڈیرا جما لیتے ہیں اور شہر کے مکینوں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔

ٹرن ٹرن، گھنٹی دوبارہ زور سے بجی۔

انور اُچھل پڑا۔ اتنی دلچسپ حیرت انگیز فلم چھوڑ کر اٹھنے کو اس کا ذرہ برابر بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر آنے والا گھنٹی پہ گھنٹی یوں بجائے چلا جا رہا تھا گویا اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہو اور اگر کسی نے دروازہ نہ کھولا تو وہ دروازہ توڑ کر خود ہی اندر آ جائے گا۔ گھنٹی کان بہرے کیے دے رہی تھی۔ نہ جانے ملازم صدیق کہاں مر گیا ہے۔

انور نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھولتے ہی اس کے لبوں سے ایک دبی دبی چیخ نکل گئی باہر ایک عجیب و غریب مخلوق کھڑی تھی۔

اس کا چہرہ کچھ کچھ انسانوں جیسا تھا لیکن اس کی بدصورتی دیکھ کر اس کے انسان ہونے پہ شبہ ہوتا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں۔

موٹے موٹے ہونٹ لٹک کر اس کے گندے پیلے دانتوں کی نمائش کر رہے تھے۔ ایک بازو مڑا تڑا سا تھا اور دوسرے سے خارش زدہ کھال چھل کر اترتی دکھائی دے رہی تھی۔

مٹی سے اٹے ہوئے الجھے الجھے بالوں کو نہ جانے کب سے کنگھی صابن نصیب نہ ہوا تھا۔ اس کی ایک کٹی ہوئی ٹانگ پھٹے ہوئے پاجامے میں سے باہر جھانک رہی تھی۔

انور کے دیکھتے دیکھتے وہ ہیولا اپنی ہیئت بدلنے لگا۔ اس کی شکل و صورت میں ایک انوکھی تبدیلی آنے لگی۔

اس کی جلد کو براؤن بالوں والی فر ڈھکنے لگی۔ سر پہ دو لمبے خرگوش نما کان اُگے۔ آنکھیں سکڑ کر تنگ ہونے لگیں۔ نتھنے پھیلنے لگے۔ اس کے حلق سے غرغر کی خوفناک آوازیں سن کر انور کو اپنے قدم پیچھے ہٹانے پڑے۔

"گریملن، گریملن" انور خوفزدہ ہو کر چیخا۔

"کیا ہوا ابو؟"

اسی لمحے اس کا ننھا بیٹا چاند اس کی ٹانگوں سے آکر لپٹ گیا۔

"کچھ نہیں، باہر نہیں جانا۔" اس نے حلق میں سے تھوک نگلتے ہوئے اپنے بیٹے کو پیچھے دھکیل دیا اور دروازے پہ چٹخنی چڑھا دی۔

باہر نہ جانا میرے چاند باہر وہ ہے۔

اس نے چاند کو اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"کون ابو؟"

"کوئی نہیں۔ تم نے تو کوئی آواز نہیں سنی نا؟"

اس نے چاند کو چوم لیا۔

چاند اس کی گود میں سے پھسل کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

ارے ایسا میں بابا ہیں یہ۔ امی تو روزانہ ایک روپیہ دیتی ہیں ان کو۔

انور نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غور سے دیکھا۔ وہ تو کوئی عجیب سی مخلوق تھی، لیکن اس کو دفعان کرنے کا شاید بس ایک ہی طریقہ تھا۔ اس نے کھڑکی کی سلاخوں میں سے ایک روپیہ باہر کو اچھال دیا اور اس کے پٹ بند کر دیے۔

خرخری آوازیں مدھم ہو کر غائب ہو گئیں۔ وہ بلا وہاں سے جا چکی تھی۔

اگلی صبح وہ جلدی جلدی آفس جا رہا تھا۔ کیونکہ بچوں کو سکول چھوڑنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔ وہ تیز تیز گاڑی چلا رہا تھا مگر پھر بھی ایک جگہ ریڈ لائٹ نے اس کے قدم پکڑ لیے۔ ایسے میں رکنا اسے بہت ناگوار محسوس ہوا۔

مگر تھوڑی ہی دیر میں اس کی ناگواری حیرت اور پریشانی میں بدل گئی۔ نہر کے کنارے لگے بڑے بڑے پیپل کے درختوں کے جھڑنے والے خزاں رسیدہ پتوں کی بدنصیبی پہ غور کرتے کرتے جو اس نے اپنے پہلو میں نظر دوڑائی وہ یہ دیکھ کر اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی کہ اس کی ہونڈا کے سفید پٹی والے ریڈیئل ٹائرز کے بالکل ساتھ ساتھ ایک گریملن موجود تھا۔

یہ والا کل والے سے کچھ مختلف تھا۔ اس کا نچلا دھڑ سرے سے ہی نہیں تھا اس نے گاڑی کی ایک سائیڈ تک کھینچ کر اپنے آدھے دھڑ کو ایک ڈیکوریشن پیس کی طرح سجا رکھا تھا۔ نہ جانے اس نے اپنے نچلے دھڑ کو جادو کے زور سے کیسے غائب کر دیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہوا انور کے پاس آ کر کھڑکی کا شیشہ بجانے لگا۔

تمہاری یہ مجال۔ کہ مجھے تنگ کرنے کے لیے میرا یوں پیچھا کرو۔

وہ غصے اور خوف سے گنگھیا کر بولا۔

”ہی ہی ہی“ خوفناک مخلوق نے ڈھٹائی سے قہقہہ لگایا۔“

ایک روپے کا سوال ہے ذلیل امیر آدمی! خود تو مزے سے ایئر کنڈیشن گاڑی میں بیٹھا اڑا چلا جا رہا ہے اور مجھ کو ایک روپیہ دیتے تیری جان نکلتی ہے۔ دیکھتا نہیں میں اس گرمی میں تم جیسے بے شرموں سے خوراک حاصل کرنے کے لیے کیسے سڑکوں پہ مارا مارا پھر رہا ہوں۔

تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ انور پر احساس جرم طاری ہونے لگا۔ ایک کالا سیاہ منحوس سا بادل اس کے سر پہ منڈلانے لگا۔

بتی سبز ہونے والی ہے چلو جلدی کرو روپیہ نکالو اور چلتے بنو۔ گریملن نے دھونس دی۔ انور نے دیکھا ایک اور گریملن زمین پہ کیڑے کی طرح رینگتا ہوا ایک دوسری گاڑی والے سے روپیہ وصول کر چکا تھا۔

اس نے ایک روپیہ اسے تھما دیا اور اسی میں اپنی عافیت جانی کہ وہاں سے بھاگ نکلے۔

اس کمینے کو ذرا بھی ٹریفک سیفٹی کا خیال نہیں۔ یہ تو پبلک ہیزرڈ بنتے جا رہے ہیں۔ کاش کہ ٹریفک

خنزری ان کی روک تھام کا کوئی انتظام کریں۔ یہ تو مصیبت بن گئے ہیں کوئی ضابطہ کوئی قانون تو ان پہ لاگو ہونا چاہیے نا۔ انور دل ہی دل میں بڑبڑاتا جارہا تھا۔

اس کی بیوی زرینہ نے دفتر میں ہی فون کر کے کہہ دیا تھا کہ واپسی میں ڈبل روٹی انڈے بازار سے لیتے آنا ورنہ دوبارہ چکر لگانا پڑے گا۔ چونکہ مارکیٹ سے گزر کر ہی انور گھر پہنچتا تھا۔ اس لیے اس نے ہامی بھرلی۔

مارکیٹ پہنچ کر ابھی اس نے گاڑی کا انجن بند بھی نہیں کیا تھا کہ ان میں سے ایک نے پھر اسے آلیا۔

"خوش آمدید"

اس نے اپنا بھیانک چہرہ گاڑی کے شیشے میں فٹ کردیا اور پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کرنے لگا۔

انور بند شیشوں کے پیچھے سے چلایا۔ مگر اس کی چیخ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ باہر تک پہنچ سکتی۔

بازار میں چہل پہل تھی۔ لوگ خریداری میں مصروف آجا رہے تھے۔ کسی کو اس کی حالت پر ترس نہیں آرہا تھا۔ سب اپنے اپنے دھیان میں مست دکھائی دیتے تھے۔

اسے اپنی کار ایک ایسی آبدوز کی مانند لگنے لگی جو سمندر کی سب سے نچلی سطح پہ بیٹھی ہوتی ہے۔ اس کے شیشوں سے ہر قسم کی آبی مخلوق، مچھلیاں، کیڑے نباتات وغیرہ کا بخوبی نظارہ کیا جاسکتا ہے اور آبدوز ساؤنڈ پروف ہوتی ہے۔ لیکن کوئی آواز نہ تو اس کے اندر پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اس سے باہر آسکتی ہے۔

انور کا سانس رکنے لگا۔ پسینے چھوٹنے لگے۔

حد ہے کسی کو میرا دھیان نہیں۔ لوگ ادھر دیکھ تک نہیں رہے۔

میں آبدوز میں پھنسا بیٹھا ہوں۔ شارک کا خوفناک جبڑا میرے شیشے سے جڑا ہوا ہے اور باقی کیڑے۔

دروازہ کھولتے ہی اس کا جی چاہا اس مخلوق کو اتنی زور سے دھکا دے کہ منہ کے بل جا گرے مگر ایک دم رک گیا اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے چہرے پر حزن وملال، محرومی اور مظلومیت کے گہرے سائے رقصاں تھے۔

تم مجھے روند کر نظر انداز کر کے کس طرح بیکری میں جاکر سکو گے کیسے ڈبل روٹی، انڈے، کیک اور بسکٹ لے سکو گے؟ اپنے ننھے اکلوتے بیٹے چاند اور ننھی ستارہ کے لیے چاکلیٹ ٹافیاں خرید سکو گے جبکہ میرے بچے دو دن سے روٹی کے ٹکڑوں کی تلاش میں کوڑے کے ڈھیر سونگھتے پھر رہے ہیں۔

انور نے غور سے دیکھا وہ ایک مادہ گریملن تھی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اس کے پیچھے دامن کو پکڑے تین چھوٹے گریملن بچے ماحول اور گردوپیش سے بے نیاز ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف تھے۔ ان کے منہ سے خرخر کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

کسی کی ناک بہہ رہی تھی تو کسی کے پاؤں ننگے تھے، کسی کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے تو کسی کے بال مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے اپنے ہاتھ

آگے کو پھیلا لیے تھے۔

انور ایک دم پیچھے ہٹ گیا' کیونکہ ممکن تھا کہ ان کے پھیلے ہوئے ہاتھ اس کی سفید جینز اور ٹی شرٹ پر کوئی بدنما دھبہ چھوڑ دیتے۔

وہ ایک عجیب سی' گندے' میلے بدبودار بد صورت گریلنز کی ٹولی تھی مگر وہ پھر بھی ان کے لیے اپنے دل میں نفرت اور حقارت کے جذبات نہیں محسوس کر رہا تھا۔

اس نے جلدی سے ایک روپے کا نوٹ ان کی طرف بڑھا دیا۔ جس کے لیے وہ دیوانوں کی طرح اس کی طرف لپکے۔ انور نے بھاگ کر بکری میں گھس کر جان بچائی۔

آج تو کمال ہو گیا۔ ہر طرف یہی مخلوق نظر آ رہی ہے یا شاید یہ لوگ صرف میرے ہی پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آخر یہ مجھ سے ہی کیوں سوال کرتے ہیں؟ میں آخر کیا کس طرح سب کی مدد کر سکتا ہوں۔ میں کیا کر سکتا ہوں وہ سوچ کر پاگل ہونے لگا۔

رات کے کھانے کے بعد بچے ضد کرنے لگے کہ انہیں لبرٹی مارکیٹ لے جایا جائے۔ چاند کو کون آئس کریم بہت پسند تھی اور بڑے بچوں کو انار کے جوس کی خواہش ہو رہی تھی۔ زرینہ بھی پان کھانے کے موڈ میں تھی۔

انور نے گاڑی بک شاپ کے پاس کھڑی کی ہی تھی کہ دکانوں سے لڑکے بھاگ بھاگ کر ان کی گاڑی کی طرف لپکنے لگے۔

انور نے آرڈر دے کر گاڑی سے اتر کر بک شاپ کے باہر شیلفوں میں لگی کتابوں پہ نظر دوڑاتے ہوئے دیکھا کہ اس کا دوست اسلم بھی اس کی طرح اپنی فیملی کو آؤٹنگ کروانے وہاں پہنچا ہوا تھا۔

دونوں دوست نئی آنے والی کتابوں پہ تبصرہ کرنے لگے۔ اسی لمحے گریلنز کا ایک غول چاروں طرف سے حملہ آور ہو گیا۔ ان سب کی شکلیں اور عمریں ایک دوسرے سے مختلف تھیں لیکن لگتے سب ایک ہی قبیلے سے تھے۔ اب کی بار ان کے حملے کا ڈھنگ کچھ مختلف سا دکھائی دے رہا تھا۔

مرسیڈیز والے مجھ سے یہ قلم خرید لیں غریب ہوں میرا باپ اندھا اور بیمار ہے۔۔۔۔ جلدی کر ورنہ۔۔۔۔؟

انور کے دوست نے جھٹ سے ایک روپیہ نکال کر اس گریلن کو پکڑا دیا مگر قلم خریدنے سے معذرت چاہی۔

کیا' تو قلم نہیں خریدے گا۔ اچھا چل یہ سورہ یٰسین خرید لے یہ نہیں تو چھوٹا سا قرآن شریف ہی خرید لے گاڑی میں رکھے گا تو برکت ہوگی۔ یہ پلاسٹک پہ لکھے چاروں قل شریف گھر میں لٹکانے کا تو پورے دس نہیں آئیں گے۔

لیکن یہ سب تو پہلے ہی میرے پاس ہیں۔ میں کئی بار تم لوگوں سے یہ سب کچھ خرید چکا ہوں۔ آج نہیں لوں گا۔

اسلم نے احتجاج کیا۔

بڑے ہی کافر ہو تم پیسے والے خدا کا نام ہے ان چیزوں میں حکمت ہے۔ بھی بڑے ہی ذلیل ہو۔ کہنے کو مسلمان ہو اور مذہبی لٹریچر پہ پیسہ خرچ کرتے جان جاتی ہے تمہاری۔ تف ہے تم پر بے حیاؤ۔

انور کو وہی کالا منا سا سیاہ بادل اپنے سر پہ منڈلاتا محسوس ہونے لگا۔ اسلم نے پانچ کا نوٹ اس بک بک کرتے گریملن کی طرف بڑھایا تو اس کے منہ کو ایک دم تالا لگ گیا اور وہ اپنے قلم، اپنی سورۂ یٰسین اور اپنا ننھا سا قرآن شریف ہاتھ میں تھامے ایک دوسری گاڑی کی طرف لپکا۔

ہاں یار تو نے سنا تو نے "کبھی سدھرا" کی "آس کینیڈی میں "پڑھ لی یا ابھی نہیں۔

اس کے اس قدر شگفتہ انداز سے انور بہت حیران ہوا یار تمہیں اس سے ڈر نہیں لگا۔ وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

ڈر۔ اس سے یار ڈر کیا لگتا ہے۔ بس کوفت اور بیزاری بہت ہوتی ہے انہیں ہر جگہ دیکھ کر۔

انور کی نظر ایک دم گاڑی میں بیٹھی ہوئی اپنی بیوی کی جانب اٹھ گئی۔

ایک گریملن اپنے لمبے نوکیلے دانت زرینہ کی گردن میں گاڑے اسے بالوں کی پنیں، ربڑ بینڈ الاسٹک وغیرہ خریدنے پہ مجبور کر رہا تھا!

او مائی گاڈ۔ یہ کمبخت ویمپائر تو اس کے بدن کا سارا خون چوس کر اسے ٹھنڈی لاش بنا دے گا۔

وہ بڑھا تا ہوا اپنی بیوی کی مدد کے لیے لپکا مگر زرینہ کے چہرے پہ بڑے نارمل سے تاثرات دیکھ کر حیرانگی سے وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

وہ کچھ مزید سامان خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

یہ تم کیا کر رہی ہو؟

کیا کروں۔ یہ لوگ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے کچھ نہ کچھ لینا ہی پڑتا ہے نا۔ اور تم کدھر کو چل دیے مسٹر۔

ایک بوڑھے گریملن نے اپنا لمبا چھڑی جیسا پاؤں آگے بڑھا کر انور کو ایک ٹھڈی دی۔

یہ گجرے اپنی بیوی کے لیے خریدتا ہے کہ تیری ٹھکائی کروں۔

میں نہیں لوں گا۔ دھونس ہے کیا؟ وہ گھگھیا کر بولا۔

"تیری یہ مجال کہ تو میرے آگے انکار کرے۔ بے شرم اپنی بیوی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا۔ وہ تیرے لیے اتنا کرتی ہے۔ تم لوگوں میں **Appreciation** تو نام کو بھی نہیں۔

اچھا یار لاؤ ادھر پکڑاؤ۔

انور کی جگہ اسلم نے ہاتھ بڑھا کر گجرے تھام لیے اور جھگڑا نپٹا دینے کی غرض سے جلدی جلدی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اسے تھما دیے۔ یار یہ کس قدر زیادہ ہو گئے ہیں ہے نا یوں لگتا ہے جیسے کوئی اڑن طشتری انہیں خلاء سے لا کر یہاں لینڈ کر چکی ہو اور پھر کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کا نیٹ ورک یہاں پھیلا دیا گیا ہو۔

کیا کہا۔ تمہیں بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ میں تو خود تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر جھجک رہا تھا کہ کہیں تم کو میری ذہنی صحت پہ شک نہ ہونے لگے۔

یار مجھے تو ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔ جب دیکھو جہاں دیکھو موجود ہوتے ہیں زندگی حرام کر دی ہے۔

انور حوصلہ پا کر بولا۔

"ہاں یار جو نکیں ہیں سالی خون چوسنے کو تیار

اگر ان کو مطلوبہ "خون" انہیں نہ دو تو شاید ہمیں نگل ہی جائیں۔"

اسلم ہنسا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ خون ہی پانی کا قطرہ ہے۔ پانی کے قطرے سے ہی تو یہ مخلوق پیدا ہوتی ہے نا؟

اگر انہیں خون نہ دیا جائے تو ان کی افزائش رک سکتی ہے۔ یار حکومت کو ان کے بارے میں کچھ کرنا چاہیے۔

ان کی روک تھام ان کا سد باب یہ تو بری طرح ہمیں خوفزدہ اور زچ کر رہے ہیں۔ ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ گھر سے نکلو تب موجود گھر میں چھپ کر بیٹھے رہو تو کال بیل بجا کر ہمیں طلب کر لیتے ہیں۔ ایسے کیسے اور کب تک گزارہ ہوگا؟

آخر ہم آنکھیں بند کر کے تو نہیں بیٹھے رہ سکتے ہیں نا۔ یہ مخلوق ایک ہی دن میں اتنی تیزی سے مٹی پیدا ہو رہی ہے میں تو ڈرنے لگا ہوں کہ کہیں یہ ہم پر حکومت ہی نہ کرنے لگیں۔ کہیں یہ ہمیں صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کی نیت سے تو نہیں یوں سرگرم عمل ہو رہے ہیں؟

تمہیں پتہ ہے اگر خدانخواستہ ایٹمی دھماکہ ہو جائے تو ہر جاندار ختم ہو جائے گا۔ نباتات، حیوانات میں سے کچھ نہ بچ سکے گا مگر کاکروچ ایک ایسی نوع حیات ہے جو اس تباہی سے بھی بچ نکلے گی۔ کہیں یہ کاکروچ تو نہیں ہیں؟ کیونکہ مٹی پیدائی تو اسی طرح سے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

چل یار چھوڑ اس بور موضوع کو، کیا ہمارے پاس ڈسکس کرنے کو یہی رہ گئے ہیں۔ مٹی ڈال۔

یہ بتا صبح ایئر پورٹ پہ ملاقات ہو رہی ہے نا؟ نہیں؟ یاد ہے نا نوید صبح امریکہ سے سات بجے کی فلائٹ سے پہنچ رہا ہے۔

ہاں، ہاں کیوں نہیں ضرور ملیں گے چل یار گھر چلیں کافی رات ہو گئی ہے اور تجھے پتہ ہے نا رات گیارہ بجے کے بعد لبرٹی میں صرف مچھر ہی مچھر نظر آنے لگتے ہیں۔

اور مچھر والے انور بھی ہنسنے لگا۔

مچھر والے کون ہوتے ہیں پاپا۔

ارے شیطان تو کب گاڑی میں سے باہر نکلا؟ انور نے اپنے بیٹے چاند کو گود میں اٹھا کر پیار کیا۔

لو اسے بتاؤ مچھر والے کون ہوتے ہیں۔ اسلم محظوظ ہو کر بولا۔

"بیٹا مچھر والے دراصل اس ملک کے سیاست دان، وڈیرے، جاگیردار، ہیروئن فروش اور کلاشنکوف بردار ہوتے ہیں۔"

صبح سویرے دونوں دوست نوید کو خوش آمدید کہنے ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ فلائٹ ایک گھنٹہ لیٹ تھی اس لیے انتظار کرتے کرتے دونوں تھک گئے۔

گرمی کا زور صبح سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ انتظار، پسینہ، لوگوں کا ہجوم سب مل کر انور کو نروس کرنے لگا۔ اس کا دل ڈوبنے سا لگا تھا۔

نوید آتے ہی سب سے باری باری خوشدلی سے گلے ملا۔ ملنے ملانے کے بعد ٹرالیوں میں سے سامان اتروا کر گاڑیوں میں بھرا جانے لگا۔

نوید کے امریکن نژاد بچے حیرت اور اشتیاق سے ماحول اور لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگ آپس

میں بات چیت، ملنے ملانے، سامان رکھوانے میں مصروف تھے یکدم ایک ناگوار سی آواز انور کے کانوں میں آئی۔

ایک مادہ گریملن سفید شٹل کاک برقع پہنے سوراخوں میں سے اپنی خونخوار لال آنکھیں نکالے انہیں گھور رہی تھی۔ اس کے لمبے براؤن فر والے کان ٹوپی میں سے باہر کو اکڑے کھڑے تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ مانگنے کے انداز میں آگے کو بڑھا رکھا تھا مگر انور کی آنکھوں نے اس کی آستین میں چھپا ہوا غیر مرئی خنجر بھی دیکھ لیا تھا۔ نوید کی تین سالہ بیٹی نے ایک چیخ ماری اور اپنی ماں سے لپٹ گئی۔

"ممی لک مانسٹر" برقع پوش مخلوق کی طرف اشارہ کر کے چلائی۔

شکر ہے کم از کم اس ذہین بچی نے پہچان کر لیا ہے کہ یہ ایک مافوق الفطرت مخلوق ہے۔ انور دل ہی دل میں خوش ہو گیا۔

ارے مائی سویٹ چائلڈ یہ مانسٹر نہیں ہے۔

نوید نے ہنس کر اپنی بیٹی کو گود میں لے لیا۔ اس ے ہاتھ کی۔ طرف چلے گئے۔

سن امریکن ہے ڈالر چاہیے ڈالر۔ ایک روپے سے کام نہیں چلے گا۔

برقع پوش کے پوشیدہ خنجر نے ایک لشکارا مارا۔ وہ غرانے لگی۔

یار پاکستان میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے ان ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔

نوید کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

نوید! میں تو خود ان کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ خوفزدہ ہو گیا ہوں یہ ہر طرف چھائے چلے جا رہے ہیں۔ انور کچھ کہتے ہوئے بول اٹھا۔

"میرے پاس تو سو کا نوٹ ہے اور میں ڈالر اسے دینا نہیں چاہتا۔"

نوید نے سرگوشی کی مگر نہ جانے کس طرح اس نے سن لی۔ اور بولی۔

"ہم سے نذرانے لیجو۔ گرین کارڈ ہولڈر۔"

ایک اور گریملن نہ جانے کہاں سے اچانک نمودار ہو گیا تھا اس کے بوسیدہ پھٹے ہوئے کپڑوں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک ایک روپیہ کے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے گننے لگا۔

کمال ہے۔ ان لوگوں کی ڈھٹائی پہ میں حیران ہوں۔

نوید کی بیوی شمع بول اٹھی۔

"ہاں بھابھی۔ اب تو یہ بہت اسٹیبلش اور آرگنائزڈ ہو چکے ہیں۔ ان کے بینک اکاؤنٹ ہیں۔ بچے سکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ پلاٹ خرید رکھے ہیں۔ انہوں نے۔"

"یہ ایک باقاعدہ پروفیشن ہے اب تو۔ بلکہ میرا تو خیال ہے انہوں نے ایک یونین بھی بنا ڈالی ہو گی۔

انور نے بھی اپنا خیال ظاہر کر دیا۔

"کیا؟" سب نے چونک کر انور کی طرف عجیب عجیب نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔

جسٹ لائک "گریملنز" ہیں نا ڈیڈی۔

نوید کی ننھی بیٹی سونیا نے تالیاں بجا کر انور کے خیال کی تائید کی۔ ڈیڈی دکھائیں ذرا امریکن ڈالر

کے مقابلے میں یہ چھوٹے چھوٹے سفید نوٹ کتنے کھوٹے لگتے ہیں۔

نوید کے اس گیارہ سالہ بیٹے وکی نے بھناتے ہوئے نوٹوں میں سے کچھ نوٹ اپنے باپ سے لے لیے۔

اسی لمحے تیز ہوا کا ایک منہ زور جھونکا آیا اور اس نے وکی کے ہاتھ سے بہت سفید ننھے منے روپوں کے نوٹ پھونک مار کر اڑا دیے۔ پھڑپھڑاتی ہوئی تتلیاں سروں پہ منڈلاتی 'بل کھاتی' ہوا میں تیرتی ناچتی زمین پر گر کے معدوم ہوتی نظر آنے لگیں۔

گریملنز کی ایک فوج ان تتلیوں پہ ٹوٹ پڑی۔

پھٹے پرانے بوسیدہ اور میلے کچیلے کپڑوں' بے ہنگم شکلوں۔ ننھے چھوٹے جسموں کے ایک غول نے ان سب کو گھیرے میں لے لیا۔

انور نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔

سفید' ننھے منے کاغذ کے پرزے' پانی کے قطروں میں تبدیل ہو کر چاروں طرف گرنے لگے تھے۔ جیسے ہی وہ کسی گریملن کے جسم سے مس کرتے وہیں ایک گریملن کی جگہ کئی گریملن پیدا ہو جاتے اور پانی کے قطروں کے لیے جنگ شروع کر دیتے۔

"یار انہیں پانی کے قطرے نہ دو۔ اسی طرح ہی تو ان کو ملٹی پلائی ہونے کا موقع ملتا چلا جاتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ان کا قلع قمع کرنا ہے تو انہیں پانی کے یہ قطرے دینے بند کرنے ہوں گے۔ ورنہ یہ پھلتے پھولتے چلے جائیں گے۔"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"یار نوٹ لیے بغیر جان بھی تو نہیں چھوڑتے ۔۔۔ دفع کرو ۔۔۔ کون اس فضول مسئلے پہ دماغ کھپائے ۔۔۔ چل یار ۔۔۔ چلتے ہیں۔ شام کو ملیں گے۔"

اسلم نے انور کا کاندھا تھپتھپایا۔

سب کو خدا حافظ کہہ کر نوید اور اس کی فیملی بھی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

انور حسب معمول اپنی پسندیدہ کیسٹ سنتا اپنے خیالوں میں مست گاڑی ڈرائیو کرتا جا رہا تھا کہ اچانک صبح کا سہانا وقت شام کے گہرے دھندلکوں میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔

وہ دل ہی دل میں حیران ہوتا اس تبدیلی پہ غور کرتا جا رہا تھا کہ اس کی گاڑی خود بخود ایک رائٹ ٹرن کاٹ گئی۔

اس نے بریک لگا کر گاڑی روکی اور نیچے اتر گیا۔

اس کے سامنے ایک پر اسرار ویران سی گھاٹی تھی۔ جس کے نشیب میں جلتے بجھتے ننھے منے دیے اسے اپنے پاس بلانے کی دعوت دے رہے تھے۔

وہ ایک سحر میں گرفتار سا ہو کر نیچے اترتا چلا گیا۔

نیچے اتر کر اس نے جو نظارہ دیکھا اس نے تو اس کے ہوش ہی اڑا دیے۔

ننھے چھوٹے جھونپڑے' تاریک گلیاں' غلیظ مکانوں پہ مشتمل یہ انوکھی سی آبادی تھی۔ بستی کے عین بیچوں بیچ ایک طاقتور الاؤ جل رہا تھا جس کے ارد گرد بے شمار گریملن ایک وحشیانہ رقص کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے ڈھول کی تھاپ کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔

اسے دیکھتے ہی بہت خوفناک گریہ المنظر گریملن اس کی طرف لپکے۔ کوئی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا اور کوئی اس کے کپڑے پھاڑنے لگا۔ ایک نے تو بڑھ کر اس کے منہ پر تھوکنا چاہا مگر اس کے ایک ساتھی نے روک دیا۔

میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔ تم لوگ مجھے جذباتی طور پر ایکسپلائٹ نہیں کر سکتے اور نہ ہی میں خود کو مجرم محسوس کروں گا۔ جاؤ جو کرنا ہے کر لو۔ اگر تم لوگ اس وقت میرے گھر میں ہوتے تو میں تمہیں مائیکرو ویو اوون میں ڈال کر بھون ڈالتا۔ واشنگ مشین میں نچوڑ کر رکھ دیتا اور بلینڈر میں پھینک کر تمہارا قیمہ کر دیتا لیکن اس وقت میں ایسا کر نہیں سکتا مجبور ہوں اس لیے کہ تمہارے بیچ گھرا ہوا ہوں۔ وہ جھنجھلانے کے انداز میں بولا۔

"ظالم ہے یہ۔" ایک آواز بلند ہوئی۔

"مار ڈالو اسے مجرم ہے یہ۔" دوسری آواز آئی۔

"ارے ابھی نہیں۔ حوصلہ رکھو ساتھیو! یہ بے چارہ تو صرف ایک گتھی سلجھانے یہاں آیا ہے۔ یہ بے وقوف ہے اسے معلوم نہیں کہ پانی کا قطرہ کیا ہے۔ ادھر آؤ انور صاحب میں تمہاری پانی کے قطرے سے ملاقات کراؤں۔ جب تم اس کا سراغ پالو گے تو پھر ہماری نسل کے خاتمے کا طریقہ جان لو گے۔"

ہمیں تم میں فرق، یہ امتیاز، یہ گھاٹے اور منافع کے سودے، یہ اونچ نیچ" اس لولی لنگڑی بھینس "معیشت" کا نتیجہ ہے جو صدیوں سے ہمیں ایک آسیب کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔ یہ معیشت ہی تو پانی کا قطرہ ہے مورکھ۔

یہ گریملن دھیرے دھیرے بولتا گیا۔

"معیشت، معیشت" گریملن دیوانہ وار چیخنے رقص تیز ہوتا گیا۔

سوشل سسٹم، سوشل سسٹم۔ آگ پر پٹرول ڈال دیا گیا۔

انور دیوانہ وار دوڑنے لگا۔

وہ بہت گہری کھائی تھی۔ انور کا اونچائیوں کی طرف جاتے ہوئے سانس پھولنے لگا۔

صاحب جی! مجھے ایک روپیہ دے دیں میری ماں بیوہ ہے۔

ہمارے گھر میں دو دن سے روٹی نہیں پکی۔

ایک ننھے منے گریملن نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

چاند میرے بچے میری جان تو یہاں کہاں۔

انور نے بے تابانہ ننھے گریملن کو سینے سے لگا لیا۔

صاحب جی! بس ایک روپیہ دے دیں اور کچھ نہیں چاہیے۔

چاند ضد کرنے لگا۔

اس نے چاند کو ایک لال نوٹ تھما دیا۔

چلو میرے بچے گھر چلیں۔ وہ اسے پچکارنے لگا۔

لیکن میرا گھر تو اس گہری اندھیری کھائی میں ہے صاحب جی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ چاند اس کی گود میں سے پھسل کر نیچے اتر گیا اور بھاگتا ہوا جا کر الاؤ کے ارد گرد ناچنے والوں میں شامل ہو گیا۔

(مشہور انگریزی فلم "گریملنز 4" سے ماخوذ)

ایک بزرگ کے مزار کی ایمان افروز داستان جو جنگلی درندوں کی حفاظت کرتے تھے

کراماتی مقبرہ

قمر نقوی

یوپی میں جنگلات جھانسی اور باندرہ میں ہیں جو دکن میں صوبہ سی پی کی سرحد تک اور پچھم میں گوالیار تک۔ جبکہ گزھ چھکاری تک اور ریاست پنا میں پورب میں ہیں۔ یہ جنگلات بے حد گھنے اور میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان جنگلات کے درمیان چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں جن میں مختلف فرقوں کے لوگ آباد ہیں۔ نواب حمید اللہ خان کی دعوت پر ان جنگلات میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان میں ہاتھی پر بیٹھ کر شکار نہیں کھیلا جا سکتا۔ چونکہ جنگل اس قدر گھنے ہیں کہ کوشش کے باوجود ہاتھی کا گزرنا ناممکن ہے۔ جھانسی سے ہم جیپوں کے ذریعے جنگلات تک پہنچے۔

جنگلات کے آغاز سے پہلے ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ جس میں ہم لوگوں نے ایک رات قیام کیا۔ اس قیام کے دوران آبادی کے لوگوں نے بتایا کہ شیر کا ایک بچہ ایک چرواہے کو زخمی کرنے کے بعد آدم خور بن گیا ہے۔ وہ جنگل میں آنے جانے والوں پر حملے کرنے لگا ہے۔ گزشتہ سال اس نے دو عورتوں کو زخمی کیا۔ اور اب وہ پوری طرح جوان ہو گیا ہے اور انتہائی چالاکی سے انسانوں پر حملے کر کے کئی افراد ہلاک کر چکا ہے۔

آبادی کے لوگ شیر کے خوف سے تمام رات الاؤ جلاتے ہیں۔ اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے دن میں مزدوری نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے فاقہ کشی عام ہو گئی ہے۔ جن لوگوں کے حالات اچھے تھے وہ آبادی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ اور جو لوگ بے آسرا تھے وہ مجبوراً بستی میں رہ گئے ہیں اور جان بچانے کی خاطر تمام رات آگ روشن رکھتے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر آبادی کے لوگ خوش ہو گئے اور ہم سے ہر قسم کے تعاون کا وعدہ کر لیا۔

آبادی سے جنگل کوئی چار پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔



رات کو آبادی کے ایک مسلمان گھرانے کی جانب سے ہمیں کھانے کی دعوت دی گئی جسے سب نے قبول کر لیا۔ رات کو ایک بوڑھا آدمی ہمارے لیے کھانا لے کر آیا۔ جوار کی روٹی ساگ کی بھاجی اور چنے کے لے بیٹھا تھا۔ بوڑھا ہمارے سامنے کھانا رکھ کر کہنے لگا۔

''سرکار ہم تو پہلے ہی سے بے حد غریب تھے اوپر اب شیر نے تو ہمیں بالکل تباہ ہی کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے کچھ محنت مزدوری کر لیتے تھے اور اب تو سارا دن پڑ کر سوتے ہیں۔ اور شام ہوتے ہی آگ جلانے کے انتظامات کرتے ہیں اور پھر تمام رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے۔ آپ یقین کریں اس بستی کے تمام مرد دو سال سے رات میں سوئے نہیں ہیں۔ اس لیے میں آپ کی شان کے مطابق کھانا تیار نہیں کرا سکا ہوں۔ اس وقت جو کچھ میسر تھا وہ پیش کر دیا ہے اور آپ حضرات سے التجا ہے کہ یہ کھانا قبول کر لیں۔''

بوڑھے کی بات سن کر ہم سب کو اس پر رحم آ گیا۔ نواب افتخار علی خان نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''بڑے میاں آپ نہ گھبرائیں۔ آپ کی پریشانی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ ہمارے یہاں آنے کے بعد شیر آپ لوگوں پر حملہ نہ کر سکے گا۔ جہاں تک کھانے کی بات ہے آپ یقین کریں اس قسم کے کھانے کی ہمیں ایک عرصے سے تمنا تھی۔ جو قدرت نے آج آپ کے ہاتھوں پوری کرا دی۔''

اتنا کہہ کر نواب صاحبان نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ کھانا اس قدر خوش ذائقہ تھا کہ ہم سب نے خوراک سے زیادہ کھا لیا۔ زیادہ کھانے کی وجہ سے اور راستے کی تھکان کے باعث ہم سب کو جلدی نیند آ گئی۔

رات کے دس گیارہ بجے تھے کہ اچانک آبادی میں شور اٹھا۔ لوگ گلے پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ ہم لوگ شور سن کر بیدار ہو گئے اور اپنی رائفلیں اٹھا کر شور کی طرف دوڑ پڑے۔ بستی کے درمیان بہت سے لوگ جمع تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک شخص سے شور کی وجہ معلوم کی تو اس نے بتایا کہ شیر ایک شخص کے بچے کو سوتے میں اٹھا کر لے گیا ہے۔ ہم لوگوں نے مل کر کافی شور مچایا لیکن شیر نے منہ پھیر کر بھی ہماری طرف نہیں دیکھا اور وہ بڑے اطمینان سے بچے کو منہ میں دبا کر لے گیا۔ اور ہم دیکھتے رہ گئے۔

میں نے شیر کے جانے کی سمت معلوم کی اور یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا کہ شیر جنگل کی بجائے کھلے میدان کی طرف گیا تھا۔ رات کے وقت شیر کی تلاش میں جانا چونکہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے صبح کا پروگرام بنایا اور وہاں سے قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارے روانہ ہوتے ہی وہ لوگ یک زبان ہو کر ہمارا مذاق اڑانے لگے۔ ایک شخص نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

''اجی کون کسی کے لیے جان دیتا ہے یہ لوگ تو بس تفریح کی خاطر شکار کھیلتے ہیں۔''

دوسرا شخص کہنے لگا۔ ''ارے بھائی برے وقت میں تو کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔ دنیا بس اپنے

مطلب کی ہے۔"

یہ باتیں سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ دل تو چاہا کہ ان سے کہوں کہ ہم نے تمہاری مدد کا کب دعویٰ یا وعدہ کیا تھا لیکن میں نے یہ سوچ کر خاموشی اختیار کر لی کہ نادان لوگ بچے کی ہلاکت سے متاثر ہیں۔ اس لیے ان کی باتوں کا برا نہیں منانا چاہیے۔

نواب افتخار علی نے میرا چہرہ دیکھ کر شاید میرے دل کی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ میرے قریب آکر کہنے لگے۔

"سید صاحب آپ کو ان کی باتیں ناگوار گزری ہیں۔ لیکن یہ بھی سوچئے کہ جس بستی پر شیر نے قیامت توڑ رکھی ہو اس بستی کے لوگوں کی کیا حالت ہوگی؟ یہ لوگ تو بس یہی دیکھ رہے تھے کہ ہم اسی وقت شیر کی تلاش میں کیوں نہیں گئے؟ انھیں کیا معلوم کہ شکار کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ ایک نہ ایک دن یہی لوگ ہمارے لیے زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہوں گے۔" میں نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے سر جھکا کر اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا۔

دوسرے دن صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ اس طرف روانہ ہو گئے جس طرف شیر بچے کو لے گیا تھا۔ شیر کے پنجوں کے نشانات اور خون کے داغ ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ ایک جگہ بہت سا خون پڑا تھا۔ ہم نے وہاں رک کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ لیکن شیر کی موجودگی کے کہیں آثار نہ تھے۔ ہمارے سامنے ایک پہاڑی نما ٹیلا تھا۔ جس پر اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ نواب حمید اللہ خان کی رائے کے مطابق ہم تینوں شکاری ٹیلے کی تین طرف سے علیحدہ علیحدہ چڑھے۔ ٹیلے پر چڑھنے کے بعد ہم سب نے مل کر ایک ایک جھاڑی کا جائزہ لیا لیکن نہ تو کہیں بچے کی لاش دکھائی دی اور نہ ہی شیر کا کہیں پتہ تھا۔ ٹیلے کی دوسری جانب کھیت تھے جو ہمیں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں بھی شیر کے آثار نہ تھے۔

کھیتوں کے اس پار ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ جس میں برسات کا پانی بھرا ہوا تھا۔ ہم نے کھیت پار کر کے تالاب کے چاروں طرف کا جائزہ بھی اچھی طرح لیا۔ وہاں بھی شیر کے پنجوں کے نشانات دکھائی نہیں دیے۔ مجبوراً ہم آبادی کی طرف واپس آ گئے۔

آبادی میں داخل ہوتے ہی ایک عورت کے بین سن کر ہم میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو متاثر اور غمزدہ نہ ہو گیا ہو۔ نواب افتخار علی خان بین سن کر کہنے لگے۔

"ماں کی مامتا میں کس قدر خلوص ہوتا ہے۔ یہ غریب عورت اپنے بچے کو یاد کر کے کس قدر بے قراری سے رو رہی ہے کہ اس کی آواز سن کر دل بیٹھا جاتا ہے کس قدر غمناک اور پر درد آواز ہے۔"

نواب صاحب کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم میں سے ہر شخص سر جھکائے خاموش تھا۔ ہم لوگ تمام رات سو نہ سکے۔ پوری رات ہمیں اس عورت کے رونے کی آواز آتی رہی۔

دوسرے دن صبح سویرے ہم نے ایک موٹا

تازہ بکرا خریدا اور اسے جنگل میں ایک درخت سے بندھوا دیا۔ اور واپس آبادی میں آ گئے۔ شام کے وقت میں بکرے کی خیر خبر لینے جنگل پہنچا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بکرے کی رسی تو درخت میں بندھی ہوئی ہے لیکن بکرے کا کہیں دور دور پتہ نہیں ہے۔ میں بکرے کو تلاش کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ جنگل بے حد گھنا ہونے کے علاوہ جگہ جگہ گہرے گڑھے ہونے کے باعث زیادہ آگے جانا ناممکن تھا۔ میں مجبور ہو کر واپس آ رہا تھا کہ اچانک ایک جگہ میری نظر پڑی جہاں بکرے کے کچھ بال جھاڑی میں الجھے ہوئے تھے اور قریب ہی خون کی بوندیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اس جھاڑی کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ لیکن وہاں نہ تو بکرا تھا اور نہ ہی شیر تھا۔ میں اس جھاڑی کو دیکھنے کے بعد اور ذرا آگے بڑھ گیا۔ اور ایک دوسری جھاڑی کا جائزہ لینے لگا۔ راستہ خراب اور خطرناک ہونے کے باعث مجھے جنگل میں آئے ہوئے کافی دیر گزر گئی جس کا مجھے ذرا بھی احساس نہیں ہوا۔

میرے واپس نہ پہنچنے سے نواب صاحبان پریشان ہو گئے۔ اور وہ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے لیکن بالکل اتفاق کی بات تھی کہ نواب صاحبان جس سمت سے جنگل میں داخل ہوئے تھے میں اس سمت سے واپس ہونے کے بجائے دوسری جانب سے نکل کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔

نواب صاحبان کافی دیر تک مجھے تلاش کرتے رہے اور جب میں انہیں نہیں ملا تو مجبوراً وہ واپس آ گئے۔ وہ جیسے ہی آبادی کی ایک گلی سے گزرے ایک مکان سے ایک عورت تیزی کے ساتھ باہر آئی اور اس نے نواب حمید اللہ خان کے قدموں پر اچانک سر رکھ دیا۔ اور رو رو کر کہنے لگی۔

"خدا کے لیے شیر سے میرے لخت جگر کو بچا لو۔ میں اپنے بچے کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔"

نواب حمید اللہ خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی اور شیر کو ہلاک کرنے کا یقین دلایا۔ لیکن وہ عورت کسی طرح ان کے پیر چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ وہ صرف ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی کہ مجھ سے وعدہ کر لیجیے کہ آپ میرے بچے کو واپس دلا دیں گے۔

نواب حمید اللہ خان سخت پریشان تھے کہ وہ عورت سے غلط بات کا وعدہ کیسے کر لیں۔ اسی کشمکش میں کافی وقت گزر گیا۔ اور میں بے چین ہو کر قیام گاہ سے نکل کر نواب صاحبان کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ اور جب وہاں پہنچا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

آخر نواب افتخار علی خان نے اس عورت کو بازو سے پکڑ کر اسے زمین سے اٹھایا۔ اور اسے تسلیاں دیتے ہوئے اس کے دروازے تک لے گئے۔ اس کے بعد ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے اور رات بھر اس عورت کی حالت پر ترس آتا رہا۔

تیسرے روز ہم نے گاؤں کے لوگوں کو اس بات پر تیار کر لیا کہ وہ ہمارے ساتھ جنگل میں چلیں۔ اور شیر کی تلاش میں مدد کریں۔ صبح سے دوپہر تک گاؤں کے لوگ ہمارے ساتھ جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے لیکن شیر کا کچھ پتہ نہیں

چلا۔ سورج آہستہ آہستہ تھکے ہوئے مسافر کی طرح اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے اور ہوا میں خنکی پیدا ہونے لگی تو گاؤں کے لوگوں نے کہا کہ اب آبادی میں واپس چلیں چونکہ آج کل اندھیری راتیں ہیں اور راستہ بے حد خطرناک ہے۔ اگر ہمیں جنگل ہی میں رات ہو گئی تو پھر آبادی تک پہنچنا ممکن نہیں رہے گا۔

لیکن نواب صاحبان شیر کے ملنے کی امید لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ ابھی اور تلاش جاری رکھنا چاہتے تھے۔ کچھ دیر اور تلاش کے بعد ہم لوگ آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ اونچا نیچا اور جگہ جگہ گھنے ہونے کے باعث بڑی مشکل سے طے ہو رہا تھا۔ گاؤں کے لوگ تو اس راستے پر چلنے کے عادی اور اس کے نشیب و فراز سے آگاہ تھے اس لیے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جا رہے تھے۔ اور ہم ہر قدم بڑی احتیاط سے رکھنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ خدا خدا کر کے ہم آبادی میں پہنچ گئے۔

چوتھے دن نواب افتخار علی خان کی ہدایت کے مطابق جنگل میں ایک اونچے درخت پر مچان تیار کرائی گئی اور رات اسی مچان پر گزارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ سرِ شام ہی ایک بکری اس درخت سے باندھ دی گئی اور ہم لوگ شام ہوتے ہی مچان پر جا بیٹھے۔

مچان کا چونکہ سامان نہ مل سکا تھا۔ اس لیے میں نے ایک چارپائی درخت کی موٹی شاخوں پر رکھوا کر بندھوا دی تھی اور اس پر سیاہ کمبل بچھانے کے بعد اسے چاروں طرف سے درخت کے پتوں اور جھاڑ جھنکاڑ سے چھپا دیا تھا۔

رات کے دو بجے اچانک ایک طرف سے نرم اور بھاری قدموں کی آواز آنے لگی۔ جسے سن کر سب کو شیر کی آمد کا یقین ہو گیا۔ اور سب نے اپنی اپنی رائفلوں کا جائزہ لے کر فائر کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ شیر سامنے کی جھاڑی سے اچانک نکلا اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا بکری کی طرف بڑھا۔ نواب افتخار علی خان نے شیر کا نشانہ لے کر پہلا فائر کر دیا۔ شیر گولی کھا کر پوری قوت سے اچھلا اور کچھ دور زمین پر گر گیا۔ لیکن ایک سیکنڈ بعد ہی وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ اٹھ کر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ بکری شیر کے خوف سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ شیر زخمی ہو کر چونکہ بے حد خطرناک ہو جاتا ہے اس لیے مچان سے اتر کر اس کی تلاش میں جانا خطرناک ہو جاتا ہے اس لیے ہم لوگ تمام رات مچان پر بیٹھے رہے۔ بکری برابر چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔ جس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ شیر اب کہیں آس پاس نہیں ہے۔

صبح ہوتے ہی ہم لوگ مچان سے اتر کر جنگل میں پھیل گئے۔ لیکن کوشش کے باوجود شیر کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ اور ہمیں ایک بار پھر ناکام ہو کر آبادی میں واپس آنا پڑا۔

پانچویں دن آرام کا فیصلہ کیا گیا ہم لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے ابھی ہمیں لیٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک شخص نے آ کر بتایا کہ شیر خون میں نہایا ہوا سامنے والی بستی کے پاس سے گزرا ہے۔ ہم جلدی جلدی اپنی

رائفلیں لے کر اس شخص کے ساتھ اس آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ آبادی مشکل سے دس بارہ مکانات پر مشتمل تھی۔ آبادی کا چکر لگانے کے بعد ہمیں ایک جگہ شیر کے پنجوں کے نشانات دکھائی دیے۔ کہیں کہیں خون کے دھبے بھی تھے۔ ہم ان نشانات کے سہارے جنگل کی طرف بڑھ گئے۔ جنگل کے درمیان ایک خوبصورت مزار تھا۔ پیاس شدت کی لگی ہوئی تھی۔ پانی پینے کے خیال سے ہم مزار کی چار دیواری کے اندر داخل ہو گئے۔ جیسے ہی ہم اندر پہنچے مزار کا ایک بے حد بوڑھا مجاور تیزی سے ہماری طرف بڑھا اور انتہائی اکھڑے انداز میں کہنے لگا۔

"آپ لوگ اپنی رائفلیں مزار کے احاطے سے باہر رکھ کر آئیں۔ رائفلوں کے ساتھ آپ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

ہم نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ مجاور کے چہرے سے ناگواری کے تاثرات عیاں تھے۔ مجبوراً اپنی رائفلیں احاطے سے باہر رکھ دیں اور میں وہاں ان کی حفاظت کے لیے رک گیا۔ نواب صاحب مزار کے اندر پہنچے۔ اور مجاور سے پانی طلب کیا۔ مجاور نے پانی پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟

نواب حمید اللہ خان نے اسے بتایا کہ ایک آدم خور شیر زخمی ہو کر اس طرف آ گیا ہے جو آبادی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ اسی کی تلاش میں اس طرف آئے ہیں۔ مجاور انتہائی غصے کے انداز میں بولا۔

"اس علاقہ میں آپ کسی جانور اور پرندے پر گولی نہیں چلا سکتے۔ یہ پیر حشمت اللہ کا مزار ہے۔ اس علاقہ میں پیر صاحب کا حکم چلتا ہے جو درندہ اس علاقے میں آ جاتا ہے تو اس کی عادت اور خصلت تک تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے پیر صاحب اپنی کرامات کے ذریعہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ اگر گولی چلائیں گے تو اس سے آپ ہی کو نقصان پہنچے گا۔ میں نے یہ سب بتا کر اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔ اور نتائج کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔"

نواب صاحبان نے مجاور کی بات سن کر میری طرف دیکھا اور میں نے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ اور جب یہ صاحبان پانی پی کر میرے پاس آئے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ حضرات اس جاہل کی باتوں میں نہ آئیں۔ یہ سب کھانے کمانے کے چکر ہیں۔ خواہ مخواہ کی باتیں کر کے یہ لوگ دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں۔ تاکہ ان کی باتیں سننے والے ان کی مرضی کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک خونخوار درندے کو جو انسان کو اپنی غذا بناتا ہے تحفظ دیا جائے۔ آیئے جنگل میں پہنچ کر شیر کو تلاش کریں۔" اس کے بعد ہم لوگ جنگل میں پہنچ گئے۔

یہ جنگل مزار کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے درختوں کے درمیان میں جھاڑیاں تھیں۔ ہم لوگ انتہائی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ کچھ ہی دور آگے گئے تھے کہ اچانک

ایک جھاڑی کے اندر سے شیر کے زور زور سے سانس لینے کی آواز آئی۔ میں نے نواب صاحبان کو اشارہ کر کے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور خود ذرا جھک کر جھاڑی کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جھاڑی میں شیر دوسری جانب منہ کیے بیٹھا تھا۔ شیر کی پشت میری طرف تھی۔ سر جھکانے کے باعث اس کے سر کا نشانہ لینا ممکن نہ تھا۔ میں نے نواب حمید اللہ خان سے کہا کہ آپ ذرا کھنکار کریں تاکہ شیر اپنا سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھے۔ میں اسے نشانہ بناؤں گا نواب صاحبان بضد تھے کہ اس علاقہ میں گولی نہیں چلائی جانی چاہیے چونکہ وہ مجاور کے انداز گفتگو سے بے حد متاثر ہو چکے تھے میں نے جب انھیں کسی طرح تعاون کرنے پر آمادہ نہ پایا تو مجبوراً میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اور میں نے شیر کی کمر کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ کارتوس نہیں چلا اور صرف رائفل کے گھوڑے کے گرنے کی آواز پیدا ہوئی جسے سن کر شیر نے اچانک اپنا سر اوپر اٹھایا۔ میں نے گھبرا کر دوسرا فائر کر دیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی میری رائفل کی نالی کے ٹکڑے اڑ گئے اور میں اس کے جھٹکے سے پیچھے جا گرا۔

اور نال کے ٹکڑے لگنے سے شدید زخمی ہو گیا اور پھر مجھے کچھ خبر نہ رہی۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں اپنی قیام گاہ میں لیٹا ہوا تھا۔ اور میرے جسم پر جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر نواب افتخار علی خان جو بے حد پریشان دکھائی دے رہے تھے میرے قریب آ گئے اور میں نے ان سے پوچھا۔

"یہ سب کیا ہے اور کیسے ہو گیا ہے؟"

نواب صاحب نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اچانک میری آنکھوں کے سامنے گولیاں چلانے اور دھماکہ کی آواز پیدا ہونے کا منظر آ گیا۔ اور میں نے نواب صاحب سے کہا کہ "میں نے مجاور کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ واقعی وہ کسی کراماتی بزرگ کا مزار تھا۔ اس لیے میں زخمی ہوا ہوں۔ پتہ نہیں شیر کا کیا بنا؟"

نواب صاحب نے بتایا کہ گولی چلنے کے بعد شیر وہاں سے بڑے اطمینان کے ساتھ اٹھا اور مزار کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بار بار منہ پھیر کر ہم لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہم بمشکل تمام تمہیں وہاں سے اٹھا کر یہاں لے آئے اور اب مالیر کوٹلہ جانے کی تیاری کی جا رہی ہے تاکہ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایا جا سکے۔

اس کے بعد مجھے جیپ کی سیٹ پر لٹا دیا گیا اور ہم لوگ بھوپال واپس پہنچے۔ جہاں ڈاکٹر نے میرے جسم سے نال کے ٹکڑے نکالے اور مرہم پٹی کر دی۔

چار پانچ دن بعد میں اور نواب افتخار علی خان مالیر کوٹلہ واپس آ گئے اور تین چار ماہ تک مجھے چارپائی پر پڑا رہنا پڑا۔ رفتہ رفتہ زخم بھر گئے اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ لیکن آج تک میرے دل و دماغ پر نال پھٹنے کے واقعہ کے اثرات موجود ہیں اور میں اس دن سے ہر مزار کا بے حد احترام کرنے لگا ہوں۔



عید الفطر کی اکیس سنتیں

تحریر...... فدا شاہین بھٹی

خداوند تعالیٰ کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ وہ ہم پر رحمت کی بارش برساتا رہتا ہے اور پھر جونہی یہ مبارک مہینہ ہم سے جدا ہوتا ہے تو فوراً ہمیں روز عید دیکھنے کی خوشی عطا فرماتا ہے۔ عید کا دن بے حد فضیلت والا دن ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے شب عید الفطر کو "لیلۃ الجائزہ" یعنی انعام کی رات قرار دیا ہے۔ یہ رات نیک اور روزہ دار مسلمانوں کو عیدی ملنے کی رات ہے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ عید کا مقصد صرف اچھے اچھے کھانے کھانا پینا اور اچھے اور نئے کپڑے پہن کر گھومنا پھرنا نہیں بلکہ عید کے دن بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور غربا و مساکین، یتیم کو بھی عید کی خوشیوں میں شامل

کرنا چاہیے۔

ہم عید اس طرح منائیں جس طرح ہمارے پیارے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ مناتے تھے۔ عید کی اکیس سنتوں کا تحفہ عید کے موقع پر قارئین "سچی کہانی" کی نذر کرتا ہوں۔

1- عید کے دن حجامت بنوانا۔

2- ناخن تراشنا۔

3- غسل کرنا۔

4- مسواک کرنا۔

5- نیا لباس پہننا اگر نیا نہ ہو تو دھلا ہوا پہن لیں۔

6- عطر یا خوشبو لگانا۔ (اسپرے، سینٹ نہ لگائیں کیونکہ یہ ناپاک ہوتا ہے)

7- انگوٹھی پہننا (جب بھی انگوٹھی پہنیں تو صرف ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کو وہ بھی ایک سے زیادہ نہ ہو اور صرف چاندی کی ہو۔

8- نماز فجر محلہ کی مسجد میں ادا کریں۔

9- عید الفطر کی نماز سے پہلے طاق کی تعداد میں کھجور کھالیں یعنی ایک تین پانچ سات (اگر کھجور میسر نہ ہو تو کوئی اور میٹھی چیز کھالینی چاہیے)

10- نماز عید، عید گاہ میں ادا کریں۔

11- عید گاہ پیدل جائیں۔

12- سواری پر بھی نماز عید کی ادائیگی کے لیے جانے پر کوئی حرج نہیں بلکہ پیدل جانے میں زیادہ فضیلت ہے۔

13- نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا چاہیے۔

14- نماز عید پڑھنے سے پہلے ہر حال میں صدقہ فطرانہ ادا کرنا چاہیے تاکہ غریب، یتیم اور مساکین بھی عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکیں۔

15- عید کے دن خوشی کا اظہار کرنا۔

16- کثرت سے صدقہ دینا۔

17- آپس میں مبارکباد دینا۔

18- عید گاہ کی طرف نیچی نگاہ کیے ہوئے جانا۔

19- بعد نماز عید مصافحہ کرنا اور گلے ملنا۔

20- عید الاضحیٰ تمام احکام میں عید الفطر (یعنی میٹھی عید) کی طرح ہے صرف فرق یہ ہے کہ بڑی عید میں سنت یہ ہے کہ نماز عید کی ادائیگی سے قبل کھایا پیا نہ جائے۔

21- عید الفطر کی نماز کے لیے روانہ ہوتے ہوئے راستے میں جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیر کہیں اور بڑی عید (عید الاضحیٰ) کے لیے جاتے ہوئے اور آتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہیں تکبیر یہ ہے:

"اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔"

ترجمہ:

"اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہیں تمام تعریفیں۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کے صدقے میں ہمیں عید سعید کی خوشیاں سنت طریقے کے مطابق منانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆

دولت حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ کھو دینے والے ایک لالچی شخص کی کہانی

حوس بھری کھوپڑی

تحریر ...... زینب

بادشاہ ہارون رشید کا دور تھا۔ یقیناً آپ لوگ ان کے نام سے واقف تو ہو گئے۔ ہارون رشید نیک ایماندار، پر خلوص اور دل کے سخی تھے۔ انہیں اپنی عوام سے اتنی محبت تھی کہ وہ اکثر رات کی تاریکی میں گشت کرنے نکلتے تھے۔ یہ جاننے کے لیے کہ اس کی عوام میں سے کوئی دکھ درد یا تکلیف میں مبتلا تو نہیں ہے۔

ایک رات انہوں نے دیکھا کہ ایک چوک میں ایک بھکاری بیٹھا بھیک مانگ رہا ہے۔ بادشاہ کو یہ نظارہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور اسے معلوم ہوا کہ اس کی عوام میں کوئی فقیر اور مفلس انسان بھی موجود ہے۔ بادشاہ ہارون رشید نے اسے اشرفیاں دے دیں۔ جب بادشاہ اس فقیر کو اشرفیاں دے کر جانے لگا تو فقیر نے اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔

"اے اجنبی مہربان! جانے سے پہلے یہ جوتا پانچ بار میرے سر پر مار کے جاؤ۔" بادشاہ کو یہ بات سن کر بہت حیرت ہوئی وہ غصے سے بولا۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو ...؟ ایک طرف تو تم لوگوں سے بھیک لے کر انہیں دعائیں دیتے ہو اور دوسری طرف یہ گناہ بھی ان سے کرواتے ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ میں یہ برا کام نہیں کروں گا۔ چھوڑو جانے دو مجھے۔" پھر بادشاہ نے کسی بھی طرح اپنا دامن اس فقیر سے چھڑوایا اور واپس آ گیا۔

صبح کو بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ اس فقیر کو ہمارے سامنے پیش کرو۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور اسے حاضر کیا گیا۔ جب وہ فقیر دربار میں آ گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم جس کسی شخص سے بھی بھیک لیتے ہو اسے پانچ بار اپنے سر پر جوتا مارنے کو کہتے ہو؟" فقیر نے جواب دیا۔

"بادشاہ سلامت! ہاں ... یہ سچ ہے میں ایسا ہی کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں۔" بادشاہ غصے میں آ کر بولا۔

"آخر اس بات کی کیا وجہ ہے تم کھل کر کیوں نہیں بتاتے ...؟" اس نے فقیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بادشاہ سلامت! میں یہ بات نہیں بتانا چاہتا۔" اس کی بات سن کر بادشاہ پہلے سے زیادہ طیش میں آ گیا اور چیخ کر بولا۔

"آخر ایسی کیا مجبوری ہے جو تم مجھے بتانا نہیں چاہتا۔ تم جس خدا کے نام پر مانگتے ہو تمہیں اس کا واسطہ خدا کے لیے یہ کیا ماجرا ہے ... تم بتاؤ ہم جاننا چاہتے ہیں۔" پھر اس فقیر نے کہنا شروع کیا۔

"اگر آپ میری دکھ بھری کہانی سننا چاہتے ہیں تو سنیے۔"



میں کوئی پیدائشی فقیر نہیں ہوں۔ میرا باپ اس ملک کا بہت بڑا سوداگر تھا۔ ان کا نام اسلم بیگ اور میں ان کا بیٹا انور بیگ ہوں۔ میں اپنے باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا تھا۔ دوستوں کے ساتھ عیش کرتا —— شراب پیتا —— جوا کھیلتا —— یہ سب میرے شوق تھے۔ مجھے کسی فائدے یا نقصان کی کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن جب میرا باپ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا تو پھر میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے حالات اتنے خراب ہو گئے کہ فاقوں تک کی نوبت آ گئی۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا۔

''کب تک گھر میں بیٹھے رہو گے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور اب تو گھر کا راشن بھی ختم ہو گیا ہے۔ کئی مہینے گزر گئے ہیں آخر تم کوئی نوکری کیوں نہیں کرتے ——؟'' میں اس کی باتیں سن کر جوش میں آ گیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میری بیوی کی باتوں نے مجھے احساس دلایا اور میں پھر کام کی تلاش میں گھر سے نکل آیا۔ گھر سے باہر آ کر میں نے سوچا۔

''کیوں م اپنے ان دوستوں کے پاس جاؤں جو کبھی میر ن پر عیاشیاں کیا کرتے تھے۔'' میں بڑی شان سے ان کے پاس پہنچا لیکن افسوس کہ کسی نے بھی میری کوئی مدد نہیں کی۔ الٹا مجھے دھکا دے دیا گیا۔

اب میں اپنی روٹی روزی کے لیے بھٹک رہا تھا کہ خدا نے مجھ پر اپنا کرم کیا روزگار مل گیا۔ میں نے جیسے تیسے کر کے ایک اونٹ خریدا اور اپنے اونٹ پر سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا شروع کر دیا۔ پہلے تو میرے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ پھر دو ہوئے پھر دو سے تین ہوئے اور پھر خدا کی رحمت سے کچھ یوں ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے پاس چالیس اونٹ ہو گئے۔ میں روز کی طرح ایک دن سامان چھوڑ کر واپس آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک سفید لباس میں ملبوس ایک بزرگ ملے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا۔

''بیٹا! کہاں جا رہے ہوں؟'' میں نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

''جی میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔'' وہ کہنے لگے۔

''سنو بیٹا! تم یہ سب اپنے بیوی بچوں کے لیے کرتے ہو ناں —— روز روز اتنا طویل سفر کرنا بہت مشکل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی بیوی بچوں سے بہت محبت کرتے ہو۔'' میں نے بڑے خوش باش انداز میں کہا۔

''ہاں جی! یہ بات تو بالکل سچ ہے۔'' ان بزرگ نے کہا۔

''بیٹا! اگر میں تمہیں اس جگہ جاؤں جہاں بہت سارا سونا، ہیرے، جواہرات، ہیرے موتی ہوں تم کیا کرو گے ——؟''

''بابا جی! میں ساری زندگی آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔ ویسے کہاں ہے وہ خزانہ ——؟''

''بیٹا! یہ خزانہ تمہاری آنے والی نسلوں کی نسلیں بیٹھ کر کھائیں گی اور انہیں کوئی کام کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔'' یہ سن کر میں خوشی سے پھول گیا۔

''اچھا بابا جی! چلو اس جگہ پر —— لیکن کیا واقعی کوئی ایسی جگہ بھی ہے ——؟'' بابا جی نے سر ہلا دیا۔ پھر وہ مجھے ایک بہت بڑی چٹان کے پاس لے گئے۔

نہ جانے بابا جی نے دل ہی دل میں کیا پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے چٹان کی سیل کو کھول دیا۔ میں بہت حیرانی سے یہ سب نظارہ دیکھ رہا تھا۔ جب میں اس چٹان کے اندر گیا تو میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں اتنا سارا سونا' چاندی' ہیرے' موتی' جواہرات ---- پھر مجھے خدا پر یقین آ گیا کہ واقعی اوپر والے نے زمین میں بھی خزانے دفن کیے ہوئے ہیں۔ جو ہم انسانوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ یہ سارا خزانہ میں نے اپنے چالیس اونٹوں پر لاد لیا۔ میرے پیر تو جیسے زمین پر ہی نہ تھے میں تو خوشی سے آسمان میں اڑ رہا تھا۔ جلد بازی میں جانے لگا کہ راستے میں مجھے بابا جی نے آواز دی اور کہنے لگے۔

"بیٹا! میں نے تمہیں یہ خزانہ دکھانے سے پہلے کہا تھا کہ ان چالیس اونٹوں میں سے تم مجھے بیس اونٹ دو گے۔" میں اپنی خوشیوں کو پانے کے عالم میں اتنا مدہوش ہو گیا تھا کہ بابا جی کی یہ بات بالکل بھول گیا تھا۔ میں نے ان سے معذرت کی اور بیس اونٹ انہیں دے دیے۔ پھر میں ان سے اجازت لے کر چل دیا۔

ابھی میں کچھ دور ہی چلا تھا تو میں نے سوچا کہ بابا جی کا تو کوئی بھی نہیں ہے وہ ان بیس اونٹوں کا کیا کریں گے۔ الٹے پیر مڑا اور واپس اسی جگہ پہنچ گیا۔ بابا جی ابھی وہیں پر موجود تھے۔ میں نے ان سے کہا۔

"بابا جی! آپ کا تو دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ تو پھر آپ ان اونٹوں کا کیا کریں گے؟ آپ ان میں سے دس اونٹ مجھے دے دیں۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے بیٹا! لے جاؤ اب میرے پاس تیس اونٹ ہو گئے تھے۔ میں اپنے گھر کی طرف چلنے لگا ---- آدھے راستے میں پہنچا تو پھر خیال آیا کہ جب بابا جی نے مجھے دس اونٹ دے دیے ہیں تو باقی کے اونٹوں کا وہ کیا کریں گے ---- ویسے بھی ان کو تو خزانے کا پتہ معلوم ہے۔ وہ جب چاہیں گے خزانہ لے سکتے ہیں۔ اسی خیال کے ساتھ میں پھر واپس پہنچا۔ اتفاق سے بابا جی ابھی تک اسی جگہ موجود تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"بابا جی! آپ ان باقی دس اونٹوں کا بھی کیا کریں گے کیونکہ آپ کے پاس تو خزانے کا راز موجود ہے آپ کو تو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ آپ جب چاہیں گے وہاں سے خزانہ لے سکتے ہیں۔"

انہوں نے جواب میں سر ہلا دیا میں سمجھ گیا کہ وہ اونٹ دینے کے لیے راضی ہو چکے ہیں۔ میں خوشی خوشی اپنے چالیس اونٹ لے کر واپس آ رہا تھا کہ اچانک میرے دماغ میں ایک خیال آیا اور بابا جی کی بتائی ہوئی ایک بات یاد آ گئی۔ جو انہوں نے خزانے حاصل کرنے کے بعد مجھے بتائی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ۔

"ان کے پاس ایک ایسی ڈبیہ موجود ہے جس کا سرمہ ایک آنکھ میں لگانے سے زمین میں دفن تمام خزانے دکھائی دیتے ہیں۔" میں قدم بڑھاتا ہوا جلدی سے ان کے پاس پہنچا۔ بابا جی اسی چٹان کے آس پاس موجود تھے۔ مجھے یوں لگا جیسے کہ وہ میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ بابا جی سے کس طرح کہوں ---- پھر اتنے میں انہوں نے خود ہی پوچھا۔

"کیا ہوا بیٹا! اب کیا لینے آئے ہو ----؟"

"و ---- وہ بابا جی! میں دراصل بات یہ ہے

کہ۔۔۔“

”دیکھو بیٹا! جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو کیا بات ہے۔۔۔؟“ پھر میں نے اپنا ادھورا جملہ مکمل کیا۔

”باباجی! آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پاس ایسی ڈبیہ بھی ہے جس کا سرمہ ایک آنکھ میں لگانے سے تمام زمین میں دفن خزانے نظر آتے ہیں۔“

”تو کیا تمہیں وہ ڈبیہ بھی چاہیے۔۔۔؟“ باباجی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ ویسے بھی آپ سے زیادہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اسی لیے تو میں آپ سے یہ ڈبیا مانگنے آیا ہوں۔“

”ٹھیک ہے بیٹا! یہ بھی لے جاؤ۔ لیکن خیال رکھنا اس کا سرمہ صرف ایک آنکھ میں ہی لگانا دونوں آنکھوں میں لگاؤ گے تو اندھے ہو جاؤ گے اور اس اندھے پن کا علاج بھی ناممکن ہے۔“

آخر کار میں نے ان کی یہ بات مان لی اور پھر اجازت لے کر اپنے راستے پر چل دیا۔ کچھ دور چلا تو میں نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا تو باباجی اپنی جگہ سے غائب تھے۔ میں نے سوچا شاید باباجی مجھے سب خزانہ دینے کے لیے آئے تھے۔ کتنے عظیم اور نیک بزرگ تھے۔ میرے دماغ میں پھر یہ وسوسہ آیا کہ میں ڈبیہ نکال کر سرمہ لگاؤں تاکہ زمین میں دفن خزانہ کیسا ہوتا ہے یہ دیکھ سکوں۔ پھر میں نے اسی طرح سے ایک آنکھ میں سرمہ لگایا تو آس پاس زمین میں جو خزانے دفن تھے وہ مجھے نظر آنے لگے۔۔۔ پھر میں نے سوچا کہ جب ایک آنکھ میں سرمہ لگانے سے اتنے سارے خزانہ دکھائی دے رہا ہے تو اگر دوسری آنکھ میں بھی لگا لوں تو کتنے سارے نظر آئیں گے۔۔۔ میرے ضمیر نے مجھے ملامت کیا کہ میں ایسا ہرگز نہ کروں کیونکہ باباجی نے تاکید کی تھی۔ لیکن میں نے دماغ کی بات مانی اور دوسری آنکھ میں بھی سرمہ لگا لیا۔۔۔ جیسے ہی میں نے سرمہ لگایا کہ اچانک کوئی تیز روشنی میری آنکھوں کی بینائی لے گئی اور یوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھا ہو گیا اور اس طرح وہ ڈبیہ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ چالیس اونٹ بھی نہ جانے کہاں چلے گئے۔۔۔ پھر وہاں میں اکیلا ہی کئی دن تک ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ اچانک وہاں سے کسی قافلے کا گزر ہوا تو انہوں نے ہی مجھے میرے گھر تک پہنچایا۔ اس دن سے میں اپنے آپ کو کوستا ہوں اور اس ہوس بھرے دماغ کو سزا دلاتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہوس کی کھوپڑی ہے نہ کبھی بھری ہے اور نہ ہی کبھی بھرے گی۔

بادشاہ ہارون رشید کو یہ درد بھری کہانی سن کر بہت افسوس اور دکھ ہوا۔ پھر بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ۔

”آج کے بعد تم کبھی بھیک نہیں مانگو گے۔ ہماری طرف سے تمہارے لیے ہر مہینے کا وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری کہانی سن کر ان نوجوانوں کو بھی عقل آ جائے گی جو کہ صرف دماغ سے کام لیتے ہیں اور اپنے دل کی بات نہیں مانتے۔ یہ سبق دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے جو دولت کو ہی اپنا مائی باپ سمجھتے ہیں۔

میری ان سب لوگوں سے درخواست ہے کہ دولت کمائیں ضرور لیکن پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے نہ بھاگیں پلیز ذرا سوچیے۔

☆☆

نئے لکھنے والوں کے لیے خوشخبری

آپ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں —— لکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہے ہیں —— اپنے دل کی آواز دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں یا دوسرے رسائل و ڈائجسٹ سے مایوس ہو چکے ہیں۔ گھبرائیے نہیں! آپ کی تحریروں کے لیے "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے دروازے کھلے ہیں۔ ہم آپ کی تحریر کی نوک پلک درست کر کے شائع کریں گے۔ آپ اپنی تحریر خوشخط اور ایک صفحہ چھوڑ کر لکھیں تاکہ پڑھنے اور اصلاح کرنے میں آسانی رہے۔ آپ کی تحریر خوفناک ہونی چاہیے۔

ماہنامہ سچی کہانی لاہور' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
موبائل نمبر 0314-4008530



......نورین تبسم

بعض لوگوں کو خدا نے صرف دوسروں کے مفاد کے لئے پیدا کیا ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد دوسروں کو خوشیاں بانٹنا ہوتا ہے۔ دوسرے چاہے انہیں صلہ دیں یا نہ دیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی کہانی آپ کی نظر کر رہی ہوں۔ ہر کسی کے لئے خوشیاں خریدنا اس کی زندگی کا اولین فرض تھا۔ مگر خود اس کی روح کتنی گھائل تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

خدا بخش اپنے گاؤں میں سب سے زیادہ زمینوں کا مالک تھا۔ اور جائیداد کا اکلوتا وارث تھا۔ ایک بہن تھی اس کو بھی بیاہ کر اپنے گھر کا کر دیا۔ خدا بخش کی شادی بھی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ ہر ماں باپ کی طرح خدا بخش کے والدین کی بھی خواہش تھی کہ ان کے پوتے پوتیاں ہوں۔ جنہیں پیار سے کھلاتے ہوئے ان کے بڑھاپے کے دن سکون سے گزریں۔ گاؤں کا ہر فرد خدا بخش کی تعریف کرتا۔ گاؤں میں کوئی ایسا ضرورت مند نہ تھا۔ جس کی ضرورت خدا بخش نے پوری نہ کی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ہر کوئی خدا بخش کو خود سے زیادہ چاہتا۔ اور اس کی عزت کرتا۔ خدا بخش کی شادی کو دس ماہ گزر گئے اور وہ باپ بننے والا تھا۔ گاؤں کا ہر فرد خدا بخش کے لئے دعا گو تھا کہ رب ذوالجلال اسے بیٹے جیسی عظیم نعمت سے نوازے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا ہمیشہ امتحان لیتا ہے۔ خدا بخش کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ تو اس نے بہت خوشی کی۔ وہ بیٹی کو خدا کی رحمت سمجھتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے دو اور بیٹیوں سے نوازا تیسری بیٹی کی پیدائش پر بھی وہ اتنا ہی خوش تھا۔ جتنا پہلی بیٹی کے ہونے پر ہوا تھا۔ اس کی بیوی سکینہ پریشان ہوتی تو اسے تسلی دیتا۔ اور کہتا یہ سب کچھ جو مجھے میرے رب نے دیا ہے۔ یہ ان ننھی پریوں کی بدولت ہی تو ہے۔ بس سکینہ دعا کیا کرو۔ مجھے اپنے خالق حقیقی سے پوری امید ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ مجھے بیٹے جیسی نعمت سے بھی نوازے گا۔

شادی کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے خدا بخش کی دعا سن لی۔ اور اس کے ہاں چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ جب یہ خبر گاؤں والوں تک پہنچی۔ تو پورے گاؤں میں جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ آج خدا بخش



کی جھولی خدا تعالیٰ نے خوشیوں سے بھر دی۔ خدا بخش سارا دن لوگوں سے مبارکباد لیتا رہا۔ جب ذرا فرصت ملی تو سکینہ کے پاس گیا۔ اور جب اپنی ننھی سی جان کو گود میں اٹھایا۔ تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ سکینہ نے پوچھا اس خوشی کے موقع پر آپ کی آنکھوں میں آنسو۔ تو خدا بخش آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔ سکینہ یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ سکینہ یاد رکھنا یہ میرے گھر کا وہ چراغ ہے جو ہمارے گھر کو روشن کر دے گا۔ سکینہ یہی تو ہے وہ جو میرے خوابوں میں آتا تھا۔

خدا بخش نے بیٹے کا نام محمد سعید رکھا۔ سعید پیدا ہوا تو سارا گھر خوشیوں سے بھر گیا۔ والدی ہر وقت سعید کو اپنی گود میں بٹھائے رکھتی۔ سعید والد اور والدی کی آنکھوں کا نور، ماں باپ کے دل کا سکون اور بہنوں کے لئے ایک انمول تحفہ تھا۔ سعید چھ ماہ کا ہوا تو اس کی معصوم شرارتیں ہر ایک کا دل بہلاتیں۔ بہنیں اپنے شہزادے کے ناز اٹھاتیں۔ اور جب وہ چلنے لگا۔ تو اپنے دوپٹے اس کے ننھے ننھے پیروں تلے بچھا دیتیں کہ کہیں اس کے پاؤں کو مٹی نہ لگ جائے۔ سکینہ ایک پل سعید کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ سعید کی پیدائش کے تقریباً دو سال بعد اللہ تعالیٰ نے خدا بخش کو ایک اور بیٹے سے نوازا۔ بہنوں نے دوسرے بھائی کی آمد پر بہت خوشی کی۔ اور اس کا

باہم افضل رکھا۔

خدا بخش کو گاؤں میں زمینوں کی فکر نہ تھی۔ کیونکہ زمینوں پر کام کرنے والے ہر فرد کو وہ اپنا سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سب لوگ اس سے پورا پورا تعاون کرتے تھے۔ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لئے خدا بخش نے شہر میں فیکٹری لگا رکھی تھی۔ اس لئے اسے ہر روز شہر جانا پڑتا۔ خدا بخش کو اب کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

بیٹوں کی کمی تھی سو وہ بھی خدا نے پوری کردی۔ شہر میں خدا بخش کا کاروبار دن بدن وسیع ہوتا گیا۔ کاروبار کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے شہر منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ اور چند ماہ کے اندر بیوی بچوں سمیت شہر منتقل ہوگیا۔ شہر آکر خدا بخش کے ہاں تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ یوں ان کا کنبہ پانچ بیٹیوں اور پانچ بیٹوں پر مشتمل ہوگیا۔ خدا بخش کے والدین گاؤں میں ہی رہے۔ خدا بخش نے بہت زور لگایا کہ کسی صورت وہ شہر آجائیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ دراصل وہ اپنے بزرگوں کی نشانی کو کسی صورت چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔

خدا بخش کو شہر سیٹ ہونے میں زیادہ مشکل پیش نہ آئی۔ شہر میں رہتے ہوئے وہ خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔ اچھا پہننا اور اچھا کھانا ان کا خاندانی شیوا تھا۔ خدا بخش نے سکینہ کو کہہ رکھا تھا کہ ہمارے دروازے سے کوئی سوالی خالی نہ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت زیادہ دیا۔ خدا بخش پانچ وقت نماز پڑھتا اور اپنے رب ذوالجلال کا شکر ادا کرتا۔

ایک دن خدا بخش گھر آیا تو کافی تھک چکا تھا۔

بوڑھے باپ کو اس طرح دیکھ کر سعید نے فیصلہ کیا کہ وہ کل سے کالج نہیں باپ کے ساتھ فیکٹری جائے گا۔ سعید نے کام میں اس طرح دلچسپی لی کہ چند ہی دنوں میں کام کو سمجھنے لگا۔ خدا بخش اس طرح سعید کی کام میں لگن دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ دو سال کا عرصہ گزرنے کے بعد سعید اپنے کام کو اچھے طریقے سے ڈیل کرنے لگا۔ ایک دن سعید باپ سے کہنے لگا۔ ابا جان اب آپ گھر پر آرام کیا کریں۔ میں خود سارا کام سنبھال لوں گا۔ مگر خدا بخش نہ مانا اور کہنے لگا۔ بیٹے میں گھر بیٹھ کر بور ہوجاؤں گا۔ فیکٹری آتا ہوں تو کام کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ بیٹے تمہارے ہوتے ہوئے مجھے بھلا کس چیز کی فکر ہے اگر تم کہتے ہو کہ میں کام نہ کروں۔ تو ٹھیک ہے میں فیکٹری آکر بیٹھ جایا کروں گا۔

اس دن تو خدا بخش کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب سعید نے کہا۔ ابا جان کیوں نہ باجی ذکیہ اور صفیہ کی شادی کردیں۔ یہ بات اپنی بیوی سکینہ کو بتاتے ہوئے خدا بخش نے کہا۔ سکینہ آج میرے سارے بچے پورے ہوگئے ہیں۔ آج میں اتنا خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔ آج میرے سعید نے باپ بن کر بہنوں کے بارے میں سوچا ہے۔

دونوں بڑی بہنوں کی شادی سعید نے بڑی دھوم دھام سے کی اور انہیں جہیز میں ضروریات زندگی کی تمام چیزیں دیں۔ بڑی بہنوں کی شادی سے تقریباً چھ ماہ بعد اچھا رشتہ ملنے پر تیسری بڑی بہن کی بھی منگنی کردی۔ اور پھر وہ مقدروں

والا دن بھی آن پہنچا جب ثریا بھی اپنے پیا گھر چلی گئی۔ ایک دن باپ کو پریشان دیکھ کر سعید نے پوچھا ابا جان کیا بات ہے۔ آپ پریشان کیوں ہیں۔ تو خدا بخش نے کہا۔ بیٹے ثریا بھی اپنے گھر چلی گئی ہے۔ اب تو یہ گھر خالی سا لگنے لگا ہے۔ انہی دنوں افضل بھی تعلیم چھوڑ کر بھائی کے ساتھ فیکٹری جانے لگا۔

ایک دن خدا بخش نے سعید کو پاس بٹھایا اور کہا۔ بیٹے میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ جی ابا جان پوچھیے۔ سعید نے بڑے احترام سے کہا۔ تو خدا بخش کہنے لگا بیٹے میں ان والدین میں سے نہیں ہوں جو اولاد کی تقدیر کا فیصلہ ان سے پوچھے بغیر کر دیتے ہیں۔ بیٹے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔ تو بہن سے بانو کو تمہارے لئے مانگ لوں۔ تو سعید نے بڑے مہذب انداز میں کہا۔ ابا جان میری خوشی تو آپ کی خوشی سے منسلک ہے۔ آپ میرے بارے میں جو بھی سوچیں گے بہتر ہی ہوگا۔ سعید کی بات سن کر خدا بخش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ شاباش بیٹے۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔

خدا بخش بہن کے گھر رشتہ لینے گیا تو بہن نے خوشی سے ہاں کر دی اور پھر ایک ماہ بعد سعید کی منگنی بانو سے ہو گئی۔ منگنی سے تقریباً ایک سال بعد سعید اور بانو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ شادی کے بعد کچھ دن تو ٹھیک ٹھاک گزرے۔ مگر بعد میں پھر وہی ساس بہو کی لڑائی شروع ہو گئی۔ کیونکہ سکینہ کو اپنی بہو سے خدا واسطے کا ویر تھا۔ اس لئے وہ اسے کسی صورت برداشت نہ کرتی۔

سکینہ بانو کے ہر کام میں کیڑے نکالتی۔ بانو کی نندیں بھی اسے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتیں۔ اس کے باوجود بانو کسی سے کچھ نہ کہتی۔ بس تنہائی میں رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔

ہر شام سعید جب تھکا ہوا گھر آتا۔ تو ماں بانو کی شکایتیں کرتی۔ جب وہ بانو کے پاس جاتا تو وہ الگ روتی۔ سعید کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ اسے کسی پل سکون نہ ملتا۔ وہ ہر وقت سوچوں کی دنیا میں گم رہتا۔ زندگی کے دن یونہی گزرتے رہے۔ ایک سال بعد سعید کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ مگر وہ پیدا ہوتے ہی فوت ہو گیا۔ دکھ تو ہر کسی کو تھا۔ مگر خدا بخش نے پوتے کی وفات کا کچھ زیادہ ہی اثر لیا۔ دوسرے یہ کہ اگر بیٹا زندہ ہوتا۔ تو شاید بانو کی بھی قدر بڑھ جاتی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہوتا تو وہی ہوتا ہے جو کاتب تقدیر نے لکھا ہو۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد سعید کے ہاں ایک اور بچہ پیدا ہوا۔ جو صرف چند گھنٹے زندہ رہا۔ دکھوں کے ان کٹھن لمحات میں بھی سکینہ کسی صورت بانو کے زخمی دل کو سکون نہ ملنے دیتی۔ طرح طرح کے جملے کستی۔ اور بانو کو منحوس کے نام سے پکارتی۔ مگر بانو پھر بھی اف تک نہ کرتی۔

وقت گزرتا گیا۔ ایک دفعہ بانو پھر امید سے ہو گئی۔ سعید بانو سے یہی کہتا کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو۔ وہ بہت مہربان ہے۔ ہماری دعا ضرور سنے گا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا۔ جب سعید کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ اور سعید کے ہاں تیسرا بیٹا پیدا ہوا جو کافی صحت مند اور خوبصورت تھا۔

بابا نے اس کا نام ذیشان رکھا۔ ذیشان تمام گھر والوں کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ خدا بخش ہر وقت پوتے کو کھلاتا رہتا۔ سعید شام کو جب فیکٹری سے گھر آتا تو ذیشان کو دیکھ کر اس کی ساری تھکن اتر جاتی۔ ذیشان آٹھ ماہ کا ہو گیا۔ مگر عام بچوں کی طرح نہ تو کوئی شرارت کرتا اور نہ ہی کچھ سنتا بولتا۔ ڈاکٹر کو چیک کرایا تو اس نے کہا کہ یہ پیدائشی سننے بولنے سے محروم ہے۔ ڈاکٹر سے تفصیل سننے کے بعد سعید کے دل پہ کیا گزری اسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ پھر تقریباً چار سال کے عرصہ میں سعید کے ہاں تین اور بچے پیدا ہوئے۔ جن میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں۔ جن میں سے صرف ایک لڑکی زندہ رہی۔ اور جو زندہ بچی وہ بھی گونگی بہری تھی۔ ویسے چلنے پھرنے میں ٹھیک ٹھاک تھی۔ خدا بخش سے سعید کی حالت دیکھی نہ جاتی۔ ایک رات 10 بجے کے قریب خدا بخش کو دل کا دورہ پڑا۔ سعید نے فوری ڈاکٹر کو بلایا۔ فوری طبی امداد ملنے سے خدا بخش کی بگڑتی حالت پر کنٹرول کر لیا گیا۔ اور وہ صحت یاب ہو گیا۔ مگر ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ دوسری دفعہ اٹیک ہوا۔ اس دفعہ اتنا شدید تھا کہ ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی خدا بخش فوت ہو گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر چیخوں سے گونج اٹھا۔ سکینہ بی بی پر بار بار غشی طاری ہو جاتی۔ لڑکیوں نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ ایک سعید تھا جو ہر ایک کو سہارا دے رہا تھا۔ بہنوں کو تسلی دیتا۔ بھائیوں کو حوصلہ کی تلقین کرتا۔ باپ کی وفات کے بعد سعید نے بہن بھائیوں کی باپ بن کر پرورش کی۔ انہیں ہر طرح سے خوش رکھا۔ سعید اور افضل فیکٹری چلا رہے تھے۔ سعید نے چھوٹی دونوں بہنوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ اور انہیں ضروریات زندگی کی ہر چیز دی۔ سعید ہر کسی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔ مگر خود اس کا دل اندر سے کتنا گھائل تھا۔ یہ سکینہ یعنی سعید کی ماں کے علاوہ کوئی نہ جان سکا۔ بہنیں اپنے گھر کی ہو گئیں تو سعید نے افضل کو علیحدہ فیکٹری بنا دی۔ اور افضل سے چھوٹے اشرف کو جو ان دنوں ایف۔ اے کا امتحان دینے کے بعد فارغ ہوا تھا اپنے ساتھ فیکٹری لے آیا تاکہ وہ بھی کام کو سمجھنے لگے۔ چھوٹے دونوں بھائی عارف اور آصف ابھی میٹرک میں پڑھ رہے تھے۔

سعید نے جب دیکھا کہ افضل اپنی فیکٹری میں مکمل طور پر سیٹ ہو گیا ہے۔ تو اس کی شادی کر دی۔ شادی کے تقریباً گیارہ ماہ بعد افضل کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ تو سعید نے بہت خوشی کی دیگیں پکوائیں۔ مٹھائی تقسیم کی وہ بہت خوش تھا کہ اس کے بھائی کو خدا نے بیٹے سے نوازا ہے۔ خوشی تو بانو کو بھی کم نہ تھی۔ مگر بانو نے ہوش ملا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ سعید کے پوچھنے پر وہ کہنے لگی۔ سعید میں بھی کتنی بد نصیب ہوں۔ 6 بچوں کو جنم دیا۔ مگر کوئی بھی مجھے ماں نہ کہہ سکا۔ سعید کیا تمہارا دل نہیں چاہتا ہے کہ کوئی تمہیں ابو کہہ کر پکارے۔ بانو کی بات سن کر سعید کی بھی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے کہنے لگا۔ بانو مجھے امید ہے کہ ہمارا بیٹا ضرور بولے گا۔

بس تم خدا سے دعا کیا کرو۔

دس سال کے عرصہ میں سعید نے اپنے تمام بھائیوں کو علیحدہ کاروبار بنا دیا۔ اور ان کی شادیاں کرویں۔ سعید کو اپنے بھائیوں کی بیویوں نے کہا کہ ہمیں علیحدہ رہنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھابھی کا سایہ ہمارے آنے والے بچوں پر پڑے۔ چھوٹے بھائی بیویوں کے ہاتھوں مجبور ہو گئے۔ عارف اور آصف کی سب سے زیادہ خوشی بانو کو ہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بانو نے تین ماہ تک اپنی دیورانیوں کو کام کو ہاتھ تک نہ لگنے دیا۔ وہ ان کے ناز اٹھاتی۔ سعید کو بھی بہت امید تھی کہ عارف اور آصف اس کا ساتھ دیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا اور وہ شادی سے چند ماہ بعد علیحدہ ہو گئے۔ سعید کے احساس کو ٹھیس پہنچی مگر اس نے کوئی شکوہ نہ کیا۔ اس نے تو اپنے بھائیوں کو سب کچھ دیا۔ جائیداد تک بھائیوں کے نام کر دی۔ سعید نے تو ہر کسی سے بھلائی کی۔ مگر سب نے اس کا دل توڑا، اسے چھوڑ دیا۔ وہ اکثر راتوں کو جاگتا رہتا۔ اور سوچتا کہ میں بھی کیسا انسان ہوں۔ بھلا ساری عمر سایوں کے پیچھے بھاگتا رہا۔ وہ سائے جو وقت پڑنے پر انسان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

افضل علیحدہ ہونے کے باوجود سعید کا خیال رکھتا۔ افضل پہلے دو بیٹوں کا باپ تھا۔ پھر خدا نے اسے دو جڑواں بیٹوں سے نوازا۔ تو ماں نے کہا۔ افضل بیٹے تمہارا بھائی بہت دکھی ہے۔ کتنا اچھا ہو اگر تم ایک بیٹا بھائی کی جھولی میں ڈال دو۔ افضل بیٹے خود ہی سوچو جب تمہارا بیٹا تمہیں ابو کہہ کر پکارتا ہے۔ تو تمہیں کتنی خوشی ہوتی ہے۔ بیٹے سعید اس خوشی سے محروم ہے۔ افضل کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔ ٹھیک ہے امی جان! جیسے آپ کی خوشی۔ پھر افضل نے اپنی ننھی سی جان سنی کو اٹھایا اور بھابھی کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا۔ بھابھی جان سنی آج سے آپ کا بیٹا ہے اور آپ ہی اس کی ماں ہیں۔ جب افضل نے سنی کو بھابھی کی جھولی میں ڈالا تو بانو کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور وہ سعید کو آواز دے کر کہنے لگی سعید دیکھئے ہمارا بیٹا کتنا خوبصورت ہے۔ سعید یہ تمہیں ابو کہہ کر پکارے گا۔ پھر سعید نے سنی کو گود میں اٹھایا اور اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھو بانو، افضل، امی جی! آپ بھی دیکھئے نا۔ سنی میرا بیٹا ہے میرے گھر کا وہ چراغ ہے جو میرے گھر کو روشن کرے گا۔ سعید کو اس قدر خوش دیکھ کر بلقیس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ کہنے لگی۔ بیٹے ایسی ہی خوشی تمہارے باپ کو تمہارے اس دنیا میں آنے پر ہوئی تھی۔ ایسے ہی تمہارے باپ نے تمہیں گود میں اٹھا کر کہا تھا۔ بلقیس کیا وہ میرے گھر کا چراغ ہے۔ جس سے میرا گھر جگمگا اٹھے گا۔

یقین نہیں آتا

......ارشاد العصر

میں دوست کی عیادت کرنے کے بعد جنرل وارڈ سے باہر نکلا۔ ابھی میں گیلری میں چند قدم ہی چل پایا تھا کہ ایک کمرے سے مجھے کسی کے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ میرے قدم اس کمرے کے سامنے رک گئے۔

"مجھے مرنے دو، مجھے نہیں جینا" آواز کسی لڑکی کی تھی۔ اس اسپیشل کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے کمرے کے اندر جھانکا بیڈ پر ایک بہت معصوم اور انتہائی خوبصورت لڑکی بے چینی سے تڑپ رہی تھی۔ عمر اس کی یہی کوئی اٹھارہ انیس برس کے قریب ہوگی۔ اس لڑکی کو ایک نرس اور ایک بوڑھی خاتون تسلیاں دینے میں مصروف تھیں۔ بزرگ خاتون لباس اور شکل و صورت سے ملازمہ دکھائی دے رہی تھی جبکہ لڑکی نے بہت عمدہ اور قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ اخلاقاً مجھے اندر نہیں جانا چاہئے تھا۔ مگر میرے تجسس نے مجھے اندر داخل ہونے پر اکسایا لڑکی ابھی بہت کم سن تھی اور ابھی سے جینے کی تمنا چھوڑ کر مرنے کی آرزو کرنے لگی تھی۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ یہی وہ تجسس تھا جس کی وجہ سے میں اندر داخل ہو گیا۔

"کون ہو تم، اندر کیوں آئے ہو، نکل جاؤ اس کمرے سے۔" لڑکی نے مجھے دیکھتے ہی چیخ کر کہا۔

"اچھی لڑکی! تمہیں کیا غم ہے جو تم اس طرح مرنے کی تمنا کر رہی ہو۔؟" میں نے بہت نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔ "تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔" لڑکی بدستور چیختے ہوئے بولی۔

"میں کسی کے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے جو بھی انسان غمزدہ نظر آتا ہے میں اس کے غم میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔" میں نے بدستور نرم لہجے میں اس سے کہا۔

"جھوٹ بولتے ہو، جھوٹے ہو تم" لڑکی نے بدستور چیختے ہوئے کہا۔

"آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں" نرس نے مجھ سے کہا۔

"میں اپنی اس سسٹر کا غم شیئر کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ آپ خاموش رہیں پلیز۔" میں نے نرس سے کہا۔

"بکواس کرتے ہو میں تمہاری سسٹر نہیں ہوں" لڑکی نے مجھ سے کہا۔

"اچھی بہن ..... اب تو تمہیں بہن کہہ دیا ہے۔ اب مجھے بتاؤ تمہیں کیا غم ہے؟" میں نے



اس مرتبہ بھی نہایت نرم لہجے میں کہا تھا۔ "ترکی کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے رائٹر بنایا ہے اس حیثیت سے میرا فرض ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی انسان دکھی ہو میں اس کے دکھ میں شریک ہو جاؤں۔ میرا نام ارشاد ہے اور میں دکھی لوگوں کی داستانیں مختلف رسائل میں لکھتا ہوں۔" میں

نے کہا تو اس لڑکی نے پہلی مرتبہ غور سے دیکھا وہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک طویل سانس لیا۔

"اچھا تو تم ارشاد ہو۔ میں نے تمہاری چند ایک کہانیاں پڑھی ہیں۔" پہلی مرتبہ اس کا لہجہ کچھ نرم تھا۔ میں نے بھی اس لہجے پر دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ جبکہ بزرگ خاتون اور نرس بھی ایک دم مطمئن نظر آنے لگیں۔

"ہاں مرنے سے پہلے تمہیں اپنی داستان سنانا چاہتی ہے۔ تاکہ تم دنیا کو میری عبرت ناک زندگی اور مرنے کی وجہ بتا سکو۔" چند لمحے سوچنے کے بعد لڑکی نے کہا۔

"خدا نہ کرے تمہیں موت آئے۔ تمہیں تو ابھی بہت زندگی گزارنی ہے۔"

"میری داستان سننے کے بعد تم خود کہو گے۔ موت کی خواہش کرنے میں میں حق بجانب ہوں۔" "نہیں، موت کی خواہش کسی بھی صورت میں نہیں کرنی چاہئے۔" میں نے اس سے کہا میری بات پر وہ چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "میرا نام شائستہ ہے۔" یہ کہہ کر وہ پھر خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے بزرگ خاتون اور نرس کو دیکھا۔

"آپ دونوں پلیز کچھ دیر کے لئے یہاں سے چلی جائیں۔" اس نے دونوں کو حکم دیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر میری طرف دیکھا۔

"آپ مطمئن رہیں۔" میں نے ان دونوں کو تسلی دی۔

"ہماری غیر موجودگی میں کہیں یہ زندگی سے ہاتھ دھونے کی کوشش نہ کرے۔" نرس نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اب یہ کم از کم میری موجودگی میں یہ ایسا نہیں کر سکتیں۔" میں نے انہیں تسلی دی۔ وہ غیر مطمئن سے انداز میں باہر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے چند لمحوں بعد شائستہ نے اٹھ کر دروازے سے باہر جھانکا اور واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ دروازہ اب بھی اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

ارشاد بھائی! میں سونے کا چمچہ منہ میں لیکر پیدا ہوئی تھی۔ میری پیدائش پر سب لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں۔ میری امی نے میرا نام شائستہ رکھا تھا۔ امی مجھے بہت چاہتی تھیں میں آہستہ آہستہ بڑی ہونے لگی۔ کیونکہ امیر باپ کی بیٹی تھی اس لئے ہر فرمائش اور خواہش فوراً پوری کر دی جاتی۔ ابھی میں آٹھ سال کی تھی کہ امی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ میری دنیا اندھیر ہو گئی کیونکہ امی ہی مجھے سب سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔ ویسے تو میرے پیدا ہوتے ہی ابو نے میرے لئے ایک آیا کا بندوبست کر دیا تھا مگر اس کے باوجود میرے اکثر کام امی خود اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ خاص طور پر کھانا تو وہ اپنے ہاتھوں سے مجھے کھلاتی تھیں۔ امی کی وفات کے

بعد ابو نے میرا خاص خیال رکھنا شروع کر دیا۔ ابو بھی پہلے سے زیادہ وقت مجھے دینے لگے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا۔ ابو کی کاروباری مصروفیات بھی بڑھ رہی تھیں اس لیے اب وہ زیادہ وقت باہر گزارتے تھے۔ جب وہ گھر واپس آتے تو بہت تھکے ہوئے ہوتے۔ جب وہ سونے لگتے تو میں ان کے پاس [illegible] وقت گزارنے کا احساس بھی [illegible] ہو گئی۔ میں نے [illegible] اور [illegible] میں پاس کیا تھا۔ ابو اب بھی [illegible] رہتے تھے۔ میرا معمول وہی تھا جیسے ہی [illegible] پہنچتے میں ان کے پاس بیٹھ جاتی اور جب [illegible] نیند آ جاتی تو میں اپنے کمرے میں آ کر سو جاتی۔

کچھ دنوں سے ابو بہت بے چین نظر آ رہے تھے۔ وہ بے چین نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے مجھے بھی بے چین نظروں سے دیکھتے۔ میں نے کئی مرتبہ ان سے بے چینی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کاروباری مصروفیات کا کہا۔ یہ سن کر میں خاموش ہو جاتی۔ ایک رات کو وہ واپس آئے تو میں معمول کے مطابق ان کے کمرے میں آ گئی۔ شائستہ فریج سے دو بوتلیں کوکا کولا کی نکال لیں۔ انہوں نے اپنی الماری کھولی اور اس میں سے ایک سرخ بوتل نکال لی۔ انہوں نے اس بوتل میں سے کچھ شربت گلاسوں میں ملایا پھر کوکا کولا کی بوتلیں ان میں انڈیل دیں۔ "لو پیو" انہوں نے مجھ سے کہا اس وقت بھی ان کی آنکھوں میں عجیب سی بے چینی تھی۔ میں نے وہ گلاس لیا اور پینے لگی۔ اس شربت میں مجھے کڑواہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ تو بہت کڑوا ہے ابو۔" میں نے ابو سے کہا۔

"ہاں ذائقہ ہے مگر اس کی تاثیر بہت اچھی ہے۔" ابو نے کہا تو میں نے آہستہ آہستہ گلاس میں موجود تمام شربت پی لیا۔ اس دوران ابو دو [illegible] گلاس پی چکے تھے۔ پھر مجھے ایسا لگا [illegible] چکر آ رہا ہو ایسا محسوس ہوا پھر مجھے ہوش نہ رہا۔ مجھے اتنا یاد تھا کہ ابو مجھے اپنے بستر پر لٹا رہے تھے۔

شائستہ اپنی کہانی سنا رہی تھی جبکہ میں حیرت سے بت بنا بیٹھا تھا۔ مجھے شائستہ کی کہانی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کر دیا۔ "میں شادی میں معصوم تھی [illegible] شعور تھی [illegible] کہ میں اس برائی کو محسوس کر سکی تھی۔ مگر میں اب کسی سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ مجھ پر ظلم کرنے والا کوئی اور نہیں میرا اپنا سگا باپ تھا۔ میں کس سے کہتی کوئی بھی میری بات پر یقین نہ کرتا۔ میں گھٹ گھٹ کر رہ گئی۔ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ جبکہ اس درندے نے یہ ظلم کرنا اپنا معمول بنا لیا۔ میں نے اس ظلم کی وجہ سے اپنا پڑھنا لکھنا اور کہیں آنا جانا ختم کر دیا۔ میں اکثر اپنے کمرے میں بند ہو

کر آنسو بہاتی رہتی تھی۔ آیا پوچھتی تھی مگر میں اپنا غم اسے بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ اب سے کچھ دن پہلے میری طبیعت خراب ہو گئی۔ ابو نے لیڈی ڈاکٹر کو گھر پر بلا لیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے انکشاف کیا کہ میں امید سے ہو گئی ہوں۔ ڈاکٹر کے سامنے ابو نے خوب ڈراما رچایا مجھے ڈانٹا اور خوب لعنت ملامت کی کیونکہ لیڈی ڈاکٹر بھی جانتی تھی کہ میں ابھی کنواری ہوں۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد ابو نے مجھے دھمکی دی کہ میں کسی کے سامنے ان کا نام نہ لوں۔ ورنہ وہ مجھے ختم کر دیں گے۔ ساتھ ہی انہوں نے میری واشنگ کا وعدہ بھی کیا مگر اب تو میں زندگی سے ہی اکتا گئی ہوں۔ اس زندگی سے جس میں ایک باپ خود اپنی بیٹی کو ظلم کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اسی لئے میں نے کل خودکشی کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ خیر ایک مرتبہ ناکام ہوئی ہوں۔ دوسری مرتبہ تو ناکام نہیں ہوں گی۔ ارشاد تم اس داستان کو ضرور لکھنا مگر میرے مرنے کے بعد۔ شائستہ اپنی داستان سنا کر خاموش ہو گئی۔ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا میں بت بنا بیٹھا رہا۔ جانے کتنی دیر گزر گئی کافی دیر بعد شائستہ کی آیا اور نرس آ گئیں۔ میں شائستہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ کہتا بھی کیا میں تو سن ہو کر رہ گیا تھا۔ دماغ نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا نہ معلوم میں کس وقت اور کیسے وہاں سے اٹھا اور گھر پہنچا۔ چند دن بعد اخبار میں شائستہ کی خودکشی کی خبر شائع ہوئی۔ اس نے سچ کہا تھا۔ اس کی دوسری کوشش تو ناکام نہیں ہوئی تھی۔

غزل

شبینہ [illegible]

تجھے جب لذت آشنا کر ہم بھی دیکھیں گے
نہیں ہے [illegible] دل اپنا بنا کر ہم بھی دیکھیں گے

محبت کیا ہے کیا تاثیر ہوتی ہے محبت میں
رہا ہے دل [illegible] یہ قیمت لگا کر ہم بھی دیکھیں گے

خدا جانے ملے گا وہ کس طرح اس دل پہ کیا گزرے
یہ سوچا تھا کہ اس شخص سے جا کر ہم بھی دیکھیں گے

ابھی حسرت دل مضطر کہ شاید کچھ سکوں آ جائے
تری تصویر سینے سے لگا کر ہم بھی دیکھیں گے

[illegible] طلب کی دولت کہاں ملتی ہے دنیا میں
[illegible] اک بار جا کر ہم بھی دیکھیں گے

[illegible] بھی ہے یہ آرزو [illegible]
[illegible] جھکا کر ہم بھی دیکھیں گے

عائمہ کے ٹوٹکے

انچارج۔ عائمہ جبیں

اس عنوان کے تحت ہمیں "گھریلو ٹوٹکے" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کر دیں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کروا سکتی ہیں۔

عائمہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 صبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

دہی گاڑھا جمائیں

اگر آپ چاہتی ہیں کہ جو دہی آپ جما رہی ہیں وہ گاڑھا جمے..... تو جس دودھ کو آپ نے دہی جمانے کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس میں ایک چائے کا چمچ ملک پاؤڈر ملا دیں۔

☆ شازیہ انصاری۔ سلانوالی ضلع سرگودھا

آواز کا بھاری پن

جامن کی گٹھلیوں کو شہد میں ملا کر بنائی گئی گولیاں منہ میں رکھ کر چوسنے سے بیٹھا ہوا گلا ٹھیک ہو جاتا ہے اور آواز کا بھاری پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ اگر ان گولیوں کو کافی عرصے تک استعمال کیا جائے تو دیر سے بگڑی ہوئی آواز بھی درست ہو جاتی ہے۔

☆ اقرا چوہدری۔ فیصل آباد

جوتے اگر بارش میں بھیگ جائیں تو.....

جوتے بارش کی وجہ سے پانی میں بھیگ جائیں تو پریشان نہ ہوں ان میں پرانے اخبارات بھر کر تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیں..... اخبار سارا پانی اپنے اندر جذب کر لے گا اور آپ کے جوتے جلدی خشک ہو جائیں گے۔

☆ کوثر۔ گوجرانوالہ

کمزور بچوں کے لیے

جن بچوں کی کمزوری کا سبب معلوم نہ ہو سکے ان کو گاجر کا جوس چار ماشے سے ایک تولہ تک برابر گرم پانی ملا کر دن میں دو تین دفعہ پلا دیا کریں۔ ساتھ ہی اس کی ماں بھی گاجر کھائے یا اس کا جوس پیئے۔ اس عمل سے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ماں اور بچے کی صحت نمایاں طور پر ترقی کرے گی۔

☆ سمیرا۔ ملتان

فریج کی ناگوار بو دور کریں

اگر آپ چاہتی ہیں کہ فریج میں ناگوار بو پیدا نہ ہو تو اس کے شیلف میں پودینے کے چند پتے چھوڑ دیں بو بالکل پیدا نہیں ہو گی۔

☆ سلمیٰ۔ کراچی

چاولوں کو کیڑا لگنے سے بچائیں

چاولوں میں کیڑے پیدا ہونے سے بچانے کے لیے جس برتن میں چاول ہیں۔ اس میں نیم کے چند پتے ڈال دیں۔ چاول کیڑے سے محفوظ رہیں گے۔

☆ شمیم۔ کینیڈا

☆☆

ایک حقیقت ایک افسانہ

[illegible]

[illegible] کے 80 فیصد عام لوگوں کی طرح ساجدہ بھی ایک غریب گھرانے کی فرد اور اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھی [illegible] ہونے کے ناطے اپنے والدین کی [illegible] ساجدہ تھی۔

ہر [illegible] کی طرح [illegible] کو ختم کرنے کے لیے ہر موقع [illegible] کی [illegible] ہی رہی۔

فیروز دین [illegible] ایک [illegible] 100 فیصد لوگوں میں شمار ہو جو پاکستان کے امیر لوگ کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔

لاٹری کو حاصل کرنے کے لیے فیروز دین نے کئی بار [illegible] لاٹری کی دوڑ میں شامل ہونے سے قاصر رہا۔ [illegible] کی وجہ سے اس کے لیے [illegible] کے مترادف تھی۔ [illegible] نہ ہو رہی تھی۔ [illegible] حاصل کرتے کرتے وہ ایک قرضے کی تہہ [illegible] تھا۔

فیروز دین کے پاس ایک اور چانس تھا اس سے ایک بار پھر وہ قسمت آزما سکتا تھا اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو وہ اپنے قرض داروں کا قرض بھی اتار سکتا تھا اور اپنی [illegible] بھی [illegible] سکتا تھا۔

جس طرح [illegible] اسی طرح [illegible] ساجدہ بھی [illegible] عمر سے نکل کر اس عمر میں داخل ہو گئی تھی اور یہ عمر ہوتی ہی ایسی ہے [illegible] حقیقی [illegible] کو تلاش کیا جاتا ہے [illegible] شباب اس کے [illegible] تھا۔

[illegible] فیروز دین کے [illegible]

ایک شام [illegible] فیروز دین [illegible] آخری [illegible] ہے۔

[illegible] اور اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاتی۔"

"[illegible] کیا ہے؟"

قرض لینے والے وہ دروازہ توڑ رہے ہیں۔ ساتھ والے شیخ صاحب آئے تھے کہہ رہے تھے کہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔ ایک دو دن میں واپس لوٹا دو۔ نوری نے کہا تو شیخ وزیر نے بڑی بے رخی سے کہا ہوں بولو۔ وہ لوگ کہاں گئے ہیں...؟

صالحہ نے شہزاد کو بھیج دیا ہے اور ساجدہ بہن کے گھر گئی ہے...؟

"وہ کیوں...؟"

"تم نے سلائی کا کام سیکھنا شروع کر دیا ہے۔ تم نے تو اس کی طرف بھی دیکھا تک نہیں ہے۔ تمہاری بہن جوان ہو رہی ہے اس کی شادی کے بارے میں سوچنا کس کا فرض بنتا ہے۔"

"تم کیا سمجھتی ہو میں ان باتوں کے بارے میں نہیں سوچتا۔"

سوچتا ہوں انشاءاللہ بہت جلد حالات بدل جائیں گے۔ پھر ہم اپنی بیٹی کی شادی کریں گے اور ایسی شادی کریں گے کہ دنیا دیکھے گی۔ فیروز دین نے دلی اضطراب کا اظہار کیا تو نرگس ایسے ہنس دی۔ جیسے فیروز کوئی فلمی مکالمہ بول رہا ہو۔ "فیروز تم اب کے کی بجائے کوئی نوکری کیوں نہیں کر لیتے۔"

"نوکری..." فیروز نے حیرت سے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "نہیں میں نوکری نہیں کروں گا اس میں تو ترقی کے کوئی چانس ہی نہیں ہیں... میں تو کوئی کاروبار ہی کروں گا۔"

"ہوں کاروبار... کاروبار تو پیسوں سے ہوتے ہیں اور کاروبار کے لئے تم بہت زیادہ ضائع کر چکے ہو۔ اب تو بیچنے کے لئے کچھ نہیں رہا۔" "وہ ایک تو تم عورتوں کے دل بہت چھوٹے ہیں... ہم چل ٹھیک ہے تم دیکھنا ایسا کام کروں گا کہ دوبارہ کوئی نوکری نہیں کروں گی... اب میرے پاس ایک طریقہ ہے اور تم کے بارے میں بھی میں نے سوچا ہے۔"

"وہ کیا..." نرگس نے منتظر نگاہوں سے پوچھا۔

"ہم اپنا مکان بیچ دیتے ہیں۔ قرض ادا کر کے قرض اتار کر بقایا رقم سے کاروبار شروع کر لیتے ہیں جیسے ہی کاروبار چل نکلا ہم مکان کیا 2 کنال کی وسیع عریض کوٹھی تعمیر کروائیں گے۔ جب تک کاروبار نہیں چلتا تب تک ہم کسی سڑک کے کنارے تو نہیں آ جائیں گے... ہم مکان کرائے پر لے لیں گے مجھے امید ہے اللہ ہم پر مہربان ضرور ہو گا۔ چل ان باتوں کو چھوڑو اور مجھے کھانا دو۔" فیروز نے بات کو طول دینے کی بجائے ختم کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔

فیروز دین کا مکان کافی بڑا تھا 3 مرلے کا لیکن اچھی کالونی میں ہونے کی وجہ سے کچھ اہمیت کا حامل تھا کم از کم 6 لاکھ تو مل سکتے تھے۔

فیروز دین خود مختار اور اپنی مرضی میں بکتا تھا۔ فیروز دین نے مکان برائے فروخت کی تختی لگا دی۔ فیروز دین کی توقع سے قبل ہی مکان کے گاہک آنے شروع ہو گئے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ فیروز دین کا مکان کارنر پر تھا اور کوئی بھی وہ کنارہ اس کو خرید کر اپنی دکان بنا سکتا تھا۔

فیروز دین نے نرگس سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور مکان 5 لاکھ 60 ہزار روپے میں فروخت کر دیا۔

مکان کے بکنے کا دکھ نرگس کو بہت ہوا دکھ اس لئے نہ تھا کہ یہ مکان ان کا آبائی مکان تھا اور اس کو اپنے ہاتھوں سے سنوارا گیا تھا۔ دکھ یہ تھا کہ یہ مکان بھی کاروبار کی نظر ہو گیا اور اب کرائے پر دھکے کھاتے پھریں گے۔

نرگس بے چاری کیا کر سکتی تھی افسوس... افسوس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا فیروز دین تو اپنی مرضی کا مالک تھا پتا نہیں اس کے ارادے کیا تھے۔

ابھی فیروز دین کو بیعانہ ملا تھا اور بقایا رقم مکان خالی کرنے پر ملنی تھی۔ پوری رقم کے لینے کے بعد ہی وہ باقاعدہ طور پر سوچ سکتا تھا۔ سر چھپانے کے لئے اپنے ایک واقف کار سے مکان کرائے پر لے لیا تھا۔

فیروز دین نے قسمت آزمائی کی خاطر بیعانہ کی ایک لاکھ رقم کے پرائز بانڈ لے لئے فیروز دین نے حقیقت میں یہ بانڈ اس لئے خریدے تھے کہ رقم کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ شاید اللہ کوئی سبب بنا ہی دے۔

فیروز دین نے بانڈ ایک طرف رکھ دیے کیونکہ ابھی قرعہ اندازی میں پورے 20 دن تک سکون سے انتظار کر سکتا تھا۔ فیروز دین کی سوچ کا محور بانڈوں سے زیادہ کاروبار کی طرف تھا اس لئے اسے پتا نہ چلا کہ 20 دن کتنی تیزی سے گزر گئے اسے تو یاد ہی نہ تھا کہ کل تاریخ کو اس کے بانڈوں کی قرعہ اندازی ہے۔

ایک دن جب فیروز دین بازار سے گزر رہا تھا ایک آواز نے اسے رکنے اور پھر سوچنے پر مجبور کر دیا۔ "آ گئی آ گئی 1000 روپے کے بانڈوں کی لسٹ آ گئی۔" تب اسے یاد آیا کہ میں نے بھی تو 1000 روپے کے بانڈ خریدے ہیں!

وہ لسٹ لے کر گھر آ گیا اس کا دل معمول سے زیادہ دھڑک

پر انعامات یات ہے، کیوں پریشان نظر آرہے ہیں؟۔۔۔ نرگس نے پوچھا۔

پریشان۔۔۔ نہیں تم اس طرح کرو بانڈز نکال کر لاؤ شاید اللہ کے کرم سے ہمارا بھی بانڈ نکل آئے۔

نرگس کے اندر بھی ایک تجسس کی لہر دوڑ گئی سو وہ اندر گئی اور پیٹی سے بانڈز اٹھا کر لے آئی اس کی زبان پر پاکیزہ کلمات کا ورد جاری تھا۔

فیروز دین نے لسٹ کھول کر چارپائی پر ڈال دی اور بانڈوں کے نمبروں کو دیکھنے لگا اور ایک ایک بانڈ کے نمبر کے بعد دیگر ملانے لگا اور اپنی بیوی کو باقاعدہ بانڈ پکڑانے لگا جیسے جیسے بانڈوں کے نمبر نہ مل رہے تھے ایسے ایسے ہی ان کی امید مایوسی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ایک بانڈ پر فیروز دین جھک گیا اور لسٹ کے بانڈوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

کیا فیروز دین نمبر مل گیا؟ نرگس نے پوچھا۔

ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرا خیال ہے ایک ہی ہے۔ جیسے فیروز دین کو اپنے دماغ اور آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو!

لسٹ کے ساتھ نمبر ملاؤ تو سہی۔

صفر۔۔۔ صفر۔۔۔ پانچ۔۔۔ پانچ۔۔۔ پانچ۔۔۔ سات اور سات۔۔۔ چھ۔۔۔ اور پھر بھی چھ بعد آخری ہندسہ 3 اور یہ بھی 3 ہے۔ فیروز دین نے نمبر ملایا۔

دیکھو تو سہی کتنے روپے کا انعام نکلا ہے؟

پورے پانچ لاکھ۔

پانچ لاکھ؟ نرگس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کی خوشی برداشت کرنے کے قابل تو نہ تھی لیکن اس نے خوشی برداشت کر ہی لی۔ لیکن وہ اس وہم سے نہ نکل سکی کہ یہ حقیقت ہے یا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ واقعی ان کے لئے 5 لاکھ ایک کثیر رقم تھی۔ جس سے ان کے جسم میں سرشاری سی آگئی۔ بڑی ہی مشکل سے انہوں نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو ترتیب دیا۔

آگے تو دیکھو شاید اور بھی نکل آئے۔ فیروز دین نے دھندلائی ہوئی نظروں سے باقی ماندہ بانڈوں کو بھی دیکھ لیا لیکن وہ سب خالی تھے فارغ ہونے کے بعد فیروز دین نے کہا ان بانڈوں کو بڑی حفاظت کے ساتھ رکھ آؤ اور ہاں سنو۔

کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ نرگس کوئی پاگل تھی جو وہ اتنی بڑی رقم کا کسی سے تذکرہ کرتی۔ اپنی ہی رازداری سے وہ بانڈوں کو پیٹی میں رکھ کر تالا لگا آئی۔

دیکھا نرگس میں نے تم سے کہا تھا کہ قسمت ہم پر بھی ضرور مہربان ہوگی۔ اور اب مجھے یقین ہے ہماری قسمت کے بند دروازے کھل گئے ہیں اور ہمارا کاروبار بھی چل سکے گا۔

شکر ہے خدایا کہ تم نے ہماری سنی۔ نرگس نے تشکر نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا فیروز دین میں تو سوچتی ہوں ہم ان پیسوں سے کسی اچھے سے مکان کا سودا کر لیتے ہیں۔

میں نے ابھی سوچا ہے ہم مکان نہیں لیں گے بلکہ کسی اچھی سی خوبصورت علاقہ میں ایک جگہ خرید لیں گے اور جب کاروبار چل نکلے گا تو پھر بہترین مکان تعمیر کروائیں گے۔

جیسے تمہاری مرضی۔ نرگس کو سکون تو ہوا کہ فیروز دین نے جگہ لینے کے بارے میں سوچا۔ نرگس بار بار نظروں سے اظہار شکر الٰہی ادا کرتی رہی۔

فیروز دین نے سب سے پہلے ایک بہترین علاقہ میں جہاں ضروریات زندگی کی سہولیات مہیا ہونے کے علاوہ ماحول پاکیزہ اور اچھا تھا وہاں ایک پلاٹ خرید لیا۔ اگرچہ یہ علاقہ ایک امیر ترین علاقہ تھا۔ جہاں پر مقیم لوگوں کی کوٹھیاں ہی تعمیر تھیں۔

جبکہ کالونی میں 5 مرلہ کا پلاٹ 5 لاکھ سے اوپر ہی تھا۔ لیکن فیروز دین کو ایک دوست کے وسیلے سے پونے 5 لاکھ مل گیا۔

عارضی طور پر فیروز دین ایک کرایے کے مکان میں گیا تو اسے جگہ، رقم بھی مل گئی اب وہ مطمئن ہو کر کاروبار کے

مشتق سوچ سکتا تھا سوچا گیا تھا اس نے تو سوچ کر ہی ممکن فروخت کیا تھا۔ فیروز دین نے اپنے کاروبار کا انتخاب کیا تھا جس سے وہ دولت کی منزل پر جلدی پہنچ سکتا تھا۔ اس کی نظر میں امپورٹ ایکسپورٹ کا کام اسے منزل پر بہت جلدی لے جا سکتا تھا۔ فیروز دین کو اس کام میں ایک ساتھی ملا جس کا نام کمال احمد تھا۔ فیروز دین کے پاس 5 لاکھ تھے تو کمال احمد بھی اتنے ہی پیسے رکھتا تھا۔

جلدی ہی دونوں دوستوں نے مکمل تیاری کی شروعات پر مطلوبہ کاروبار کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔

فیروز دین کا خاندان کل چار افراد پر مشتمل تھا ایک سال کا بیٹا بھی جس کو وہ کاروبار [illegible] سکتا تھا۔ جبکہ کمال احمد کا خاندان [illegible] اس کے [illegible] بیٹے تھے 22 برس کے [illegible] جو اپنے [illegible] کاروبار چلاتے تھے اور اس کے علاوہ ایک [illegible] ناصر فارغ تھا۔ دو بیٹیاں تھیں۔ جن کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اس طرح کمال احمد فیروز دین سے زیادہ خوشحال تھا۔

دونوں دوستوں نے کام کو لگن سے شروع کیا اور ایک بلند مقام کی امید پر اپنے گاہکوں سے بڑی محبت الفت سے پیش آتے۔ پیار محبت ہی تو ایک کاروبار کی سب سے پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔ جس کے بغیر اوپر چڑھنا ناممکن ہوتا ہے۔

دونوں دوست کاروباری صلاحیت رکھتے تھے اور کاروبار کو وسعت دینے کے لئے تمام گُروں کو جانتے تھے۔

کاروبار کو چلانے کے لئے ایک سال کا عرصہ بہت ہی کم عرصہ ہوتا ہے۔ وہ اس ایک سال کے عرصہ میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے اپنے حسن سلوک کی وجہ سے ان کی تجارتی زندگی میں کامیابی کی مثال ہو گئی۔

جیسے جیسے کاروبار مستحکم ہوتا جا رہا تھا ایسے ہی ان کی دوستی کی فصیل مضبوط سے مضبوط ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہ دوستی کاروبار تک ہی محدود نہ رہی بلکہ یہ دوستی فیملیوں میں منتقل ہونی شروع ہو گئی تھی اور وہ جلدی اس دوستی کو رشتہ میں بدلنا چاہتے تھے کیونکہ ساجدہ اور ناصر ہم عمر تھے اور دونوں بچے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔

کمال احمد اور فیروز دین کی دوستی کی وجہ سے ان کے بچوں کے درمیان بھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اکثر ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے۔ دونوں دوستوں نے اپنے بچوں کو ملنے کی مکمل آزادی دی ہوئی تھی۔

ساجدہ ناصر کو اپنا دل دے چکی تھی اور ناصر ساجدہ کو اپنی محبت سے قائل کر چکا تھا اگرچہ دونوں کے جذبات بھی قابو میں تھے۔

تیزی سے دولت کی طرف بڑھنے کی وجہ سے انہوں نے بڑی تیزی سے اپنی حالت کو بدلنا شروع کر دیا تھا۔ اپنی غربت کے خول کو اتار کر ایک امیر ترین خول کو چڑھا لیا تھا۔ ساجدہ نے سادہ پن کو اتار کر ماڈرن ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ کپڑوں کی خاص پہچان نے اسے 20 فیصد لوگوں میں شامل کر دیا تھا۔

یہی حالت ناصر کے خاندان کی بھی تھی انہوں نے اپنے آپ کو ماڈرن بنانے کے لئے [illegible] لوگوں کی روایات کو [illegible] کر کے [illegible] روایات کو اپنا لیا تھا۔

[illegible] سال بعد کاروبار [illegible] ہو گیا۔ کمال احمد اور فیروز دین کو اپنے بچوں کو شریک [illegible] کرنے کے بعد دونوں دوستوں نے [illegible] بچوں سے [illegible] کرنا شروع کر دیا اور ناصر ساجدہ نے اپنے والد صاحب کے کاموں کو سنبھال لیا۔

کمال احمد اور فیروز دین کو بڑی خوشی تھی کہ ان کی اولادیں بھی ان کی طرح [illegible] ہیں۔ انہیں امید تھی کہ ہمارے بچے ہمارے کاروبار کو بڑی خوبی سے سنبھال کر ترقی دے سکیں گے۔

ایک دن ایسا بھی خوشگوار آیا۔ جس دن دونوں نے ذاتی طور پر بچوں کے بارے میں سوچتے ہوئے جائزہ کام شروع کیا۔ فیروز دین نے کہا یار کمال ہم جو بات تو کر [illegible] اور

کہنا چاہتے تھے وہ ہمارے بچے چاہتے ہیں۔

میں تو تمہارے ساتھ ان کے رشتے کی بات کرنا چاہتا تھا۔ اچھا اب یہ بتاؤ پہلے منگنی ہوگی یا شادی ہی ہونی چاہیے۔ کمال احمد نے خود سوال کرتے ہوئے خود ہی جواب دے دیا۔ میرا خیال ہے ہمیں ان کی شادی ہی کر دینی چاہیے اب ماشاءاللہ ناصر شادی کو بوجھ نہیں سمجھے گا۔

تمہارا یہ خیال ہے ہم کون ہوتے ہیں اس میں رکاوٹ ڈالنے والے۔ فیروز دین نے ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ساجدہ کی ماں تو ساجدہ کی طرف سے بڑی پریشان رہتی ہے سارا دن اپنے زمانے کی خاتون ہے۔

لو بھئی بات ہی تب ہمیں شادی کی تاریخ بھی طے کر لینی چاہیے۔

کیوں۔ فیروز دین نے حیرت سے کہا۔ ایسے کیوں عورتوں سے ڈرتے ہو، میرا مطلب ہے نکلوا لو گے۔

اوہ۔ کمال احمد نے سانس بھرتے ہوئے کہا، یار میں تو خواتین کو بھول ہی گیا تھا۔ کل تم لوگ ساجدہ اور ساجد کو لے کر آجانا۔

اگلے دن فیروز دین بیوی بچوں کے ہمراہ آگیا ناصر ساجدہ اور ساجد ایک دوسرے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے جبکہ دوسرے کمرے میں کمال احمد اور اس کی بیوی فیروز دین اور نرگس بیٹھے بچوں کے رشتے کی باتیں کر رہے تھے بہت جلد ہی دونوں فریقین کے مابین اگلے ماہ کی 20 تاریخ مقرر کی گئی۔

واقعی یہ بہت جلدی کی شادی تھی۔ شادی کے طے ہو جانے کے بعد چائے اور شیرینی کا دور چلا سب نے مسرت کے ساتھ چائے نوش کی۔

شادی کے طے شدہ دن ایسے گزرے جیسے گھنٹے گزرے ہوں شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان تمام دنوں میں مصروف رہے ہوں جب کوئی کام میں مصروف ہوتا ہے اسے وقت کا احساس نہیں رہتا۔

بڑے ہی جشن سے یہ شادی ہوئی۔ شادی کی تقریب کو چار چاند اور یادگار بنانے کے لئے ملک کے بڑے بڑے نامور گلوکاروں کو دعوت دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ شادی کی تقریب کو یادگار اور منفرد بنانے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ ملک کے بڑے بڑے لوگوں کو شادی پر مدعو کیا گیا تھا۔

شادی کے بعد بھی ساجدہ کی شخصیت پر کوئی خاص فرق نہ آیا۔ وہ ایک امیر گھر سے اٹھ کر دوسرے امیر گھر میں آگئی۔ جس سے وہ پہلے ہی مانوس تھی۔

فیروز دین اور نرگس کو گھر میں ساجدہ کی کمی کا احساس تو ہوا لیکن اس حد تک نہیں جتنا والدین کو ہوتا ہے کیونکہ ساجدہ ہفتے میں 4 دن سسرال میں باقی 3 دن اپنے ماں باپ کے گھر ان چار دنوں میں بھی فیروز دین اور نرگس ملنے کے لئے ساجدہ کے گھر آجاتے۔

کمال احمد کے گھر ساجدہ کے آجانے سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب لوگ ہی ساجدہ کی دل جوئی میں لگے رہتے تھے۔ ساجدہ بھی اتنی امیر ساری خوشیوں کو پا کر بہت خوش تھی۔ اور اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی۔ وہ اکثر ناصر سے کہتی ناصر میں بہت ہی خوش قسمت ہوں جو مجھے اتنے اچھے سسر اور ساس ملے اور جان سے بھی زیادہ چاہنے والا شوہر۔

ساجدہ میں بھی بہت زیادہ خوش نصیب ہوں کہ تم جیسی بیوی ملی۔

ناصر یہ کہہ کر ساجدہ کا ہاتھ پکڑ لیتا اور کہتا آؤ عہد کریں کہ ہم دونوں اسی طرح ایک دوسرے کو چاہتے رہیں گے۔ چاہے ہمارے مابین کتنی ہی دوریاں کیوں نہ آجائیں۔

سکون اور راحت کا وقت تو اتنی رفتار سے گزرتا ہے کہ اس کا پتا ہی نہیں رہتا اس محبت اور دلکشی کی دوڑ میں ایک سال ایسے گزر گیا جیسے چند دن گزرے ہوں۔ سال گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ سال گزر جانے میں کوئی تبدیلی نہ آئی سوائے اس کے کہ اس نے سسرال سے جانا کم کر دیا۔ ساجدہ

ہفتے میں ایک آدھ بار ہی والدین کو ملنے جاتی تھی۔ اس لئے کہ ناصر نے والدین کی محبت کم کر کے اپنی محبت بھر دی تھی۔

خوشی تو اس گھر کی لونڈی بن کر رہی تھی۔ لیکن اس دن تو خوشی میں اور اضافہ ہو گیا جب ساجدہ نے ناصر کو بتایا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اور وہ ماں بننے والی ہے۔

خوشی وہ تھی پورے گھر کے لئے ایک بڑی خوشی تھی۔ اولاد تو والدین کے لئے ایک سہارا ہوتا ہے۔ ناصر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ساجدہ واقعی تمہارے علاوہ مجھے اولاد کی بھی خواہش ہے۔

ناصر میں جانتی ہوں اولاد میں تمہیں بیٹے کی آرزو ہے نا۔

ہاں۔ میں چاہتا ہوں اللہ مجھے بیٹا دے۔

ناصر اگر اللہ نے ہمیں بیٹی دے دی تو۔

بیٹی۔ خیر یہ تو بعد کی بات ہے لیکن مجھے یقین ہے اللہ ہم کو بیٹے سے نوازے گا۔ یہ تو ہماری قسمت ہے۔ عمر سے کہتے ہیں اولاد آدمی کی قسمت ہوتی ہے اور رزق عورت کی قسمت کا اب دیکھتے ہیں تمہاری قسمت میں بیٹی آتی ہے یا بیٹا۔

تم ان باتوں کو چھوڑو اللہ کچھ بھی دے یہ اس کی مرضی ہے۔ بیٹا ہو یا بیٹی اولاد تو ہوتی ہے ناصر نے سب کچھ قدرت پر چھوڑ دیا۔ اور بیوی کی خدمت کرنی شروع کر دی۔ وہ خوراک میں وٹامن کا خاص خیال رکھتا پھل وغیرہ کثرت سے کھانے کی تلقین کرتا۔ وہ ہمیشہ ساجدہ سے کہتا تم گھر کا کوئی کام نہیں کرو گی جو کچھ بھی چاہئے نوکروں سے کہو اور اپنی خوراک کی طرف خاص توجہ دینا۔

ناصر کیا پیار کرتا ساجدہ کو تسلیاں کرتا۔ گھر میں سب سے زیادہ اس کی دیکھ بھال ہونے لگی۔ ناصر تو روزانہ جاتے ہوئے ساجدہ سے کہا کرتا کہ اگر کسی قسم کی کوئی تکلیف ہو مجھے فون کر لینا بلکہ سب سے پہلے ڈاکٹر کو فون کر کے بلا لینا۔ اس کے علاوہ وہ ساجدہ کو ہر دوسرے دن چیک کروانے کے لئے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔

نرس اور فیملی والوں کو جب علم ہوا کہ وہ عنقریب ماں باپ بننے والے ہیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا انہوں نے بھی اپنی بیٹی اور بچے کی صحت اور تندرستی کے لئے ڈھیر ساری نصیحتیں کر دیں۔

اتنی ساری نصیحتیں اس کو پریشان نہیں کرتی تھیں کیونکہ یہ سب نصیحتیں محبت اور پیار سے لبریز ہوتی تھیں اور یہ اس کو احساس دلاتی تھیں کہ تم خوش نصیب ہو جس کو اتنے چاہنے والے ملے ہیں۔ یہ خوشیاں اس کو احساس دلاتی تم سب لوگوں سے منفرد ہو کیونکہ جو خوشیاں تمہیں ملی ہیں وہ سب کو نہیں ملتیں۔ کیا نہیں ہے میرے پاس دولت ہے چاہنے والے ماں باپ ہیں۔ محبت کرنے والے سسر ساس ملے ہیں سر پر جان نثار کرنے والا شوہر ملا ہے۔ وہ یہ سوچ کر مسرور ہو جاتی۔

اسی طرح ہنستے ہوئے محبتوں کے سائے تلے دن گزرنے لگے۔ ایسے دن جس کا ہر کوئی متمنی ہوتا ہے۔ لیکن ہر کے حصے میں نہیں ہوتے۔

وہ مبارک موقع پیر کے دن صبح صادق کے وقت آیا۔

جب دعاؤں سے زیادہ دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔

پیر کی صبح کو ہی اچانک ساجدہ کو تکلیف ہوئی۔ ناصر سو رہا تھا۔ ساجدہ نے ناصر کو اٹھاتے ہوئے کہا ناصر پلیز اٹھئے میرے پیٹ میں درد ہے۔ یہ سنتے ہی ناصر کی نیند غائب ہو گئی۔ اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ہسپتال لے گیا۔

ہسپتال میں ساجدہ کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر آپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا گیا تھوڑی دیر بعد ناصر کے والدین اور ساجدہ کے والدین بھی آ گئے۔ سب لوگ بے چینی سے اچھی خبر کا انتظار کرنے لگے اور اس وقت تک ان کی پریشانی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا جب تک ایک نرس بھی باہر نہ آئی۔

خیریت تو ہے سسٹر۔ ناصر نے قریب آتے ہوئے کہا۔

ہاں آپ کی مسز بالکل ٹھیک ہے اور اس نے ایک لڑکی کو

جنم دیا ہے۔ ناصر نے سکون کی سانس بھرتے ہوئے دوسرے لوگوں کو بھی مطلع کیا۔ سب لوگوں نے پیدائش پر مسرت کا اظہار کیا!

شام کو ساجدہ کو ہوش آئی تو ناصر نے ساجدہ کی طرف دیکھا اور پھر بچی کو دیکھا!

ناصر مجھے افسوس ہے میں آپ کو بیٹا نہیں دے سکی۔

افسوس کیسا۔ بیٹی بھی تو اولاد ہوتی ہے اور پھر اس بار نہیں تو اگلی بار اللہ ہمیں بیٹے سے نوازے گا۔ ناصر نے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔

تمہیں تو بیٹے کی خواہش تھی نا۔

ہاں مجھے اولاد کی خواہش تھی۔ جو اللہ نے پوری کردی۔

میں بھی دعا مانگ رہی ہوں تم بھی اللہ سے ان کی حیات کی دعا مانگو کیونکہ انہیں دعا کی ضرورت ہے۔ نرس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

ساجدہ اپنے اوپر بڑا قابو پا رہی تھی۔ لیکن آنسو تو رک ہی نہیں رہے تھے۔ ساجدہ نے آگے بڑھ کر دلاسا دیتے ہوئے کہا یا اللہ رحم کرے گا۔ حالانکہ یقین اسے بھی نہ تھا کہ ابا بچ جائیں گے۔

ناصر نے بھی سمجھایا لیکن ساجدہ کے تو بس میں ہی نہ تھا کہ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتی اس کی چھٹی حس کسی بڑے خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔

دل میں ہر کوئی دعائیں مانگ رہا تھا کہ ڈاکٹر آگیا اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں طور پر محسوس کیے جا رہے تھے۔ سب کے چہروں پر خاموشی چھا گئی۔ وہ سب ڈاکٹر کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر ڈاکٹر نے حوصلہ کر کے کہہ ہی دیا۔ آئی ایم ویری سوری آپریشن کامیاب نہیں ہو سکا یہ کہہ کر ڈاکٹر بڑی تیزی سے واپس چلا گیا۔

یہ خبر سب کے لئے ایک طوفان سے کم نہ تھی۔ خواتین نے تو ہسپتال میں ہی رونا شروع کردیا۔ مرد حضرات نے دلاسا دیا اور خود بھی صبر سے کام لیا اور ان کو بھی صبر کی تلقین کی۔ آپ صبر کریں اللہ کو یہی منظور تھا۔ ناصر نے دلاسا دیا۔

ساجدہ کو اپنے والد سے بہت محبت تھی۔ ماں سے بھی زیادہ وہ والد کو چاہتی تھی۔ اس لئے یہ زخم ساجدہ کے دل پر گہرا تھا جسے مندمل ہوتے بھی کئی سال درکار تھے۔ ساجدہ کی طرح ساجد بھی اس کی زد میں تھا اس کے سر پر تو چھت گر گئی تھی۔ ذمہ داریوں کا ایک ایسا بوجھ اس کے سر پر آن گرا تھا جس کو سنبھالنے کی ابھی اس کے اندر طاقت نہ تھی۔ اسے ابھی بزرگ کی ضرورت تھی۔ اسے اپنے کام میں ایک شفیق رہنما کی ضرورت تھی۔

والد کی وفات کے بعد ساجد کو اپنے والد کا سارا کاروبار سنبھالنا پڑا۔ واقعی یہ کام ساجد کے لئے کٹھن کام تھا۔ ابھی وہ اتنی بڑی ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل تو نہ تھا پھر بھی اسے یہ کام کرنا تھا۔

بیٹے کے اوپر اتنا بڑا بوجھ دیکھ کر نرگس کے کلیجے میں ایک درد اٹھتا۔ شوہر کی وفات نے ویسے ہی اسے بیمار کردیا تھا لیکن یہ بڑا بوجھ جو ساجد کے اوپر پڑا تھا اس نے اسے بیمار ہی نہیں کردیا تھا بلکہ بڑی تیزی سے بڑھاپے کی طرف گامزن کر دیا تھا۔

جب ساجد ماں کو دیکھتا تو اور پریشان ہو جاتا اب اس دنیا میں ماں ہی تھی جس سے وہ رہنمائی کا راستہ پوچھ سکتا۔ ماں کو پریشان دیکھ کر کہتا ماں تم پریشان نہ رہا کرو میں اس قابل ہوں کہ باپ کے کاروبار کو سنبھال سکوں۔ نہیں بیٹے تم ابھی بچے ہو 20 سال عمر ابھی ہوتی ہی کیا ہے کھیلنے کودنے کی عمر ہوتی ہے اور تم ہو کہ بچپن گنوا بیٹھے ہو۔ ماں خدارا اب آپ وعدہ کرو بیٹے۔ ماں کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کرو گے!

ساجدہ باپ کی وفات کے چھ ماہ بعد دوبارہ حاملہ ہو گئی۔ ایک بار پھر پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ساجدہ کا زخم پوری طرح مندمل ہو گیا بلکہ یہ کم ہو گیا

وہ کچھ سنبھل ضرور گئی تھی۔ زندگی ایک بار پھر اپنی ڈگر پر آنے لگی تھی۔

پورے گھر میں خوشی کی وجہ یہ تھی کہ شاید اللہ ناصر کو بیٹا دے دے لیکن ساجدہ کو امید تھی کہ وہ اس بار بھی بیٹے کی بجائے بیٹی کو جنم دے گی۔

ساجدہ نے اس پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے ایک دن کہا۔ "ناصر! پتہ نہیں مجھے کیوں ڈر سا ہو رہا ہے کہ میں تمہیں اس بار بھی بیٹا نہیں دے سکوں گی۔"

"فی الوقت ایسی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ناصر فوراً بولے۔ ناصر نے ساجدہ کو آگے بولنے ہی نہ دیا۔ "تم آئندہ ایسی فضول باتیں نہیں کرو گی۔" ناصر نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

ایک دو ماہ ایک حسرت ایک امید کے تحت دن گزرنے لگے۔ [illegible] سال کی ہو گئی اور تھوڑا تھوڑا چلنے کے قابل ہو گئی اور اس کی امی امو کہنے لگی۔ پہلے بچے کی پیدائش کے بعد ہی ساجدہ کی طبیعت سے بچگانہ پن جا چکا تھا۔ وہ اب مکمل عورت بنتی جا رہی تھی۔ شادی کے بعد عورت پر سے اس وقت بچگانہ پن خود بخود چلا جاتا ہے جب عورت ایک دو بچوں کی ماں بن جائے۔

دوسری اولاد کا وقت بھی آ گیا۔ سب کو امید تھی کہ اس بار ساجدہ ایک بیٹے کو جنم دے گی لیکن اس وقت ان کی ساری امیدیں ناامیدی میں بدل گئیں جب ساجدہ نے شازیہ کو جنم دیا۔ سب کو مایوسی تو ہوئی لیکن وہ کر کیا سکتے تھے۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے خون کو سینے سے لگاتے۔

شازیہ کی پیدائش کے دوسرے دن ساجدہ کی ملاقات ناصر سے ہوئی۔ ناصر پریشان نظر آ رہا تھا اور اس پریشانی کی وجہ سے وہ ساجدہ سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔

"آپ پریشان ہیں۔"

"نن۔۔۔ نہیں تو۔" ناصر نے ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ناصر میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں تمہیں اس بار بھی بیٹا نہ دے سکی۔"

"اف۔۔۔ یہ تو سب اللہ کی دین ہے اس میں نہ تمہارا قصور ہے اور نہ میرا قصور۔ قصور تو ہمارے نصیبوں کا ہے۔ تم پھر بھی میں اللہ سے مایوس نہیں ہوں اللہ ہم کو بیٹا ضرور دے گا۔" ناصر نے اطمینان سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

شازیہ کی پیدائش کے بعد ساجدہ کی عزت ساس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔ سوائے شوہر کے سب کا رویہ بدل گیا تھا۔ ساس تو بات بات پر طنز کا تیر لگانے لگی تھی۔ ایک دن تو ساس نے طنز کا تیر چلاتے ہوئے ساجدہ کے جذبات کو مجروح کیا۔ سب ناشتے کی میز پر جمع تھے دوران ناشتہ ساس نے کہا۔ "ناصر تم کوئی لڑکی لے کر پال لو کیونکہ تمہاری بیوی کے پاس صلاحیت نہیں ہے وہ تمہیں لڑکا نہیں دے سکے گی۔"

"ماں اس بے چاری کا کیا قصور ہے۔" ساجدہ نے ابھی ایک نوالہ بھی منہ میں نہیں ڈالا تھا کہ وہ بھی حلق میں اٹک گیا۔ ساجدہ دل برداشتہ ہو کر کھانے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ناصر بھی بیوی کے پیچھے اٹھ کر کمرے میں آیا اور ساجدہ کے قریب بیٹھ گیا۔ "ساجدہ مجھے پتا ہے ماں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے میری خاطر معاف کر دو۔"

"میں کون ہوتی ہوں معاف کرنے والی۔ تو۔۔۔" ابھی ساجدہ نے اپنا جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ فون نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

ناصر نے ریسیور اٹھایا۔

"میں ناصر بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کوئی آواز آئی۔

"کیا۔" ناصر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"کس ہسپتال میں۔"

"سب خیریت تو ہے میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔" ناصر نے فون دوبارہ کریڈل پر رکھ دیا۔ فون بند ہی [illegible] اٹھا کر ساجدہ [illegible] تم

بھول گئی۔ اسے احساس ہی نہ رہا کہ وہ ابھی ابھی جذباتی طور پر صدمے کا شکار رہی تھی۔

کیا ہوا ناصر۔۔۔ کون تھا۔

ساجدہ تمہارے لیے بڑی بری خبر ہے۔

ناصر میرا دل بیٹھا جا رہا ہے پلیز بتاؤ ناکہ کیا بات ہے؟

ساجدہ ماں اور ساجد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور ماں مر گئی ہے۔

ایک طوفان سا آیا۔ ایسا طوفان جس کا قدور سب پر طاری تھا۔ یہ خبر کوئی دھماکے سے کم نہ تھی۔ جس نے ساجدہ کے جسم سے لہو کی آخری بوند تک نچوڑ لی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ پھر اسے خیال نہ رہا کہ وہ کہاں ہے۔

کیا ہوا ساجدہ۔۔۔ ہوش کرو۔۔۔ ساجدہ ہوش۔۔۔

ناصر ساجدہ کو فوری طور پر ہسپتال لے گیا۔ یہ سب وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ کبھی تو وقت اس قدر ساز گار ہوتا ہے۔ وہ انسان کو بھلا ہی دیتا ہے کہ غم کیا ہوتے ہیں اور کبھی وقت ایسا آتا ہے کہ وہ انسان کی تقدیر تک بدل کر رکھ دیتا ہے۔

ایک ہی ہسپتال میں بیک وقت ایک ہی خاندان کے تین افراد تھے۔ ناصر نے بیوی کو ایمرجنسی روم میں داخل کروانے کے بعد اپنے سالے کا حال پوچھا وہ ہوش میں تھا۔

یہ سب کیسے ہو گیا ساجد۔۔۔

بس بھائی جان امی کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا تھا کہ گاڑی کے سامنے کتا آ گیا۔ میں نے اسے بچانے کی کوشش کی کتا تو بچ گیا ہماری گاڑی سامنے لگے بجلی کے پول سے ٹکرا گئی۔ پھر ہمیں نہیں پتا کہ ہمارے ساتھ کیا پیش آیا۔

امی کی طرف سے بہت افسوس ہوا۔۔۔

بس قسمت قسمت کی بات ہے۔ ساجد نے ایک پھیکی اور افسردہ سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ انسان کیا ہے۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔ سب اس کی قسمت سے منسوب ہوتی ہے۔ تو کہتا ہے کہ اس دنیا جیسا کوئی بھی نہیں یا پھر وہ یہ کہتا ہے ساری دنیا میری طرح ہی خوش و خرم ہے۔ جب انسان پر دکھوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو اسے پتا چلتا ہے۔ دنیا تو ہم ہی دکھوں کا ہے۔

ناصر خاموش رہا تو ساجد نے دوبارہ کہا ساجدہ کہاں ہے۔۔۔

ذہن پر بہت اثر لیا ہے امی کی صدمہ سے وہ چار ہونے کی وجہ سے حواس کو قابو میں نہ رکھ سکی۔ اس ہسپتال میں زنانہ وارڈ میں داخل ہے۔

او مائی گاڈ۔۔۔ ساجد نے سر کو پکڑ لیا۔ ناصر چند منٹ ساجد کے پاس بیٹھا رہا اور پھر ساجدہ کے پاس چلا گیا۔ ساجدہ کے پاس ناصر کے والدین بھی موجود تھے۔ ناصر کے آنے ساجدہ کو ہوش آ چکا تھا۔ ہوش میں آتے ہی ساجدہ نے ناصر سے پوچھا ناصر میرے بھائی کا کیا حال ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے نا۔۔۔؟

ہاں۔۔۔ ہاں وہ ٹھیک ہے میں ابھی اس کی طرف سے آ رہا ہوں سر میں ایک دو چوٹیں آئی ہیں جلدی وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

مجھے لے چلو اس کے پاس۔۔۔ ساجدہ نے التجائیہ انداز میں کہا

ابھی نہیں۔۔۔ ذرا تم اپنے آپ کو سنبھالو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔

میں ٹھیک ہوں۔۔۔ ناصر بیوی کے بے حد اصرار پر اسے ساجد کے کمرے میں لے گیا۔ ساجدہ نے ساجد کو دیکھتے ہی آنسو بہانے شروع کر دیے اور بھائی سے لپٹ گئی۔ بھائی یہ کیا ہو گیا ہے۔ ماں بھی ہم کو چھوڑ کر چلی گئی۔ ہم اکیلے رہ گئے۔ بھائی یہ ہمارے ساتھ کیا ہو گیا۔۔۔

صبر کرو۔۔۔ باجی صبر یہ اللہ کی مرضی ہے ہم یہ بھی ہمت نہیں رکھتے کہ ماں کو واپس بلا لیں۔۔۔ یہ کہتے ہوئے وہ بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا کتنی ہی دیر دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے لپٹے روتے رہے۔ ابھی تو ان کے باپ کی وجہ سے لگے ہوئے زخم بھی مندمل نہ ہوئے تھے کہ پہلے والے

زخم تازہ ہونے کے علاوہ اور گہرے ہو گئے تھے۔ والد کی وفات کے بعد ان دونوں کی محبت کا سہارا اماں ہی تھیں۔ اتنی محبتوں کا خزانہ ماں ہی تھی۔ ایک پل میں یہ سہارا اٹھ گیا تھا۔ خزانہ لٹ گیا تھا۔ وہ اس طرح میں اکیلے رہ گئے تھے……!

شام کو پوسٹ مارٹم کے بعد ساجد، ساجدہ اور دوسرے رشتہ دار نرگس کی لاش کو گھر لے آئے۔ گھر آکر بھی ساجدہ کی ہچکیاں بند نہیں ہو رہی تھیں۔ ساجدہ حساس عورت تھی۔ نرم دل تھی۔ پھر ماں کی وفات پوری دنیا کی وفات ہوتی ہے۔ ماں کے مرجانے کے بعد ایک طوفان آجاتا ہے۔ ایسا طوفان جو [illegible] لے جاتا ہے۔ دونوں بہن بھائیوں کے دلوں پر ماں کی وفات نے ایسے زخم لگائے تھے۔ جن کو مندمل ہوتے ہوتے برسوں گزر جاتے ہیں۔

شام وہ دنیاوی رسومات کے بعد نرگس کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ بس انسان کی اوقات ہی کیا ہے۔ چند گز زمین کا ٹکڑا…… جبکہ دنیا میں انسان کس طرح شاندار محلوں میں رہتا ہے۔ اپنی آسائش کے لئے کس طرح کی سہولتوں سے مستفید ہوتا ہے۔ لیکن مرنے کے بعد اسے اندھیری کوٹھری ملتی ہے۔ جو چند گز سے بھی زیادہ نہیں جس کے اوپر منوں مٹی بس یہ ہے اوقات انسان کی……!!!

ساجدہ کے باپ کے مرنے سے ساجد بھی مر گیا تھا۔ بڑی بڑی دولت ان پڑی تھیں ماں کی وفات نے اس کے رہے سے اوسان بھی خطا کر دیئے تھے ماں باپ کے مرجانے سے تو اس کی دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ اسے دنیا سے نفرت ہو گئی تھی۔ ماں جنہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوتا تھا ان خوشیوں کے بغیر اسے اپنے جینے کا تصور بے معنی سا لگتا تھا۔ اب دنیا کی رنگینیاں اسے ڈستی تھیں۔ جب وہ ان نظاروں کو دیکھتا تو وہ افسردہ ہو جاتا اس قدر خون کے آنسو رونے لگتا۔ جس سے وہ شدید ذہنی کرب میں مبتلا ہو جاتا اور پھر اسے زندہ رہنے سے نفرت ہو جاتی۔

اس دن تو اس کی نفرت اور بھی شدید ہو گئی۔ جس دن اس کے منیجر نے بتایا کہ آپ کی پریشانی اور غم میں دل نہ لگنے کی وجہ سے کمال احمد اور ناصر آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں…… ساجد یہ سب خود بھی محسوس کر رہا تھا لیکن اسے یقین نہیں آتا تھا کہ ناصر اور اس کا والد اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ منیجر ساجد کا قابل اعتبار آدمی تھا۔

پول کھلنے پر ساجد کو یہ دکھ ہوا کہ اگر اسلام میں خودکشی جائز ہوتی تو وہ خودکشی کر کے اس دنیا کے سارے غموں سے چھٹکارا پا لیتا۔

اب تو اسے رشتوں کے تقدس سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد سارے رشتے ہی ختم ہو گئے تھے……!

چند دنوں میں ایک اہم نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ میرے لئے کیا بہتر ہے وہ اپنے فیصلوں میں خود مختار تھا اب فیصلے کرنے والا کون تھا اس کے، وہ تنہا تھا تو اسے فیصلے بھی تنہا کرنے تھے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنا کاروبار شفٹ کر کے یہ ملک چھوڑ دے کیونکہ ایسے رشتہ داروں سے ملنا دشمنوں کے اوپر تک پہنچنے کے مترادف تھا۔

ساجد نے اپنے سارے معلوم سے تو ڈرائیونگ پارٹنرشپ کو قانونی طریقے سے تقسیم کر دیا اب ساجد اور کمال احمد علیحدہ علیحدہ کاروباری ادارے کے مالک تھے۔ ساجد نے فوری طور پر لندن کی پارٹی سے بات کر کے اپنے سارے اثاثے لندن بھیج دیے اور خود بھی لندن جانے کی تیاری کرلی……!

تیاری کرنے کے بعد بھی ساجد کو تعلق پاکستان سے بہت گہرا تھا پاکستان میں اس کی بہن تھی۔ جو بہت عزیز تھی۔ اس کے والدین کی نشانی ساجدہ کو چھوڑنا اس کے لئے اپنے جسم سے کسی اعضاء کو علیحدہ کرنے کے مترادف تھا اور یہ عمل دونوں کے لئے قیامت خیز تھا۔ لیکن یہاں رہنا بھی اس کے لئے قیامت سے کم نہ تھا وہ اپنی بہن کے غم بہت پہلو چھوڑ کے جا رہا تھا۔ جس سے وہ پوری زندگی آرام سے گزار سکتی تھی۔ لیکن اسے پتا تھا کہ ساجدہ کو مال سے زیادہ میری

ضروری ہے۔

ساجد نے اپنی بہن کے نام اپنا ذاتی مکان لکھ کر 20 لاکھ روپے بینک میں جمع کروائے اور ساجدہ کو کاغذات دیتے ہوئے کہا۔

ساجدہ تمہیں چھوڑنا میرے لیے بہت مشکل کام ہے۔ لیکن اب میرا یہاں رہنا بھی بہت کٹھن ہے۔ اگر میں یہاں رہا تو میں ریزہ ریزہ ہو کر تباہ ہو جاؤں گا۔ بھائی تمہارے علاوہ میرا اس دنیا میں ہے کون ماں باپ کے بعد ایک تم ہی تو ہو اگر تم چلے گئے تو میں کس سے اپنے دکھ سکھ کہوں گی۔

میں ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ دنیا نہیں میں تمہیں خط لکھتا رہوں گا فون کرتا رہوں گا تمہیں یاد کرتا رہوں گا اگر کبھی میرے دل نے پاکستان آنے کا کہا تو شاید میں تمہارے پاس آ جاؤں۔۔۔ یہ کہتے ہوئے ساجد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ساجد نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ یہ کاغذ تمہارے نام آئیں گے اور یہاں شکر ادا کر مجھے اطلاع کرنا۔

یہ کیا ہے۔۔۔ ساجدہ نے کاغذات پکڑتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا مکان اور کچھ روپے تمہارے نام بینک میں رکھوائے ہیں۔ یہ ان کے کاغذات ہیں۔۔۔

مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔

ابھی نہیں ہے تو کل ضرور ہو گی۔۔۔ ساجد نے زبردستی تمام کاغذات بہن کو دیے تو ساجد غمزدہ ہو کر بہن کے گھر سے چلا گیا۔ بہن کی جدائی پر اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس کے اندر آندھی سی چل رہی تھی۔ وہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان دانے کی طرح پس رہا تھا۔۔۔!

ساجدہ بھائی کو خون کے گھونٹ پی کر ائیرپورٹ پر چھوڑنے آئی۔ ناصر نے ساجد کو امیگریشن روم میں جاتے ہوئے کہا اپنا خیال رکھنا۔ ساجد منہ سے تو کچھ نہ بولا لیکن دکھ اور درد سے سر کو جنبش دے کر اثبات میں سر کو ہلایا۔ یہی کیفیت ساجدہ کی تھی۔ جب ساجد نے ساجدہ کو کمرے سے جاتے ہوئے ہاتھ ہلا کر بائے بائے کہا تو وہ ایک بار پھر اپنے جذبوں پر قابو نہ رکھ سکی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر ائیرپورٹ کے چکنے فرش پر گرنے لگے وہ دل افسردہ ہو کر گھر آ گئی۔۔۔!

25 سال کی عمر میں ہی ساجدہ کے اندر سے وہ عورت مر گئی تھی۔ جو آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے وجود کو گھنٹے سنوارنے میں لگا دیتی ہے۔ اور اپنے انگ انگ کو سنوارنے کے بعد کسی ہم عمر لڑکی سے بڑی حسرت سے پوچھتی ہے۔

میں کیسی لگ رہی ہوں۔۔۔؟

ایسی عورت گویا جو ساجدہ کی روح سے جیسے جدا ہو گیا تھا جو اپنے لباس کو دوسروں کی مناسبت سے پہنتی ہے۔ ساجدہ کے اندر سے وہ عورت بالکل ختم ہو گئی تھی۔ جو کسی مرد کے لیے تڑپتی ہے۔۔۔ ساجدہ تو ایک کھوکھلی عورت ہو گئی تھی ایک زندہ لاش کی طرح!

ماں باپ کی وفات کے بعد ساجدہ اس ظالم سماج میں اکیلی رہ گئی تھی۔ جس کا احساس اس کو مردہ کر جاتا تھا بھائی کے جانے کے بعد اس گھر میں بھی اس کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔ ناصر ہی تھا جو ساجدہ کو چاہتا تھا۔ ساجدہ احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے اوپر توجہ دینی چھوڑ دی تھی۔ اس نے اپنے آئینے کو بھی توڑ دیا تھا جس میں وہ اپنی کھوئی ہوئی عورت ڈھونڈ سکتی تھی۔

اگر ساجدہ ایک ماں نہ ہوتی تو شاید وہ اس سماج سے رابطہ توڑ چکی ہوتی لیکن اسے زندہ رہنا تھا اپنی اولاد کے لیے ان کے اچھے مستقبل کے لیے۔۔۔!

اس گھر میں اگر کوئی چاہتا تھا تو وہ ناصر ہی تھا وہ اب بھی اپنی بیوی سے بے حد پیار کرتا تھا۔ سسر ساس کی محبت تو پھیکی پڑ گئی تھی۔ بس ان کے لہجے میں ساجدہ کے لیے طنز تھی۔ ایسی طنز جو ساجدہ کے دل کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھیں۔ ناصر بھی اس بات کا نوٹس لے رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے والدین کو روک نہیں سکتا تھا۔ وہ ساجدہ کو کہتا ساجدہ تم ان لوگوں

کی باتوں کا غصہ نہ کیا کرو۔

اب مجھے تو غصہ آتا ہی نہیں اور پھر یہ سب کچھ کہنا ان کا حق ہے۔ جو عورت کسی کو بیٹے دینے کا اختیار نہیں رکھتی تو اسے ایسی باتیں تو سننی ہی پڑتی ہیں۔

ساجدہ کا فقرہ وہ سادہ لب سن کر بیوی کو خوش کرنے کے لیے کہتا۔ ساجدہ چلو میں باہر لے چلوں ذرا دل بہل جائے گا۔ لیکن ساجدہ کا تو اب بالکل جی بھر گیا۔

ناصر تم بھی وقت کے ساتھ سب لوگوں کی طرح مجھ سے بدل تو نہیں جاؤ گے۔

تم اس طرح کیوں سوچتی ہو تم میری بیوی ہو اور پھر مجھے تم سے محبت ہے۔ وہ مسلسل دل شکنی کی باتیں کرتی اور ناصر اسے احساس دلاتا کہ تم اس گھر کی بہو ہو اور تمہیں بھی اتنا حق ہے جتنا گھر کی دوسری بہوؤں کو۔

اسی احساس کمتری میں ایک بار پھر ساجدہ حاملہ ہو گئی۔ اس بار پورے گھر کو امید تھی کہ پہلے کی طرح ساجدہ اس بار بھی ایک لڑکی کو جنم دے گی جبکہ ناصر کو یقین تھا کہ اس بار اللہ اس کو بیٹا دے گا۔ لیکن پیدا اللہ کی پر ساجدہ اور ناصر رونے لگے۔ اس بار بھی بیٹی آ گئی۔ ایک بار پھر سب لوگوں کی نظروں میں شرمندہ ہونا پڑا۔ جس سے وہ مزید احساس کمتری کا شکار ہوتی چلی گئی۔ اب تو اس کے شب و روز بے چینی میں گزرنے لگے۔ اس بار بھی ناصر لڑکی کے پیدا ہونے پر ساجدہ کو امید کا دلاسا دیتا رہا۔

وقت اپنی رفتار سے چلتے ہوئے یک 10 سال گزر گئے۔ ان دس سالوں میں ساجدہ 4 بچیوں کی ماں بن گئی۔ اس نے ان دس سالوں میں بہت کچھ کھویا تھا۔ آج جو گھر اس کے پاس کوئی نہ تھا تو اسے زیادہ ہی تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ اب تو بھائی کے خط تک آنے بند ہو گئے تھے۔ جب سے ساجدہ نے شادی کی تھی وہ بھی اس کو بھول گیا تھا۔ پہلے تو وہ خط بھی لکھتا تھا فون بھی کرتا رہتا تھا۔

ساجدہ دکھوں کا پہاڑ پہلے ہی تھی لیکن اب وہ اپنے اوپر طنز کی بوچھاڑ سنتی تو دکھوں کا بوجھ اور بڑھ جاتا تھا۔ آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے کانوں نے کچھ ایسی باتیں سن لی تھیں۔ جس نے اس کے دل میں چھید کر دیے تھے۔ نہ تو اس نے اپنی ساس کی باتیں سنی تھی اور نہ سننے کی کوشش کی تھی۔ پھر پتا نہیں کیوں اس کے کانوں میں یہ الفاظ پڑ گئے۔

ناصر مجھے پتا ہے۔ تم اس عورت سے بیٹا نہیں لے سکو گے۔ تم دوسری شادی کر لو۔

ماں میں شادی کر لوں میں چار بچیوں کا باپ ہوں۔ اور پھر ساجدہ بھی عورت ہے۔ وہ اس گھر میں ایک سوکن کو کیسے قبول کرے گی۔

وہ کیا ہے اس کا بھائی ایک مکان چلی جائے گی وہاں۔ ناصر کی ماں چیخ چیخ کر سنا رہی تھی۔ ناصر خاموش کھڑا سن رہا تھا۔

میں نے تمہارے لیے رشتہ دیکھ لیا ہے وہ لوگ تمہارے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہیں۔ بیٹا تم اکیلے وارث ہو تمہارے پاس اتنی دولت ہے۔ کبھی تم نے سوچا ہے اس دولت کو سنبھالنے والا تمہارا وارث ہونا چاہیے۔ تمہارے بھائیوں کے بیٹے ہیں ان کا کاروبار ان کے لڑکے سنبھال لیں گے تمہارا کاروبار کون سنبھالے گا۔ ماں کے اس جملے پر بھی ناصر خاموش رہا۔ ماں نے جلتی پر تیل ڈالتے ہوئے دوبارہ کہا۔

باپ کا کاروبار اس کے بیٹے ہی چلاتے ہیں۔ ناصر اس سے آگے نہیں سن سکا تھا وہ اندر چلا گیا۔ اندر اس کی بیوی تھی جس نے اس کی طرف دیکھا۔ ناصر بھی کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا۔ وہ رات گئے تک گھر آتا تھا۔

اور ساجدہ سے بھی بہت کم بات کرتا تھا۔ بس آتے ہی سو جاتا تھا اور صبح جلدی ہی چلا جاتا تھا۔ اس لیے بچوں سے بھی کبھی ملاقات ہوتی تھی۔

آپ کی والدہ شادی کر رہی ہیں آپ کی۔ ساجدہ نے متلاشی نظروں سے پوچھا۔

کیا کروں، پریشان کر دیا ہے مجھے کاش میرے پاس بھی بیٹا ہوتا۔ ناصر نے افسردہ سی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ شاید ماں بھی ٹھیک ہی کہتی ہے۔ سب بھائیوں کے بیٹے ہیں ان کا کاروبار تو وہ سنبھال لیں گے۔ میرا کاروبار کون سنبھالے گا۔

گویا آپ بھی شادی کرنا چاہتے ہیں.....

اف خدایا کیا کروں باہر کام اتنا ہے سکون نہیں ملتا اور گھر میں تم لوگ سکون نہیں لینے دیتے..... کیا عذاب ہے..... ناصر نے جھنجھلا کر کہا۔

ہاں اب عذاب بن گئی ہوں میں تمہارے لئے تم اب مجھ سے محبت تو نہیں کرتے بیکار ہو گئی ہوں تمہارے لئے اس گھر کے لئے باہر پھینک دو مجھے کیونکہ میں تمہیں بیٹا نہیں دے سکتی۔

خدا کے لئے ساجدہ میرا دماغ نہ خراب کرو میں پاگل ہو جاؤں گا..... ناصر نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں..... ہاں اب میں نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں جب کوئی دوسری عورت مل جاتی ہے ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ پھر اپنی عورت عذاب لگتی ہے۔ تم دوسری شادی ہی کرنا چاہتے ہو.....

ہاں..... ہاں میں دوسری شادی کروں گا.....

اس دن کے بعد سے واقعی ناصر نے ساجدہ کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی تھی۔ اس کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ اکثر رات گئے گھر آتا اور سیدھا سو جاتا۔ نہ ساجدہ سے بات نہیں کرتا تھا کئی کئی دن وہ ایک دوسرے سے باتیں نہیں کر پاتے تھے۔ اس کا اثر ساجدہ پر تو تھا ہی بچے زیادہ ہی اثر لے رہے تھے..... وہ اکثر ماں سے پوچھتے ماما..... پاپا ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتے۔ اب تو وہ ہمیں سیر بھی نہیں کرواتے..... آخر پاپا ایسا کیوں کرتے ہیں..... ساجدہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا وہ بس یہ کہہ کر بچوں کو دلاسا دیتی۔ تمہارے پاپا آج کل کام میں مصروف ہیں اس لئے ان کو وقت نہیں ملتا.....

ساجدہ اندر ہی اندر سوچتی رہتی تھی کہ اب ناصر کو مجھ سے محبت نہیں رہی حالانکہ اب بھی اس نے خود ہی ناصر سے محبت سے شادی کی تھی.....

جب بھی ناصر گھر آتا تو اس کے لہجے میں نفرت تھی۔ ساجدہ ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن ایسا کرنا نہ کرنا اس کے بس کی بات بھی نہ تھا۔

وقت اپنی رفتار سے اپنی ہی ڈگر پر چلا جا رہا تھا مگر وقت ساجدہ کے لئے منحوس تھا اور اس کے لئے ایک امتحان سے کم نہ تھا۔

یہی وقت ایک شام ایسی بھی لے آیا جس نے اس کے سر پہاڑ گرا دیا۔ اس کے تمام خدشات کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔ وقت نے اس کے دل پر ایسا کاری زخم لگا دیا تھا کہ مندمل ہوتے ہوتے زندگی بیت جاتی ہے۔ اس ظالم وقت نے اس کے غموں کی فہرست میں ایک اور باب کا اضافہ کر دیا تھا۔

رات کے 11 بجے تھے۔ ساجدہ اور بچے سو چکے تھے۔ آہٹ پر ساجدہ کی آنکھ کھل گئی۔ اسے پتا تھا کہ اس وقت ناصر آیا ہوگا۔ اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی تو بارہ بج کر پانچ منٹ ہو رہے تھے۔

ناصر اندر آیا تو دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ ناصر آتے ہی بیٹھتے ہی وہ بولا تھا کہ ساجدہ تم کام کیوں آ گئی ہو میرے تو آتے ہی بچے مجھ سے پوچھتے ہیں میں ان کو کیا جواب دوں.....

ناصر نے بچوں کو دیکھا جو معصومیت بھری نیند سو رہے تھے۔ پھر ناصر نے پرسکون لہجے میں کہا ساجدہ دوسرے کمرے میں آؤ میں تمہارے ساتھ ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔

ساجدہ نے کچھ سوچا پھر وہ خاموشی اختیار کرتے ہوئے بچوں کے ساتھ والے کمرے میں چلی آئی۔ کہو..... کیا بات ہے؟

ساجدہ میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا کیونکہ ایک نہ

ایک دن تو تمہیں اس حقیقت کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔۔۔

بات کرو کیا بات ہے۔۔۔؟ ساجدہ نے بات بیچ میں کیا

ساجدہ میں نے شادی کر لی ہے۔۔۔ ناصر نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

شادی۔۔۔ ساجدہ نے ایک قہقہہ لگایا رات کے سناٹے میں یہ قہقہہ کمرے کی در و دیوار سے ٹکرا کر اس کے ہی کانوں کے پردوں کو تار تار کر گیا۔

تم نے شادی کرتے وقت نہیں بتایا تو اب کیوں بتا رہے ہو۔۔۔ ناصر۔۔۔؟

ساجدہ مجھے ۔۔۔ کیا مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔۔۔؟

محبت تو اپنے منہ سے ایسے الفاظ زہر لگتے ہیں یہ تمہارے منہ یہ الفاظ۔۔۔

میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے ایک وارث کی تلاش ہے اس لئے شادی کی ہے۔۔۔

اب مجھ سے کیا چاہتے ہو۔۔۔؟ ساجدہ نے تیور بدلتے ہوئے پوچھا۔

ساجدہ میں غلط نہیں ہوں میں جو کچھ کہتا ہوں اس کا غلط مطلب نہ لو۔

ساجدہ میں کومل کو اس گھر میں لانا چاہتا ہوں لیکن کومل۔۔۔

کومل۔۔۔ میں سن رہی ہوں۔۔۔ ناصر کے خاموش ہونے پر ساجدہ نے کہا۔

کومل کا کہنا ہے میں اس وقت تک تمہارے گھر نہیں جاؤں گی جب تک تم۔۔۔ ناصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

مجھے پتا ہے آگے تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ یہی کہو گے کہ تم اس گھر سے چلی جاؤ تاکہ میں اپنی آسائش کو گھر لا سکوں۔۔۔

ساجدہ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔

تم کیا میں سب مردوں کو سمجھتی ہوں تم عورت کو ایک آسائش سمجھتے ہو سہولت سمجھتے ہو لہٰذا یہ سہولت جس کو جب چاہا باہر پھینک دیا اور نئی لے آئے۔۔۔ ناصر بڑی خاموشی سے ساجدہ کی طنز کو برداشت کر رہا تھا ساجدہ کی باتیں تلوار کی طرح کاٹ رہی تھیں۔

ساجدہ میں چاہتا ہوں تم اپنے بھائی کے دیئے ہوئے گھر چلی جاؤ۔۔۔ یقین جانو میں تمہارے پاس آتا رہوں گا اور ہر ماہ باقاعدگی سے خرچ بھی دیتا رہوں گا آخر وہ بھی تو خالی پڑا ہوا ہے اور پھر اب وہ تمہارا ہے۔

مجھے افسوس ہے تمہاری سوچ کی طرح تمہاری ذہنیت بھی تنگ ہے اگر تم نے بے وفائی کی حد ہی کر دی ہے تو میں صبح کو اپنے بچوں کو لے کر چلی جاؤں گی ساجدہ نے دل پتھر کر کے اپنا فیصلہ سنایا۔

ساجدہ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میری باتوں کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ مجھے تم سے محبت نہیں رہی مجھے آج بھی تم سے اتنی محبت ہے جتنی شادی کے دنوں میں تھی۔۔۔

تم یہ کہہ کر میرے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہو۔ بس چپ ہو جاؤ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔

ناصر چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا اور ساجدہ دوبارہ اپنے بچوں کے درمیان لیٹ گئی۔ بچے اب بھی بڑی ہی معصومیت سے سو رہے تھے۔ ساجدہ نے بچوں کے چہروں کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔ وہ ساری رات روتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ صبح یہ گھر چھوڑ کر جائے گی تو بچے اس سے سوال کریں گے۔ وہ ان کو کیا جواب دے گی۔

بڑی 2 بچیاں مہک اور شاذیہ ۔۔۔ تھیں مہک کی عمر 8 برس تھی جبکہ شاذیہ کی عمر 6 برس تھی۔ مہک تو دوسری کلاس کی طالبہ تھی۔ ساجدہ کے سمجھانے کے باوجود مشکل ہوتا تھا فیصلہ تو وہ کر چکی تھی۔ اسے اس گھر کو چھوڑنا تھا صبح ہوتے ہی وہ ہمیشہ کے لئے ایک بار پھر اسی گھر میں جہاں سے وہ دس سال قبل دلہن بن کر آئی تھی۔ اب ساجدہ

گھر جانے لگی تو مسک نے بڑی ہی معصومیت سے پوچھا ملا... ہم کہاں جا رہے ہیں...

پہلے تو ساجدہ کو ان کی معصومیت پر رونا آگیا۔ دل پر پتھر رکھ کر اس نے کہا اپنے مکان میں جا رہے ہیں...

کیا مطلب... پاپا... ہم سے ناراض ہیں... شائزیہ نے کہا

نہیں تو... ساجدہ نے کہا تو شائزیہ نے دوبارہ اپنی توتلی زبان میں کہا تو پھر پاپا آپ کو بھی نہیں بلاتے اور ہمیں بھی سیر کے لئے نہیں لے کر جاتے... ساجدہ کے دل کو ٹھیس لگی تو اس نے دل تھام کر کہا بیٹا وہ مصروف ہیں اس لئے ہم سے باتیں نہیں کرتے کیونکہ... بچوں کے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ خاموش ہو کر ان کو اپنے آبائی گھر میں لے آئی...

اس گھر میں آ کر ساجدہ کو ایک بار پھر اپنے ماں باپ بھائی کی یاد آئی اور ان کی یاد میں رونے لگی۔ ایک وقت تھا جب وہ اس گھر سے گئی تھی۔ تو یہاں ایک دنیا آباد تھی۔ جو اسے اپنی جان سے عزیز لگتی تھی۔ اب وہ ایک ویران عمارت تھی۔ جیسے بھوت بنگلہ ساجدہ جس جس چیز کو دیکھتی تو اس کی آنکھوں کے آنسو رواں تھے۔

اس گھر میں اسے رہنا تھا یہاں تھا اپنے لئے نہ سہی اپنے بچوں کے لئے ہی سہی۔ اسے پوری بہادری سے ان مراحل کا مقابلہ کرنا تھا۔ جس سے وہ دوچار تھی۔ ساجدہ نے گھر آنے سے قبل ایک فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب دکھ کو دکھ نہیں سمجھے گی بلکہ دکھ کو زمانے کی ریت سمجھ کر ان کا مقابلہ کرے گی اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائے گی۔ اپنے بچوں کو اس معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام دلوائے گی۔

شام کو ناصر بھی آگیا تو ساجدہ نے بچوں سے علیحدہ ہو کر کہا ناصر پلیز ہم نے تمہاری بات مان لی ہے تم ہم کو بھول جاؤ۔ بس یہی سمجھو ہم تھے ہی نہیں... پلیز تم آئندہ یہاں نہ آنا تمہارے آنے سے بچوں کے ذہن پر اثر پڑے گا...

ساجدہ وہ بھی...

پلیز ناصر ہمیں سکون سے جی لینے دو... یہ کہہ کر ساجدہ دوسرے کمرے میں چلی گئی!

ناصر واپس چلا گیا!

ساجدہ نے سب سے پہلے اپنے بھائی کے دیے ہوئے پیسوں کا حساب لگایا اور بنک سے پتہ کروایا تو 20 لاکھ بڑھ کر 25 لاکھ ہو چکا تھا۔ ساجدہ نے زندہ رہنے کے لئے اور بچوں کے اچھے مستقبل کے لئے ایک منصوبہ تشکیل دیا۔ اس نے رقم نکلوا کر ایک اچھے بنک میں جمع کروائی۔ جس میں سرمایہ بھی محفوظ ہو اور جس سے کم از کم ان کا ایک ماہ گزر آسانی سے ہو۔

پچیس لاکھ روپے کی بچت ماہانہ 20 ہزار کے لگ بھگ تھی یہ رقم ان کے گزر اوقات کے لئے کافی تھی۔

دو بچیاں پڑھنے کے قابل تھیں ساجدہ نے دونوں کو ایک پرائیویٹ سکول میں داخل کروا دیا۔ جبکہ دوسری بچیاں ابھی کافی چھوٹی تھیں... اس کی اب ایک خواہش تھی کہ اس کی اولاد پڑھ لکھ کر اس زمانے میں اپنا مقام بنائے۔

ایک ماہ بعد ساجدہ کو ڈاک کے ذریعے اپنے شوہر کا بھی منی آرڈر ملا تو ساجدہ نے واپس بھیج دیا۔ اس کے پاس اتنی رقم تھی جس سے وہ اپنے بچوں کا گزارہ کر سکتی تھی!

ایک بار پھر وقت ان کے زخموں کی مرہم بن گیا اور دھیرے دھیرے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگے۔ چھوٹی لڑکیاں بھی بڑی ہونے لگیں۔ ساجدہ نے ان کو بھی سکول میں داخل کروا دیا۔ جبکہ بڑی بچیاں اپنی کلاسیں بڑھتی گئیں۔ ساجدہ کو وقت ایک بار پھر اچھا نظر آنے لگا سب معمول پر آنے لگا۔ ساجدہ نے لوگوں کی باتوں کو بھی دھیان نہ دیا۔

جب مسک نے میٹرک پاس کیا تو ساجدہ کو بہت خوشی ہوئی اس کو امید تھی کہ میری محنت رنگ لا رہی ہے۔ ساجدہ نے مسک کو ایک دوسرے کالج میں انٹر میں داخل کروا دیا۔ دو

سال بعد شازیہ نے بھی میٹرک کر لیا۔

ساجدہ نے اسے بھی مسک کے ساتھ کالج میں داخل کروا دیا۔ جبکہ چھوٹی بچیاں ابھی اسکول میں ہی پڑھ رہی تھیں۔

20 سال کی عمر میں مسک نے بی اے کا امتحان پاس کر کے اپنی ماں سے مشورہ لیا کہ وہ وکیل بننا چاہتی ہے تو ساجدہ نے اسے ایل ایل بی کرنے کی اجازت دے دی جبکہ شازیہ نے F.Sc کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا۔

25 سال کی عمر میں مسک نے ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کر لیا وہ اب مکمل وکیل تھی۔ گویا اس نے اپنی ماں کی کوشش کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ ساجدہ بہت خوش تھی۔ کیونکہ اس کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ اس خوشی نے اس کے تمام غموں پر پردہ ڈال دیا تھا۔

شازیہ نے بھی اپنا کورس مکمل کر لیا تھا وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بن گئی۔ ساجدہ کے لیے فخر کی بات تھی کہ اس نے ایک بیوہ عورت ہو کر بیٹیوں کو لائق بنا لیا تھا اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب سکون کے ساتھ مر سکے گی۔

اب بڑھاپا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جو بھی سال گزرتا اس کے سر میں چاندی کے تار پرو رہا تھا۔

ساجدہ سمجھتی تھی اب اس کے غم کٹ گئے ہیں لیکن یہ اس کا وہم تھا اسے پتا ہی نہ تھا وقت اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔

ایک صبح جب مسک اپنے دفتر گئی ہوئی تھی اور شازیہ ہسپتال والی دونوں بچیاں بھی کالج گئی ہوئی تھیں اس وقت ساجدہ گھر پر اکیلی تھی۔ ایک ملازمہ نے آ کر کہا ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں!

نام نہیں بتایا؟

نہیں۔

اچھا تم اس کو بیٹھک میں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔۔۔ ملازمہ چلی گئی تو ساجدہ بھی پیچھے ہی آ گئی۔ جب اس نے ملاقاتی سے ملاقات کی تو اسے ایک زبردست دھچکا لگا تھا۔ سامنے ناصر تھا اتنے برس بعد بھی ساجدہ نے ناصر کو پہچان لیا تھا جبکہ ناصر کافی بدل گیا تھا اس کے سیاہ بالوں کی جگہ سفید بال آ گئے تھے۔

ناصر نے ساجدہ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جانا مناسب سمجھا پہلے تو ساجدہ ششدر نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر نہ جانے کہاں سے اس کے دماغ میں نفرت آ گئی۔ کیا لینے آئے ہیں آپ یہاں۔۔۔؟

میں اپنی بچیوں سے ملنے آیا ہوں۔۔۔

میں تمہیں ان سے ملنے کی اجازت نہیں دوں گی۔۔۔

کیونکہ وہ تمہیں بھول چکی ہیں۔۔۔ میں آج ہی امریکہ سے آیا ہوں۔۔۔ میں نے کنول کو آج سے 20 سال قبل چھوڑ دیا تھا۔۔۔

"آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔۔۔؟

تاکہ اپنا بوجھ ہلکا کر سکوں۔۔۔

مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ آپ کسی کو بھی سنا کر اپنا بوجھ ہلکا کریں۔۔۔

تمہارے جانے کے بعد میں کنول کو گھر لے آیا تو 5 سال تک ہمارے کوئی بچہ نہ ہوا۔ پھر ہمارے مابین جھگڑے ہونے شروع ہو گئے جو بعد میں طلاق کی صورت اختیار کر گئے۔

"آپ یہ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔ میں نے تو آپ سے کوئی فرمائش نہیں کی ہے۔۔۔ ساجدہ میں ماضی پر بہت پشیمان ہوں۔۔۔ اپنے فیصلوں پر پچھتا رہا ہوں۔ میں آج تک تم کو نہیں بھلا سکا ہوں۔ میں اولاد کے لیے بھی ترس گیا ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ واقعی میں نے تمہیں بہت دکھ دیا ہے۔

دیکھیں ناصر اب ہم نہیں مل سکتے کیونکہ ہمارے راستے میں بہت اونچی اونچی دیواریں آ گئی ہیں جنہیں ہم نہیں گرا سکتے۔ بہتر یہی ہے ہم بھول جائیں۔

اگر تم مجھ سے نہیں ملنا چاہتی تو ٹھیک ہے کیونکہ میرا جرم

ناقابل معافی ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ میں یہاں نہیں آؤں گا کیونکہ تمہیں کبھی بھی کسی بھی جگہ نہیں ملوں گا۔ اسے پتا تھا کہ ساجدہ بہت ضدی عورت ہے وہ کبھی اس کو اولاد سے نہیں ملوائے گی۔

تھوڑی دیر بعد ساجدہ اپنی بچیوں کی تصویریں لے آئی۔ ناصر نے اپنے بچوں کی تصویروں کو بوسے دینا شروع کر دیئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ناصر بار بار اسے بوسے دے رہا تھا۔ ساجدہ بھی کھڑی ناصر کی بے بسی کو دیکھ کر رو رہی تھی۔ اسے اس وقت ناصر پر ترس آ رہا تھا۔ اس کے دل میں ہمدردی آگئی تھی۔ لیکن وہ اس کو ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

ساری رات ساجدہ ناصر کے بارے میں سوچتی رہی۔ مجھے اپنے بچوں سے ناصر کی ملاقات کروا دینی چاہئے تھی۔ آخر وہ ان کا باپ تھا۔ ساجدہ نے سوچا۔ شاید ناصر کا ہی قصور نہیں تھا ان دیواروں کو تعمیر کرنے میں میرا بھی قصور تھا۔ وہ ساری رات ایسی ہی باتیں سوچتی رہی!

اگلے دن صبح نو بجے ساجدہ کو ایک آدمی نے ناصر کا خط دیا۔ جب ساجدہ نے خط پڑھا تو اس کے آنکھوں تلے اندھیریاں سی چلنے لگیں۔ اسے چکر آنے لگے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان ٹوٹ رہا ہے اور زمین پر ساری انسانیت کو مار ڈالے گا۔ خط میں لکھا تھا۔

ڈیئر ساجدہ!

میں تم سے آج بھی اتنی محبت کرتا ہوں جتنی شادی سے قبل اور شادی کے بعد میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا لیکن حالات ہی کچھ ایسے رونما ہوئے۔ جس نے ہمیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ میں نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں۔ پھر بھی میں بے وفا نہیں تھا تم اگر مجھ پر ایک مہربانی کر سکو تو یہ میرے اوپر احسان ہوگا کہ تم مجھے معاف کر دو۔

میں اپنی اولاد سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن میں تمہیں اور دکھ بھی نہیں دینا چاہتا تھا اس لئے میں نے اپنی خواہشات کو دبا دیا ہے۔

میں جا رہا ہوں...... میں اس دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یعنی میں خودکشی کر رہا ہوں اگر میں زندہ رہا تو مجھے سوائے دکھوں کے کچھ نہیں ملے گا میں اعتراف کرتا ہوں تم ایک بہادر عورت ہو لیکن میں بہادر نہیں ہوں۔ میں پچھتاوے کا زہر برداشت نہیں کر سکتا میں زندہ رہ کر سسک سسک کر نہیں رہ سکتا اس لئے میں جا رہا ہوں۔ آخر میں میری یہ التماس ہے مجھے معاف کر دینا۔

اور ہاں میں سب کچھ اپنا اپنی اولاد کے نام کر کے جا رہا ہوں کیونکہ اب میری وارث میری بیٹیاں ہے۔ میرے مرنے کے بعد وکیل سارے کاغذات تمہیں پہنچا دے گا اور میرے بچوں کو میرے متعلق کچھ نہ بتانا۔

شکریہ تمہارا مجرم ناصر!

نہیں ناصر میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی تم میرے مجرم نہیں ہو میں تمہاری مجرم ہوں۔ ناصر تم خودکشی نہیں کر سکتے۔ ساجدہ نے سوچتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھالیا اور ناصر کے گھر فون کیا لیکن دوسری طرف سے کسی نے بھی فون نہیں اٹھایا۔

پھر ساجدہ خود اپنے ہسبنڈ کے گھر گئی۔ گھر پر تالے پڑے ہوئے تھے۔

ساجدہ سارا دن ناصر کو ڈھونڈتی رہی لیکن ناصر ساجدہ کو نہ ملا۔ سب پارک، ہوٹل چھان مارے...... ہر جگہ دیکھا لیکن ناصر نہ ملا۔

اگلی صبح اس نے اخبار میں ناصر کے مرنے کی خبر پڑھ لی۔ ساجدہ کتنی دیر تک اپنے شوہر کو یاد کر کے روتی رہی۔ لیکن اس رونے کا کوئی فائدہ نہیں رہا تھا۔ ناصر جاتے جاتے ایک پچھتاوے کا تازیانہ چھوڑ گیا تھا جو ساجدہ کے جسم میں ایک عذاب برپا کئے ہوئے تھا اب وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔ سوائے پچھتاوے کے۔ کیونکہ اس نے کچھ زیادہ ہی ضد کر دی تھی۔ جس کا خمیازہ اسے ساری زندگی بھگتنا تھا۔ سسک سسک کر ایک بے جان لاش کی طرح......!!

ہوس کی ماری ایک عورت کی کہانی جس نے اپنے
آشنا کی خوشنودی کے لیے اپنی معصوم بچی کو قتل کر دیا

بے قابو

زین العابدین

کچھ لوگوں کا یہ محبوب مشغلہ ہوتا ہے کہ جہاں جمع ہوں غیر ضروری گپ بازی اور گپ بازی کے دوران دوسروں کی غیبت کرنے میں ہی اپنا وقت صرف کریں۔ ایسے لوگ ہر کسی کے گھر کی خبر رکھتے ہیں کہ کس کی عورت کس کردار کی ہے۔ کون سے گھر کا فرد کون سے دو نمبر کام کر رہا ہے یہاں تک کہ فلاں دن فلاں گھر میں کیا پکا تھا اور اب کیا پکنے والا ہے۔

ایسے ماحول میں اگر کسی مکان میں نیا کرائے دار آ جائے تو لوگوں کا تجسس اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ جب تک نئے لوگوں کی پوری رام کہانی معلوم نہ کرلیں چین سے نہیں بیٹھتے۔

رانا اور شیلا بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ کام دھندے کا ان لوگوں کا یہ عالم تھا کہ ہفتے میں ایک آدھ دن اگر محنت مزدوری کر بھی لیتے تو جب تک اس کمائے پیسے کو بیٹھ کر چٹ نہیں کر جاتے تب تک دوسرا کام ڈھونڈنے نہیں نکلتے اور یہی وجہ تھی کہ دونوں کی بیویاں انہیں چھوڑ کر جا چکی تھیں۔

بیویوں کے جانے کے بعد انہوں نے بھی راحت کی ہی سانس لی تھی کہ چلو جھنجھٹ سے نجات ملی۔ اب تو انہیں نہ تو اندھوں کو دینا تھا اور انہیں بہروں سے لینا۔ دن بھر دونوں اپنے اپنے پڑوسیوں کے گھروں کی تاک جھانک کرتے اور پھر ایک ساتھ بیٹھ کر ان میں مین میخ نکالتے۔

ابھی ایک ماہ پہلے کی ہی بات ہے جو لال صوت کے مکان بی بی منسا نگر محلہ چاند والی (دو جنبی) تھانہ دھنسار میں ایک نیا جوڑا بطور کرائے دار آ کر رہ رہے تھے ان کے ساتھ ایک پانچ سال کی لڑکی بھی تھی۔ رانا اور شیلا نے جب اس نئے جوڑے کو دیکھا تو اپنا سارا کام دھندہ چھوڑ ان کا جغرافیہ معلوم کرنے میں جٹ گئے۔

آخر کار کئی دنوں کی بے پناہ کوشش کے بعد وہ یہ پتہ لگانے میں کامیاب ہو گئے کہ کرائے دار کا نام اکل منڈل ہے اور اس کے ساتھ کی عورت کا نام رینا ہے اور وہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ ان کی اکلوتی بچی کا نام ریتا تھا لیکن وہ یہ پتہ نہیں لگا سکے کہ وہ کہاں سے آئے تھے اور کیا کام کرتے تھے۔

ایک دن رات کے گیارہ بجے رانا نے شیلا سے کہا۔

دوست کل سے گھر میں کھانے کے لیے ایک دانہ بھی نہیں ہے۔ بڑی پریشانی کا عالم ہے۔



شیلا رما کی بات سن کر سنجیدہ ہو گیا اور اس لہجے میں بولا۔

یار اپنی بھی وہی حالت ہے جو تمہاری ہے۔

تو دوست صرف سوچنے سے کام نہیں چلنے والا کچھ چکر چلانا ہوگا سوچو کیا کیا جائے۔

رما کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اچانک چٹکی بجا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

ہو گیا… مسئلہ حل ہو گیا… سمجھو مہینہ بھر کے خرچ کا انتظام ہو گیا۔

کیسے……؟

وہ جو نیا کرائے دار آیا ہے نا…… اول منزل۔ آج کی رات اس کے گھر نقب لگا کر اس کے گھر کے مال پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ وہ دونوں ہمیں پہچانتے بھی نہیں ہیں اگر دیکھ لیے گئے تو بھاگ

لیں گے کوئی جھگڑا کھڑا نہیں ہو گا۔

بات تو ٹھیک ہے۔ شیلا کو بھی رملا کی بات جچ گئی۔

پھر دونوں دوست اسی رات تیسرے پہر اہل منڈل کے مکان کے پاس پہنچ گئے۔ لیکن ان دونوں کو یہ دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ اتنی رات گئے بھی دونوں میاں بیوی جاگے ہوئے تھے۔ اور اندر سے دونوں کے مابین کچھ کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دونوں نے خوب کوشش کی مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اتنی رات گئے گھر میں کیا کھٹ پٹ ہو رہی ہے۔ اس رات وہ دونوں ناکام و نامراد لوٹ آئے۔

اس واقعے کے بعد سے ایک ہفتے تک رملا اور شیلا ان دونوں میاں بیوی کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہے لیکن اس دوران انہیں ان کی بچی رینا نظر نہیں آئی۔ رملا نے کہا۔

کیا یہ بات تعجب کی نہیں کہ ایک ہفتے سے اہل منڈل کی بچی رینا نظر نہیں آئی۔

ہے تو تعجب کی بات لگتا ہے دال میں کالا ہے۔

میرا خیال ہے اس کی اطلاع پرنسپل صاحب کو دینی چاہیے۔ وہ چھان بین کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

چاندواری محلے میں وی پی سنگھ کالج کے پرنسپل رام نریش سنگھ کا بنگلہ تھا۔ اس دن صبح پرنسپل صاحب سو کر اٹھے ہی تھے وہ رملا اور شیلا کو پہلے ہی سے جانتے تھے۔ دونوں کو دیکھتے ہی چونک کر بولے۔

کیوں بھئی رملا شیلا خیریت تو ہے؟ آج اتنی صبح صبح کیسے آنا ہوا؟

سر ہم تو ٹھیک ٹھاک ہیں لگتا ہے پڑوس میں خیریت نہیں ہے۔

کیا ہوا پڑوس میں؟

سر۔۔۔ رملا نے رازدارانہ انداز میں آگے بڑھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

ٹولال مسوت کے گھر میں جو کرائے دار آئے ہیں ان کی اکلوتی بچی ایک ہفتے سے کہیں غائب ہے۔

اچھا۔۔۔۔؟

پرنسپل صاحب نے کہا۔

میں آج ہی کالج سے لوٹ کر معلوم کروں گا۔ اب تم لوگ اپنے گھر جا کر آرام سے بیٹھو۔

رام نریش شرما جانتے تھے کہ ان دونوں کا کام تل کو پہاڑ بنا کر بے کار کی سنسنی پھیلانے کا ہے۔ اس لیے انہوں نے ان دونوں کو ٹال دیا۔

رملا اور شیلا گھر لوٹ گئے۔ شام کو جب پرنسپل صاحب کالج سے لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ پڑوسی ٹولال متے کے گھر کے باہر جمع ہیں۔ کیا ماجرا ہے یہ دیکھنے کے لیے وہ بھی وہاں جا پہنچے اور لوگ بھی جمع ہو کر بچی کے موضوع کو لے کر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ رام کھیلاون پان والا نے کہا۔

مجھے تو لگتا ہے وہ بچہ ان دونوں کا تھا ہی نہیں۔

پھر وہ کس کا بچہ تھا؟

لگتا ہے وہ دونوں کسی کی بیٹی کو اغوا کر لائے تھے اور پھر پیسے نہ ملنے پر بچی کا خون کر دیا۔

خون کر دیا؟ پرنسپل صاحب نے چونک کر پوچھا۔

اس جوڑے سے بھی اس ضمن میں کسی نے دریافت کیا؟

ایک خاتون نے جواب دیا ہم لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ عورت کا کہنا ہے کہ وہ اس کی بیٹی تھی جسے ان لوگوں نے اسے اس کے ماما کے گھر بھیج دیا ہے۔ لیکن سر ہمیں تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔ کیونکہ کسی پڑوسی نے بچی کو لاتے لے جاتے نہیں دیکھا تھا۔

پرنسپل صاحب کو بھی لگا کہ واقعی دال میں کچھ کالا ہے۔ انہوں نے اس کی تحریری اطلاع دھنسار تھانے کو دے دی۔ تھانہ انچارج مسٹر اے کے سنگھ جانتے تھے کہ پرنسپل رام نریش سنگھ ایک ذمہ دار سوشل ورکر ہیں اس لیے آسانی سے ان کی درخواست کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تحریری رپورٹ میں اغوا اور قتل کا اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس لیے تھانہ انچارج نے متعلقہ ڈائری میں نوٹ کر کے اپنے نائب اے ایس آئی مسٹر ونود کمار سنہا اور دو سپاہیوں کو لے کر موقع واردات کی جانب رواں ہو گئے۔

انل منڈل اور اس کی بیوی مینا دونوں گھر پر ہی موجود تھے۔ انل منڈل چوکی پر بیٹھا تھا اور مینا روٹی پکا رہی تھی۔ پولیس کو اپنے دروازے پر دیکھ کر دونوں سہم کر کھڑے ہو گئے۔ تھانہ انچارج نے اپنی کڑک دار آواز میں ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

دونوں میاں بیوی بوکھلا اٹھے۔ مینا بولی۔

حضور! ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ یہ تو پڑوس والوں کی مہربانی ہے جو بلاوجہ ہم لوگوں کو پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنی بچی کو اس کے ماما کے گھر بھیج دیا ہے۔

پولیس نے مینا کی بات پر دھیان دیے بغیر گھر کی تلاشی شروع کر دی۔ کافی تلاش کے بعد بھی ایسی کوئی چیز یا سراغ نہیں ملا جو جرم ثابت کرتا۔

لیکن نہ جانے کیوں اے ایس آئی ونود کمار کا دل ان دونوں کو بے قصور تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ انہیں ان دونوں کے چہروں پر الجھنوں کی بوچھاڑ صاف نظر آ رہی تھی۔ پولیس ان دونوں کو تھانے میں لے آئی۔ تھانے میں دونوں سے الگ الگ پوچھ تاچھ کی۔ مینا سے پوچھ تاچھ لیڈیز پولیس نے کی۔

پہلے تو دونوں پولیس کو بہکاتے رہے لیکن لیڈیز پولیس کی سختی کے ساتھ پوچھ تاچھ کے دوران مینا ٹوٹ گئی۔ اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بیان دیا۔

میں پاپی ہی ڈائن ہوں۔ مجھے پھانسی پر لٹکا دیجیے۔ میں نے پیار میں اندھی ہو کر اپنے جگر کے ٹکڑے ---- اپنی بچی ریتا کا خون کر ڈالا۔ میں ممتا کے نام پر کلنک کا ایک سیاہ داغ ہوں۔ مجھے جان سے مار دیا جائے۔

مینا کی زبانی خون کی بات قبول کرنے کے بعد پولیس اپنی فورس کے ساتھ موقعہ واردات وی پی سنہا نگر کے نولال منہ کے گھر جا پہنچی اور پھاوڑا منگوا کر مینا کے روم کی اس جگہ سے کھدائی شروع کر دی جہاں مینا نے چولہا بنایا تھا۔

تھوڑی سی کھدائی کے بعد ہی ناک سے بدبو کا ایک جھونکا سا ٹکرایا۔ چولہے کے نیچے زمین میں

رینا کی لاش چولہے کی گرمی سے جھلس کر ہڈی چھوڑ چکی تھی۔ اس کی فراک صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر اٹکی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں بچی کی لاش دیکھ کر پڑوسیوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

تھانہ انچارج نے پانچ سالہ رینا کی لاش کی ایف آئی آر تیار کر کے لاش پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ بھیج دی اور ایک بار پھر سے معاملے کی تحقیق شروع کر دی۔

اس تحقیق کے دوران جو کہانی سامنے آئی وہ بڑی حیرت انگیز تھی رینا کے ہی الفاظ میں۔

لوگ کہتے ہیں میں بچپن سے ہی بے حد خوبصورت تھی۔ میں جب پڑوس میں بچوں کے ساتھ کھیلنے جاتی تو میری ماں میرے گال پر کالا ٹیکا دیتی کہ کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ میرے والدین کے ذریعہ شروع سے ہی یہ احساس کرا دیا گیا تھا کہ میں بہت خوبصورت ہوں۔ الف لیلوی داستان کی شہزادیوں کی طرح حسین ہوں۔

گھر والے میری ہر ضرورت اور مانگ فوراً پوری کر دیتے تھے۔ نتیجے کے طور پر ہر وقت میرا دماغ ساتویں آسمان پر رہتا اور جب میں لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھے تو لگا جیسے میں ہوا کے دوش پر سوار ہوں ہر وقت ذہن میں حسین خواب تیرتے رہتے۔ تصور میں سوچتی میرا شوہر کیسا ہو گا۔ میرے جیسا ہی خوبصورت کسی فلم کے ہیرو جیسا حسین اور وجیہ کار اور کوٹھی کا مالک۔

اسی تصوراتی دنیا کی سیر کرتے ہوئے میرا سولواں ساون گزر گیا۔ ایک دن میرے والد گوری شنکر اپادھیائے نے میری ماں سے کہا۔

وہ لڑکا بے حد خوبصورت اور توانا تندرست ہے۔ گھرانہ بھی خوشحال ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ایسا سندر گھر اور ور کہاں ملتا ہے۔ میں نے رینا کی شادی آرا ضلع کے شترو گھن تیواری کے ساتھ طے کر دی ہے۔

والد کی بات سن کر ماں خوشی سے جھوم اٹھی۔ لیکن اس رات میں سو نہیں سکی۔ بار بار سوچتی کاش شادی سے پہلے ایک بار میں اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھ لوں۔ لیکن میرے سماج کی روایت کے مطابق شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کا ایک دوسرے کو دیکھنا ممنوع ہے۔ بہرکیف شترو گھن کے ساتھ میری شادی کر دی گئی۔ اور میں ڈولی میں سوار ہو کر اپنے سسرال آرا چلی گئی۔

اسی رات میں حجلہ عروسی میں ایک نئی زندگی کے تصور کے ساتھ ہی شوہر کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ جتنی جلد ہو سکے شوہر کے دیدار ہو جائیں۔ میں پکے ہوئے آم کی طرح اپنے آپ کو اس کی باہوں میں ڈالنے کے لیے بے قرار تھی۔ تبھی اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ کوئی اندر آیا اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کیونکہ میں سمجھ چکی تھی کہ میرا شوہر آ چکا ہے۔ وہ میرے پلنگ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مارے شرم کے میں چھوئی موئی ہو گئی۔ اس نے میرے ہاتھ کو اپنے کھردرے ہاتھ میں لے کر میرا گھونگھٹ الٹ دیا۔ میں نے شرماتے ہوئے اپنی نظریں اٹھائیں اور

اس سے نظریں ملتے ہی میرے خوابوں کا محل ریت کی دیواروں کی طرح بھربھرا کر ڈھیر ہو گیا ایک۔ ایک برق باراں نے میرے خوابوں کے محل کو جلا کر خاک کر دیا۔ سپنوں کے حسین جزیرے بھاپ بن کر اڑ گئے۔

اس کا چہرہ اتنا بدصورت تھا کہ ایک بار تو سہم کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں کالا چیچک زدہ چہرہ اتنا قد، آگے کو نکلی ہوئی ہے، بجلم تو تمہ "کہتے ہیں سہاگ رات کسی بھی عورت کے لیے خوش نصیبی کی سوغات ہوتی ہے لیکن میرے لیے یہ رات دوزخی راتوں کی طرح عذاب ناک بن گئی۔ میں چاہ کر بھی اف تک نہیں کر سکی اور ایک زندہ لاش کی طرح خود کو اپنے شوہر کے حوالے کر دیا۔

یوں تو میرے سسرال والے میری بے حد قدر و عزت کرتے تھے لیکن پہلے ہی دن سے میرے دل میں نفرت کی جو کونپل پھوٹی تھی وہ دن بہ دن وہ پروان ہی چڑھتی رہی۔ کچھ ہی دنوں میں میرے اور میرے شوہر کے درمیان لڑائی جھگڑے رہنے لگے۔

اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہم دونوں جھگڑ پڑتے۔ زندگی عذاب بن گئی۔ کسی نہ کسی طرح دو سال گزر گئے اس دوران میں نے ایک بچی کو جنم دیا۔ جس کا نام ریتا رکھا گیا۔ اب میری زیادہ توجہ ریتا کی طرف مبذول ہو گئی۔ دن مہینے اور مہینے برسوں میں تبدیل ہو گئے۔ ریتا دیکھتے ہی دیکھتے پانچ سال کی ہو گئی۔

ایک دن میں کچھ خریداری کرنے بازار گئی واپسی میں کوئی سواری نہیں مل رہی تھی میں سواری کے انتظار میں پریشان کھڑی تھی کہ ایک کار والے نے مجھے کار کی لفٹ کی پیش کش کی۔ میں کار میں بیٹھ گئی اس نے مجھے گھر لا کر چھوڑ دیا۔ راستے میں اس نے میرے حسن کی تعریف دل کھول کر کی۔ لگتا تھا وہ پہلی ہی نظر میں مجھ پر فریفتہ ہو گیا تھا۔

مجھے اس کی تعریف اور وہ شخص اچھا لگا۔ اسی دن سے وہ شخص میرے گھر کے چکر لگانے لگا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر میں جو اپنے شوہر سے پہلے دن سے ہی متنفر تھی اس شخص کو اپنا دل ہار بیٹھی اور اپنے شوہر سے نجات پانے کی فکر میں لگ گئی۔

اور ایک دن ایسا بھی آیا جب میں اپنے شوہر سے طلاق لینے میں کامیاب ہو گئی۔ طلاق کی بات سن کر میرے میکے والے بے حد ناراض ہوئے۔ ان لوگوں نے یہ کہہ کر اب میں ان کے لیے مر چکی ہوں قطع تعلق کر لیا۔ میں بھی اپنے میکے والوں سے خوش نہیں تھی۔ کیونکہ انہیں لوگوں نے شکور جیسی بدصورتی کو مجھ پر تھوپ کر میری زندگی عذاب بنائی تھی۔

ویسے بھی مجھے اب کسی کی کوئی فکر نہیں تھی اور نہ ہی کسی سے کوئی واسطہ رکھنے کی ضرورت کیونکہ میرا کار والا عاشق اکمل منڈل مجھے حاصل کرنے کے لیے بے قرار بیٹھا تھا۔ میں اپنی بیٹی ریتا کو لے کر اس کے پاس آ گئی۔ اکمل منڈل میرے اوپر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ اس نے میری بیٹی ریتا کو بھی فوراً قبول کر لیا اور اپنے ساتھ ممبئی لے کر دھنباد آ گیا۔

وجہ تھا۔ وہ جہلم میں اس نے ہمیں کرائے کے ایک مکان میں رکھ چھوڑا تھا۔ روز وہ رات کو آتا اور صبح چلا جاتا۔

ایک دن امل منذل میرے لیے پھولوں کا ایک گلدستہ لے کر آیا۔ اس دن وہ کافی خوش نظر آ رہا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے مجھے گلدستہ پیش کیا اور بانہوں میں بھر کر بولا۔

مینا آج میں بہت خوش ہوں کچھ ہی دن بعد ہم لوگ ایک بہت ہی عالیشان بنگلے میں ہوں گے مگر تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔

میں نے اس پر خود کو سو جان سے وارتے ہوئے کہا۔

حکم کرو میرے سرتاج تمہاری خوشی پر میں اپنی جان تک نچھاور کر سکتی ہوں۔

تمہاری یہ بچی ہماری خوشیوں میں رخنہ ڈالے ہوئے ہے۔ میں چاہتا ہوں اسے اپنی خوشیوں کے راستے سے الگ ہٹا دیں۔

اس نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔

میں ریتا کو دل و جان سے بھی زیادہ چاہتی تھی۔ امل کے منہ سے یہ بات سن کر میری ممتا لہولہان ہو اٹھی اور میں سکتے کی سی کیفیت میں خاموش رہ گئی۔ مجھے خاموش دیکھ کر امل منذل نے کہا۔

مینا اگر تم اسے جان سے نہیں مار سکتیں تو کسی دوسرے مقام پر تو بھیج سکتی ہو۔

میں اس پاگل کے پیار میں اتنی اندھی ہو گئی تھی کہ میں نے امل کی یہ تجویز قبول کر لی اسی رات امل منذل ریتا کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اور جہلم ریلوے اسٹیشن کی بھیڑ میں کہیں چھوڑ آیا۔ میں ریتا کی جدائی کے غم میں رات بھر چین سے سو نہیں سکی صبح اٹھ کر دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ دیکھا ایک پڑوسی ریتا کو لیے چلا آ رہا ہے۔

میں جذبات سے بے قابو ہو گئی اور ریتا کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ اس شخص نے کہا۔

آپ لوگ کیسے ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کا بھی دھیان نہیں رکھتے۔ آپ کی بچی اسٹیشن کے باہر کھڑی رو رہی تھی۔ اتفاق سے میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ پہچان کر اپنے ساتھ لے آیا۔

دوسری رات امل جب گھر آیا تو ریتا کو میرے ساتھ دیکھ کر چونکا تو ضرور لیکن کچھ بولا نہیں۔ ہاں صبح جاتے ہوئے اس نے کہا۔

مینا..... مجھے ایک اچھا مکان مل گیا ہے۔ آج ہی ہم لوگ یہ مکان بدل رہے ہیں۔

اس طرح اس مکان کو چھوڑنے کے بعد ہم لوگ دھنسار تھانے سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اس مکان میں آ کر رہنے لگے۔ نئے مکان میں رہتے ہوئے ابھی ایک ماہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات امل منذل نے مجھے بانہوں میں بھر کر کہا۔

مینا ڈارلنگ..... آخر اس طرح گھٹ گھٹ کر ہم کب تک جیتے رہیں گے۔ میں جب بھی ریتا کو دیکھتا ہوں تمہارے پہلے شوہر شتروگھن تیواری کی پرچھائیاں دکھنے لگتی ہیں۔ جو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھو مینا محبت قربانی مانگتی ہے۔ سچی محبت کرنے والے اپنی محبت کے لیے جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ پھر جب شتروگھن سے آپ کا کوئی

تعلق نہیں رہا تو اس کی اس نشانی کو اپنے سینے سے چمٹائے رہنے کا کیا جواز ہے؟

میں جاہل تھی ---- اہل کے پیار میں ڈائن بن چکی تھی ---- اس کی باتوں میں آگئی اس نے کہا۔

رینا ابھی نیند میں کھوئی ہوئی ہے۔ میں اس کا منہ اور ہاتھ کس کر پکڑ لیتا ہوں۔ تم اپنے منحوس شوہر کی اس ناپاک نشانی کا گلا دبا کر خاتمہ کر دو۔

میں نے آخر کار وہی کیا جو اہل چاہتا تھا۔ اپنی پھول سی بچی کا اپنے ہاتھوں سے گلا دبا دیا۔ رینا کی موت کے بعد اہل نے رینا کی لاش کو فرش کھود کر گڑھے میں رکھا اور اس پر نمک اور کاسٹک سوڈا ڈال کر گڑھے کو مٹی سے بھر دیا۔

پھر اسی مقام پر چولہا بنا دیا جس چولہے پر روز ہم آگ جلا کر کھانا بناتے تھے۔ اہل منڈل نے کہا تھا کہ اس عمل سے رینا کی لاش کا گوشت جلد ہی گل کر مٹی میں مل جائے گا اور بدبو بھی نہیں پھیلے گی۔

لیکن پھر جو کچھ ہوا جیسے ہوا اب آپ کے سامنے ہے۔ شاید بھگوان کی یہی مرضی تھی اب میں بھی زندہ رہنا نہیں چاہتی مجھے پھانسی پر لٹکا دیجئے۔

بینا بڑی دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

دھنسار پولیس نے بینا کے اقبالیہ بیان کی بنیاد پر جرم نمبر 18/9 پر مورخہ 7 جنوری 03ء تعزیرات ہند کی دفعہ 302/201 کے تحت مقدمہ درج کر کے اسے اور اہل منڈل کو دھنباد جیل بھیج دیا۔



ایک مفرور قیدی کی کہانی — جو قانونی اداروں کے لیے عذاب بن گیا

جوشِ محبت

...... صدف صدیقی

جیلر کے منہ پر گرم گرم شوربے سے بھرا ہوا پیالہ گر گیا۔ چابیاں اور پستول چھیننے کے بعد چوری اور ڈکیتی کے شبہے میں گرفتار دو ٹھگ ہوئے جن میں شیرف ہیکسین نے اوکلاہوما کے حکام کے سامنے پیش کرنے کے لیے پکڑ رکھا تھا جیل سے فرار ہو گئے۔

عام حالات میں ایگل کاؤنٹی کے موٹے تازے اور کاہل مزاج شیرف پر ان دو مشتبہ افراد کے فرار سے کوئی اثر نہ پڑتا کیونکہ نیو میکسیکو کے اس علاقے میں مجرم اور مشکوک لوگوں کی فراوانی تھی۔ ٹیکساس اور اوکلاہوما کے افسران کا آنا روز مرہ کا معمول بنا ہوا تھا۔

مجرم گرفتار ہو بھی جاتے تو ان پر جرم ثابت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ انتقام کے خوف سے کوئی بھی شخص ان کے خلاف گواہی دینے کو تیار نہ ہوتا۔

چنانچہ اس جوڑے کا فرار بھی جو اپنے آپ کو بدنام زمانہ گروہ باڈون کے نام پر بلیک جیک بوئن اور وائلڈ بل ہاڈے کہلواتا تھا بے پروائی سے شانے اچکا کر اور خس کم جہاں پاک کہہ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا مگر اسی رات سین برگ مرکنٹائل پر ڈاکا پڑا۔ بندوقیں اور بہت سارا ایمونیشن چوری ہو گیا۔

اس کے علاوہ اگلی صبح جب ہیکسین سانتافی کے سیاسی اور کاروباری دورے سے واپس آیا تو اسے اطلاع دی گئی کہ چور رات کسی وقت اسٹار سیلون کے عقب میں کھڑی ہوئی مانک بلورڈ کی گاڑی کو گھوڑوں سمیت بھگا لے گئے۔

اسی دن وہ گھوڑا گاڑی مانک کی چراگاہ میں سے گزرتی ہوئی دیکھی گئی۔ مانک نے چوک میں کھڑے ہو کر ایک طوفان مچا دیا پھر شیرف اور اس کے عملے کو لعن طعن کرنے لگا۔

اتنا شور مت مچاؤ مانک۔

شیرف نے اسے تسلی دی۔

اگر مجھے تمہاری گھوڑا گاڑی کہیں دوڑتی ہوئی نظر آ گئی تو یقین کرو میں اسے ضرور بدمعاشوں سے چھین کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔

اسی وقت شیرف کا لیوترے چہرے اور غنودہ آنکھوں والا ڈپٹی سیک وحیلر بھی وہاں آ گیا۔ سانتافی سے آنے کے بعد شیرف اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

لو، تم آ گئے شیرف۔



وہ خوش مزاجی سے بولا۔
سیاست کے کیا حال ہیں؟
سیاست کو گولی مارو یہ بتاؤ کہ وہ دونوں قیدی کیسے بھاگ گئے؟
بس بھاگ گئے۔
یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ بھاگ گئے مگر کیسے؟
ادھر سیمن برگ غصے میں پاگل ہو رہا ہے اور ابھی [illegible] تک جانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔
ادھر مانک بوڑھا چلا رہا ہے کہ اگر وہ شیرف ہوتا تو بدمعاشوں کا نام و نشان تک مٹا دیتا۔ میرے خیال میں ہمارے لیے یہی بہتر ہے شیرف کہ ہم لوگ استعفیٰ دے دیں۔
شیرف نے اس کے مشورے پر ذرا توجہ نہ دی۔ اس کی بجائے اس نے گہری سانس لی اور بولا۔
اوہ سیک آخر یہ کیا ہوا اور دوسرے علاقوں کے بدمعاش یہاں کیوں آ جاتے ہیں اور ہماری نیندیں کیوں حرام کر دیتے ہیں یہ لوگ شہروں میں لوٹ مار کر کے اپنا شوق پورا کیوں نہیں کر لیتے اب مجھے ان دونوں بدمعاشوں کی تلاش میں سارے علاقے کی خاک چھاننی پڑے گی۔ کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے سیک کہ وہ کس طرف گئے ہیں؟
کچھ کچھ..... سیک سوچتا ہوا بولا۔
وہ مانک کی گاڑی پر بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔
پھر تم نے انہیں پکڑا نہیں؟
کوشش کی تھی۔
سیک بولا اور چوڑے کنارے والا ہیٹ سر سے اتار کر شیرف کے سامنے رکھ دیا۔ ہیٹ میں ایک سوراخ ہو رہا تھا۔
اوہو ہو ہو۔
حیرت سے شیرف کے ہونٹ دائرے کی شکل اختیار کر گئے۔
وہ گولی کا سوراخ تھا؟
لکڑی سے تو ایسا سوراخ نہیں بنایا جا سکتا؟
اوہ خدایا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے بڑے بدمعاش ہیں۔ انہوں نے ایک افسر کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔
ممکن ہے انہوں نے مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے میرے سر کا نشانہ لیا ہو۔
سیک بے پروائی سے بولا۔
اور ہوا بھی ایسا ہی ہے۔ وہ لب کونس کی ویران کوٹھری میں بند ہو گئے ہیں اور دیکھ لینا وہاں بھوکوں مر جائیں گے۔
میں نے ایک چٹان کی آڑ سے چلا کر انہیں کہا تھا کہ خود کو میرے حوالے کر دیں "اس طرح وہ بھی پریشانیوں سے بچ جائیں گے اور ہم بھی۔ مگر وہ تو بڑے بے ہودہ لوگ ہیں کہنے لگے۔
پہلے ہم تمہیں جہنم رسید کریں گے پھر باہر آئیں گے۔
جب انہوں نے میرے ہیٹ میں سوراخ کر دیا تو میں واپس قصبے میں آ گیا۔ میرے ہیٹ کا ستیاناس ہو گیا ہے۔
تم نے اچھا کیا کہ واپس آ گئے۔ شیرف نے

سنجیدگی سے کہا۔

یون اور ہاڑلے جیسے حقیر بدمعاش اس قابل ہرگز نہیں کہ ایک آفیسر ان کے ہاتھوں سے قتل ہو جائے۔ میں ہاڈا جانے کے لئے کچھ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔ ہم اگلی کو ٹھری کو گھیر لیں گے اور پھر انہیں بھوکا پیاسا مار کر باہر نکلنے پر مجبور کر دیں گے۔ لیکن خدا کرے کہ وہ ابھی تک وہیں ہوں۔

شیرف تیکسی کا مجرموں کو گھیرنے کا طریقہ بہت سادہ تھا۔ اس کے دفتر سے چار بلاک دور ہوٹل اور رانچ کی لابی 'ایپلے' کاؤ بوائز کی ایک پسندیدہ جگہ تھی جو اپنے گھوڑوں پر سوار' آس پاس کے علاقے سے قصبے میں آیا کرتے تھے۔

جب شیرف رانچ کی لابی میں پہنچا اس وقت بھی لابی میں پڑی ہوئی کرسیوں پر تندرست و توانا جسم والے پانچ کاؤ بوائز شراب پی کر قہقہے لگا رہے تھے۔

ے تمہاری مدد کی ضرورت ہے لڑکو۔

رف نے بلند آواز میں ان لوگوں سے کہا۔ لوگ خاموش ہو کر مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

تمہیں مدد کی ضرورت کب نہیں ہوتی شیرف؟

ان میں سے ایک جوان مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

بہرحال تم نے دو چار آدمیوں کو ہنستے بولتے دیکھا لیا مدد کا رونا لے چلے آئے۔ اس بار کون ہے جس سے تم اور سیگ خوف زدہ ہو؟ کیا لوکا ہوا

ے کچھ نئے بدمعاش آ گئے؟

ہم کسی سے خوف زدہ نہیں ہیں' راجر۔

شیرف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تمہیں معلوم ہے نا کہ میں خوامخواہ لوگوں کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر اس بار ہوا یہ ہے کہ بلیک یون اور بل ہاڑلے 'کونس کے کیبن میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ ہم فائرنگ کرتے ہوئے اس کیبن میں گھس کر انہیں باہر گھسیٹ لا سکتے ہیں مگر اس طرح کچھ جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے جو مجھے ہرگز پسند نہیں۔

میرا منصوبہ یہ ہے کہ ہم انہیں گھیر کر ان کا کھانا پینا بند کر دیں۔ اس طرح مجبور ہو کر وہ آپ ہی خود کو ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اس طرح ہمیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔ تمہیں اس علاقے کا تو علم ہو گا ہی وہاں بڑی بڑی چٹانیں اور پتھر بکھرے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ کام دو تین آدمیوں کے بس کا نہیں ہے مگر پانچ چھ آدمی ہوں تو۔

مگر شیرف۔

اس بار بھی راجر نامی نوجوان ہی نے شیرف سے سوال کیا۔

کیا وہ بالکل ہی گدھے ہیں جو وہاں بند ہو کر رہ گئے ہیں؟ آخر وہ لوگ وہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتے؟

کیا خبر بھاگ بھی گئے ہوں۔ میں نے ان کی نگرانی کے لئے سیگ کو بھیج دیا ہے۔

تو پھر ہم لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔

راجر اٹھتا ہوا چلایا۔

چلو دوستو اپنے گھوڑے اور بندوقیں سنبھالو

اور بے چارے شیرف کی مدد کے لئے تیار ہو جاؤ۔
سب لوگ یک زبان راجر کی تائید کرتے ہوئے اٹھے اور بندوقیں لہراتے ہوئے ہوٹل سے باہر آ گئے۔
میں تمہارا شکر گزار ہوں لڑکو۔
شیرف سڑک پر آ کر بولا۔
اگر کسی کے پاس گھوڑا نہیں ہے تو وہ جا کر اصطبل سے لے لے۔ اس کا کرایہ کاؤنٹی ادا کرے گی۔
بیس منٹ بعد شیرف بیگمین، اپنے پانچ اسپیشل ڈپٹیز کے ساتھ گھوڑوں پر سوار قصبے سے باہر جانے والی سڑک ناپ رہا تھا۔ آگے آگے گھوڑا دوڑاتا ہوا شیرف دیر تک یہ نہیں جان سکا کہ اس کے گروپ میں ایک ساتواں گھوڑا بھی شامل ہو چکا تھا جس پر سرخ چہرے والا ایک معمر آدمی سوار تھا۔
پہاڑی کے قریب پہنچتے ہی وہ گھوڑا شیرف کے قریب آ گیا۔ شیرف ایک اجنبی سوار کو دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا۔
کیا حال ہیں شیرف؟
نووارد نے کسی قدر ہچکچاہٹ سے پوچھا اوپری ہونٹ پر اس کی بھوری مونچھیں لرز رہی تھیں۔
اگر میں بھی تمہارے ساتھ اس ہنگامے میں شریک ہو جاؤں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا؟
اس کے تذبذب لہجے کی وجہ سے شیرف کی پیشانی پر پڑی ہوئی لکیریں گہری ہو گئیں۔
لگتا ہے تم یہاں تک ہمارے ساتھ ہی آئے ہو۔
شیرف نے خشک لہجے میں کہا۔
لیکن کیوں؟
میری ضرورت ہی سمجھ لو شیرف۔
نووارد اپنی بھیگی ہوئی سا خوردہ آنکھوں کو جھپکاتا ہوا بولا۔
کیا تم ان لڑکوں سے واقف ہو جنہیں ہم پکڑنے آئے ہیں؟
میں بون ہائی آوی سے تو واقف ہوں۔ اس نے پچھلے سال میں میرے اور میرے پڑوسی کے مویشی چرا لئے تھے اور دوسرا جوان جو خود کو واٹلٹہ بل کہلواتا ہے محض اس کا ساتھ دے رہا ہے۔ میں کوئی افسر وغیرہ نہیں ہوں شیرف مگر یقین کرو میں تمہارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں بنوں گا۔
میں یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہوں۔
شیرف نے ذرا توقف کے بعد کہا مگر اس کی آنکھوں سے اب بھی بے یقینی جھلک رہی تھی۔
ویسے تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟
نیکساس چپ۔
سرخ چہرے والا بوڑھا جلدی سے شیرف کی رضامندی پا کر وہ خاصا مطمئن نظر آنے لگا تھا۔
لوگ مجھے چپ کے نام سے پکارتے ہیں۔
اس نے امید بھری نگاہوں سے شیرف کی طرف دیکھا اور شیرف نے سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔
پہاڑی سے گھوم کر وہ ایک میدان میں آ گئے جہاں بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں بکھری ہوئی تھیں یہاں سے کولنس کا کیبن تین سو فٹ کے فاصلے پر تھا۔ ایک چٹان کے پیچھے انہیں ہیگ اور ماگ

بالروڈ مل گئے۔ سیگ کے ہیٹ میں ایک اور سوراخ ہو گیا تھا۔ ان کے پیروں میں بہت سے خالی کارتوس بکھرے ہوئے تھے۔

ان بدمعاشوں نے میری گاڑی تباہ کر دی ہے۔

بوڑھا مائک اپنا رونا لے کر بیٹھ گیا۔

اب اس کی قیمت کون ادا کرے گا؟

کیبن میں سے چند گولیاں آئیں اور چٹان پر چنگاریاں بکھر گئیں۔ مائک کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

او یہ گدھے کے بچے تو بڑے بدمعاش ہیں۔"

راجر دانت پیستا ہوا غرایا۔

آؤ دوستو ہم انہیں ابھی مزا چکھا دیتے ہیں۔

اس طرح تو لوگ بڑی آسانی سے مار دیے جائیں گے۔

سیگ جلدی سے بول اٹھا۔

اور شاید ان کا پہلا شکار میں ہی ہوں گا۔

تمہارا کیا خیال ہے جیکسن اس نے اپنے افسر کی طرف دیکھا؟

معاف کرنا شیرف۔

بوڑھا نووارد' شیرف کے جواب دینے سے پہلے جھجکتا ہوا بولا۔

مجھے اجازت ہو تو میں رینگتا ہوا ان کے قریب جا کر ان سے دو چار باتیں کر لوں؟ شاید میں خون خرابے کے بغیر ہی انہیں ہتھیار ڈالنے پر راغب کر سکوں۔

کسی کو ان کے قریب جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

سیگ ترشی سے بولا۔

یہ دیکھو۔

اس نے اپنا ہیٹ لہرایا۔ اس میں دو سوراخ ہو رہے تھے۔

ان لوگوں پر خون سوار ہے۔

خون سوار ہے تو کیا ہوا؟

راجر غضب آلودہ لہجے میں بولا۔

ہم لوگ آٹھ ہیں اور ہم سب کے پاس بندوقیں ہیں۔ کیا ہم چوہوں کی طرح دبکے رہیں گے؟

میرا خیال ہے کہ جیل سے بھاگے ہوئے ان حقیر چوروں کی خاطر ہمیں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیے۔

شیرف جیکسن نے بھاری آواز میں کہا۔

اگر ہم سیدھے ان کی طرف بڑھے تو لازماً" وہ گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں گے لیکن اگر ہم ان چٹانوں کی آڑ میں چلتے ہوئے ان کا گھیراؤ کر لیں تو آسانی سے انہیں قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

پھر اس نے پورے گروپ کو پارٹیوں میں تقسیم کر دیا۔ سیگ اور دو آدمی بائیں جانب اور اس نے خود دو آدمیوں کے ساتھ دائیں طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

چٹانوں کی آڑ لیتی ہوئی یہ دونوں پارٹیاں کیبن کے قریب ہو کر دونوں طرف سے انہیں ہٹانے کی کوشش کریں گی لیکن انہیں ہر قیمت پر اپنی جانوں کی حفاظت کرنی تھی اور ایک لمحے کے لئے بھی زد پر نہیں آنا تھا۔ باقی دو آدمیوں کو اس نے یہیں گھوڑوں کے پاس ٹھہرنے اور اس راستے پر نظر رکھنے کا حکم دیا۔

میرا خیال ہے شیرف۔

نووارد بوڑھا پھر ہچکچاتا ہوا بولا۔

یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں ان کے قریب پہنچ کر۔

جب تک میں تمہاری اصلیت نہ جان لوں، تم میرے ہی ساتھ ہو گے مسٹر جیپ۔

شیرف نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر وہ دوسروں کی طرف مڑا۔

ٹھیک ہے اب چلو لیکن یاد رکھنا میں یہ بات ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ تم میں سے کسی کو گولی لگے۔

کیبن سے اسی فٹ دور شیرف اور جیپ ایک سرخ چٹان کے پیچھے لیٹ گئے اور رائفلیں کیبن کی طرف سیدھی کرلیں۔ ان سے چند فٹ کے فاصلے پر رانجر نے بھی پوزیشن سنبھال لی تھی۔ پھر تینوں رائفلوں نے یکے بعد دیگرے آگ اگلنی شروع کردی۔ پہلی گولی شیرف نے چلائی تھی۔ وہ گولیاں کیبن کے ساتھ ... تختوں میں جا گھسیں جب کہ تیسری ... اس کی چھت پر سے پھسل گئی۔

کیا تم کیبن میں بند ان بدمعاشوں کو گدھا سمجھتے ہو مسٹر جیپ؟

شیرف ایک جھٹکے سے اس کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ مگر وہ بوڑھے جیپ کا جواب نہیں سن سکا کیونکہ کیبن میں سے ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور ایک گولی ٹھیک اس کے سامنے چٹان سے ٹکرائی تھی۔

دوسری طرف سے سیگ کی پارٹی نے بھی گولیاں برسانی شروع کردی تھیں اور گھوڑے کے پاس کھڑے ہوئے وہ آدمی بھی بساط بھر اس کار خیر میں حصہ لے رہے تھے۔ شیرف کی طرف سے ایک بار پھر تین دھماکے ہوئے اور گولیاں تختوں میں جا گھسیں۔

ہم نے گھیرے میں لے لیا ہے بدمعاش۔

سناٹے میں سیگ کی آواز گونجی وہ پوری قوت سے گلا پھاڑ کر مفرور قیدیوں کو خطاب کر رہا تھا۔

ہاتھ اٹھا کر باہر آجاؤ صرف اسی طرح تمہاری جان بچ سکتی ہے۔

اگر ہمیں پکڑنا ہے۔

جواب میں کیبن میں سے کوئی چلایا۔

تو کیبن میں آجاؤ موٹے سور۔

اسی وقت ایک دھماکا ہوا اور سیگ کے ہیٹ میں تیسرا سوراخ ہو گیا۔ وہ جلدی سے چٹان کے پیچھے دبک گیا۔

یہ ہون کی آواز ہے۔

جیپ دانت پیستا ہوا بولا اور شیرف اس کے لہجے میں چھپی ہوئی شدید نفرت محسوس کر کے حیرت زدہ رہ گیا۔ غصے کی وجہ سے بوڑھے جیپ کا جسم کپکپا رہا تھا۔

تمہارے خیال میں کیا دوسرا آدمی مارا گیا شیرف؟

اس نے پوچھا۔ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

نہیں ایک آدمی بیک وقت دونوں طرف فائرنگ نہیں کر سکتا۔

شیرف کیبن پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

ان بدمعاشوں نے بہت سارا اسلحہ جمع کر رکھا ہے۔ ہوشیار چپ۔

شیرف نے ہاتھ بڑھا کر بوڑھے کو عین اس وقت مطلع کر دیا ورنہ کیبن کی طرف سے آنے والی گولی یقیناً اس کا سر چھید جاتی۔

تمہاری مرضی کیا ہے گدھے؟

وہ بوڑھے پر الٹ پڑا۔

کیا تم یہاں مرنے کے لئے آئے ہو؟

چپ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

شیرف کا خیال درست ہی تھا کہ بون اور بلاؤلے کے پاس ایمونیشن کی کمی نہیں تھی۔ راجر بے تاب ہو رہا تھا کہ کسی طرح کیبن کے قریب جا کر انہیں بھون ڈالے مگر شیرف کسی طرح نہیں مان رہا تھا۔ اس نے حتمی طور پر کہہ دیا کہ وہ اسی طرح چٹان کی آڑ سے کیبن پر گولیاں برساتے رہیں۔ لڑکے زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور آخر انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

بس یونہی فائرنگ کرتے رہو۔ وہ بولا۔

میں اپنے کسی آدمی کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

مگر بون اور بلاؤلے ہتھیار ڈالتے نظر نہیں آ رہے تھے اور نہ ہی ان کا ایمونیشن ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ شام ہو گئی تھی مگر ان کی طرف سے برابر گولیوں کا جواب مل رہا تھا۔

میک کے ایک آدمی کا چہرہ چٹان کے ذرات لگنے کی وجہ سے زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے اپنے ہیٹ میں دو اور سوراخ ہو گئے تھے اور گولی ہیٹ کے نیچے اس کی چاند کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔

ادھر بدمعاشوں کی ایک گولی نے شیرف کی دائیں چھنگلی اڑا دی تھی۔

انگلی کے ضائع ہونے کے ساتھ شیرف جو اب تک بڑے تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا ایک دم سے بھڑک اٹھا۔ جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا اور آنکھیں ابل پڑیں۔

تو یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔

اس کی آواز میں درندگی تھی۔ بوڑھا چپ لرز اٹھا۔

ان کا علاج صرف گولی میں ہو سکتا ہے۔ میں اس کیبن کو آگ لگا دوں گا پھر یا تو یہ لوگ باہر نکل آئیں گے ورنہ زندہ ہی جل مریں گے۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔

اس نے راجر اور چپ سے کہا۔

میں گھوڑوں کے پاس جا رہا ہوں۔ وہاں سے مانک کو بھیج کر میں ابھی تیل اور کپڑا منگوا لیتا ہوں۔

معاف کرنا شیرف۔

بوڑھا چپ لرزتی آواز میں بولا۔

اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو۔۔۔

تم میری جگہ ہوتے یا نہ ہوتے اس وقت اپنی زبان بند رکھو۔

شیرف اسے گھور کر دھاڑا۔ اس کی کٹی ہوئی انگلی میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ میں اب اس معاملے کو جلد از جلد نمٹا دینا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے تمہاری ضرورت پڑی تو بتا دوں گا۔

پتھروں کے پیچھے رینگتا ہوا شیرف مانک کی

طرف روانہ ہو گیا جو ایک اور آدمی کے ساتھ گھوڑوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔

راجر زہریلے لہجے میں بڑبڑایا۔ اس کا اشارہ شیرف کی طرف تھا۔

آخر یہ ہمیں آگے بڑھ کر ان بدمعاشوں کو شوٹ کیوں نہیں کرنے دیتا؟

مگر راجر اس بات کا جواب اچھی طرح جانتا تھا۔ شیرف نے کیبن ان دونوں آدمیوں کو پکڑنے میں اپنے کسی بھی آدمی کو ضائع نہ کرنے کا عہد کر چکا تھا اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے ٹس سے مس نہیں کر سکتی تھی۔

راجر کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شیرف یا اس کا ڈپٹی بزدل نہیں تھے۔ اگر اتفاق سے معرکے میں دوبدو لڑائی کی نوبت آجاتی تو سب سے آگے گولیاں چلانے اور کھانے والے یہی دو افسران ہوتے۔

آدھے گھنٹے بعد شیرف اس طرح رینگتا ہوا دوبارہ ان کے پاس آگیا۔ راجر اب بھی وقفے وقفے سے گولیاں چلا رہا تھا مگر ابھی بوڑھے کا کہیں پتا نہ تھا۔

وہ نکل گیا۔ راجر نے بتایا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ چوٹی پر سے دوسری جانب اتر کر انہیں پیچھے سے گھیر سکتا تھا اور ان پر قابو پا سکتا ہے۔ وہ کہہ گیا ہے کہ اگر وہ دن کی روشنی میں کامیاب ہو گیا تو کھڑکی میں سے سفید رومال لہرا دے گا۔

اور اگر رات ہو گئی تو پھر ٹارچ سے اشارہ کرے گا۔ اس نے کہا ہے کہ صبح ہونے سے پہلے ہم اس کیبن کو جلانے کی کوشش کریں کیونکہ دونوں بدمعاشوں پر قابو پانے میں اسے کچھ دیر لگ سکتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے شیرف کیا وہ اکیلا انہیں بے بس کر دے گا۔

وہ احمق آدمی۔ شیرف جھنجلا کر بولا۔

فرض کرو کہ وہ انہیں کا ساتھی ہو اور محض ان کی مدد کرنے کے لئے دھوکے سے ہمارے ساتھ آ گیا ہو۔ کاش تم اسے نہ جانے دیتے۔

میں اسے صرف گولی مار کر ہی روک سکتا تھا شیرف۔

راجر بے چارگی سے بولا۔

مگر تمہارا یہ حکم تھا کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے۔

احمق آدمی..... احمق آدمی۔

شیرف بڑبڑانے لگا اور پھر کیبن کی طرف فائر کر دیا۔

سورج کا آتشیں گولا دور افق میں جا کر ڈوب گیا اور ہر جانب اندھیرے کی حکومت قائم ہو گئی۔ مگر کیبن کی کھڑکی سے نہ کوئی سفید رومال لہرایا گیا اور نہ ہی کوئی ٹارچ نے انہیں اشارہ کیا۔ البتہ گولیوں کا تبادلہ بدستور جاری رہا۔

یہ ناقابل یقین سی بات تھی کہ وہ آدمی اتنی دیر تک کیبن کی دیواروں کو چیرتی ہوئی گولیوں کی بوچھاڑ میں زندہ رہ سکتے تھے مگر جب ڈپٹی ٹیک کسی جناتی چھپکلی کی طرح رینگتا ہوا کیچڑ اور مٹی کے تیل کا ڈبا لے کر آیا تو اس نے وضاحت کر دی۔

بوڑھے کولنس نے اپنے کیبن میں پتھر کی

سلوں کا فرش بچھا رکھا تھا۔ شاید ان لوگوں نے وہی سلیں اکھاڑ کر دیواروں کے ساتھ کھڑی کر دی ہوں۔ ممکن ہے اسی وجہ سے گولیاں انہیں نقصان نہ پہنچا سکی ہوں۔ اب یہ آگ ہم کس طرح لگائیں گے شیرف؟ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم گولیوں کو تیل میں بھگو کر فائر کریں؟

اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز آ گیا تھا۔

ہم تمہارے ہیٹ کو آگ لگا کر ان کی کھڑکی میں پھینک دیں گے۔

شیرف نے ابھی جواباً طنز کیا۔

یا پھر تم رینگتے ہوئے جانا اور ہماری گولیوں نے دیواروں میں جو سوراخ بنائے ہیں ان میں آگ بھر آنا۔

میرا مشورہ اب بھی یہی ہے شیرف۔

راجر تلخی سے بولا۔

ہم سارے آدمی بیک وقت گولیاں چلاتے ہوئے کیبن پر ہلا بول دیں اور انہیں بھون کر رکھ دیں۔ موت آخر ایک ہی بار تو آتی ہے۔

میرے مسلسل شیرف ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

شیرف نے بھاری لہجے میں کہا۔

آج تک کسی مہم میں میرا کوئی ڈپٹی نہیں مارا گیا۔

ٹھیک ہے تمہاری مرضی چلو پھر ہم کیبن کو آگ لگانے کی کوشش کریں۔ یہ کپڑا اور تیل مجھے دو بیگ۔

مت دو بیگ۔

شیرف نے اپنے نائب کو سختی سے منع کر دیا۔

اگر اس بوڑھے جپ نے ہمیں ڈبل کراس کیا یا چٹان سے پھسل کر نہیں گر پڑا تو اب تک وہ ان کے قریب پہنچ چکا ہوگا۔ ہمیں اشارہ دینے ہی والا ہوگا۔ ذرا دیر اور صبر کر لو دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ ان کی فائرنگ سے یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ ابھی تک کیبن میں محصور ہیں اور بھاگے نہیں ہیں۔

ذرا توقف کے بعد شیرف نے بندوق سیدھی کی اور کیبن کی دیوار پر دو فائر کر دیے۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

بیگ نے تصدیق کے لئے اپنے سوراخ زدہ ہیٹ کو ایک لکڑی پر ٹانگ کر اوپر اٹھا دیا۔ کیبن میں سے چنگاری کی طرح اڑتی ہوئی ایک گولی ان کی طرف آئی۔ بیگ نے نیچے اتار کر ہیٹ کا جائزہ لیا اس میں مزید کسی سوراخ کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔

ان بدمعاشوں کا نشانہ پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔

وہ بولا۔

شاید چاندنی کی وجہ سے دھوکا کھا گئے ہیں۔

اس نے خود ہی تاویل بھی پیش کر دی۔

مشرقی افق پر گلابی رنگ بکھرنے لگا۔ صبح کے آثار نظر آ رہے تھے مگر شیرف کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس نے کئی چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کے سروں پر کپڑا باندھنا شروع کر دیا اور پھر انہیں تیل میں بھگونے لگا۔

ہم میں سے جو کوئی بھی ان جلتی لکڑیوں کو کیبن میں پھینکنے ان کے قریب جائے گا۔

بیگ نے فکرمندی سے کہا۔

وہ یقیناً ان گولیوں کا نشانہ بن جائے گا۔ یہ مشعل مجھے دے دو شیرف میں تیزی سے دوڑتا

ہوا اسے کیبن میں پھینکتا ہوا نکل جاؤں گا۔ ان کی کوئی مجھے چھو بھی نہیں سکے گی۔

بیگ اور پھر راجر کی پیش کش کو نظر انداز کر کے بینجمن نے ایک ہاتھ میں بے جلی مشعلیں اور دوسرے میں رائفل دبائی اور کہنیوں کے بل زمین پر لیٹ کر کیبن کی طرف کھسکنے لگا۔

پوری احتیاط کے باوجود ایک کھلا ہدف تھا۔ بیگ اور راجر پیچھے سے مسلسل گولیاں برسا کر اسے کور کر رہے تھے مگر دونوں کو یقین تھا کہ کسی بھی وقت کیبن سے کوئی گولی آکر شیرف کا کام تمام کر سکتی تھی۔

کیبن سے مگر کوئی گولی نہیں آئی۔ بدمعاشوں کی طرف سے سناٹا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی کھڑکی میں ایک ٹارچ چمکی اور اس کی روشنی میں سفید رومال لہرانے لگا۔

گولی مت چلانا۔

کیبن سے کوئی چلایا مگر آواز میں فتح مندی سے زیادہ تھکن اور مایوسی تھی۔

میں نے ان پر قابو پالیا ہے۔

صبح کے مدھم اجالے میں شیرف اور اس کے سارے ساتھی بندوقوں کے گھوڑے چڑھائے انتہائی احتیاط سے کیبن کی طرف بڑھے۔ بیگ کے اندازے کے مطابق کیبن کے اندر اس کی دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی سلیں کھڑی تھیں۔ فرش پر سینکڑوں خالی کارتوس بکھرے ہوئے تھے اور کیبن میں بوڑھے چپ کے سوا اور کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

عقبی دروازے کے سامنے بلیک بون کی لاش پڑی ہے شیرف۔ وہ بولا۔

اس کا دوسرا ساتھی بھاگ گیا ہے۔ تم چاہو تو اس کی جگہ مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔

او احمق آدمی۔

شیرف دانت پیستا ہوا بولا۔

کیا تم نے جان بوجھ کر اسے بھاگنے کا موقع دیا ہے؟

نیو میکسیکو سے میں اسی مقصد کے تحت آیا تھا شیرف کہ اس بدمعاش کو جس نے میرے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے اور اپنے ساتھ بھگائے پھر رہا ہے جہنم رسید کردوں گا۔

چپ کہہ رہا تھا۔

میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں شیرف پچھلے دو گھنٹوں سے یہ میں تھا جو کیبن سے ہوائی فائرنگ کر رہا تھا۔ تاکہ بل کو زیادہ سے زیادہ دور جانے کا موقع مل جائے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ حرکت خلاف قانون ہے شیرف..... مگر..... مگر میں..... میرا ایک بیٹا ہے اور میں.....

اچانک وہ چپ ہو گیا۔ اب وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے کیبن میں آنے والے ایک دبلے پتلے نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکے نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر رکھے تھے۔

تم..... تم بھاگ کیوں نہ گئے بیٹے؟

بوڑھا چپ مایوسی سے ہکلایا۔

تم واپس کیوں آگئے؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ اس چوٹی سے دوسری طرف اتر کر.....

میرے پاپا نے بندوق کے زور پر مجھے یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا شیرف۔

وائلڈ بل بڑے، اپنے باپ کو نظرانداز کرتا ہوا شیرف سے بولا۔

"وہ یہاں رک کر میرے کیے کی سزا بھگتنا چاہتے تھے۔ میں نے بلاشبہ بہت سارے ایسے کام کیے ہیں جن پر ہرگز فخر نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے ان پر بے حد ندامت ہے مگر میں نیچ نہیں ہوں کہ اپنے عوض، اپنے باپ کو پھنسا دوں۔

چنانچہ میں نے ان کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ میں لوٹ آیا ہوں شیرف۔ مجھے گرفتار کرلو۔"

اس نے دونوں ہاتھ شیرف کے سامنے کر دیے۔

"لو احمق آدمی۔"

شیرف گہری سانس لیتا ہوا بولا اور بل بڑے کے ہاتھوں میں سرکاری زیور پہنا دیا۔ بوڑھے بڑے کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس کی بھوری مونچھیں لرز رہی تھیں اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔



پیغامات
کوپن ماہ اگست 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے ذریعے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ سچی کہانی لاہور کے متعلق آپ ہمیں اپنی آرا بھی دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 سے زیادہ لائن پر مشتمل نہ ہو ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

انچارج پیغامات ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

میرا پیغام محبت ہے

"ہم میں سے زندہ وہی رہے گا جو لوگوں کے دلوں میں زندہ رہے گا اور دلوں میں وہی زندہ رہتے ہیں جو خیر بانٹتے ہیں ــــ محبتیں بانٹتے ہیں اور آسانیاں بانٹتے ہیں ــــ!"

محبت ــــ سمجھو تو احساس ــــ دیکھو تو رشتہ کہو تو لفظ ــــ کرلو تو عبادت ــــ نبھالو تو زندگی ٹوٹ جائے تو مقدر ــــ ہار جائے تو نفرت ــــ سمجھو تو خواب ــــ سوچو تو خوشی ــــ محسوس کرو تو مسرت ــــ پالو تو جنت ــــ اور نہ ملے تو قسمت ــــ لیکن محبت صرف محبت ہے اور تمام دنیا کے ہر عمر' ہر مذہب' ہر ذات پات' ہر فرقے' ہر قبیلے اور ہر کسی کے نام میرا پیغام صرف محبت' امن' خلوص' وفا' دوستی اور بھائی چارہ ہے۔ آیئے ہم اچھے دوست بنیں اور اچھے دوست بنائیں۔ مجھے اپنا فیڈ بیک صرف بذریعہ SMS بھیجیں ــــ شکریہ

میں آپ سے K2 پہاڑ سے اونچی اور گنگا سے گہری دوستی چاہتا ہوں۔ میرا پیغام محبت ہے ــــ! ایک تاحیات ثابت قدم پاکیزہ دوستی کا مضبوط تعلق قائم کرنے کے لیے مکمل اعتماد کے ساتھ رابطہ کرسکتے ہیں۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔

☆ محسن بشیر' موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

☆☆☆

ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے۔ جس کی عمر 12 سے لے کر 15 سال ہو۔ مجھے فوراً SMS کرے۔

☆ اے رشید' موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن

☆☆☆

سچی کہانی کے قارئین کے نام

میں ان دوستوں سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ جو مخلص ہوں۔ میں تنہائی میں اکثر خود سے باتیں کرتا ہوں ـــــ میں چاہتا ہوں کہ کوئی میرا بھی اچھا دوست سا ہو ـــــ جو ہر دکھ درد میں میرا شریک ہو ـــــ نہ جانے کیوں دل مرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اس زندگی میں تنہا رہنا بڑا مشکل ہے اچھے اور وفادار دوستوں کی تلاش ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ کوئی عمر بھر ساتھ نبھانے والا دوست ہو جو دوستی کو سمجھے ـــــ دوستی ایک پاکیزہ رشتہ ہے قارئین رابطہ کریں۔

☆ ملک علی رضا' GP-1590 کالونی فیصل آباد

موبائل نمبر 0300-8664070

0333-4170986

☆☆☆

آج کی محبت رو رہی ہے

میرا نام ویسے تو بھی بات ہے کہ آج کل میں گمنام ہوں۔ لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں میرا نام "محبت" میں رہتی ہوں ماں کی ممتا میں' باپ کی دعا میں' بہن اور بھائی کے درمیان' دوستوں کے درمیان اور ازل سے رہتی آئی ہوں اور دو دلوں کے درمیان ـــــ چاہے وہ دل میرا تجھے کا ہو یا کسی بچوں کا ـــــ لیکن افسوس میرا راج سب کے دلوں پر پہلے تھا۔ اب میرا راج برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری سلطنت لٹ چکی ہے۔ میرے سب ساتھی کمزور ہو چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ مجھے لوٹنے اور میرے ساتھیوں کو کمزور کرنے والے کون ہے ـــــ؟ کوئی اور نہیں میری دشمن نفرت اور اس کے ساتھ حسد' غیبت' بے وفائی' بے ایمانی' ان تمام نے مل کر نفرت کو مضبوط بنا دیا ہے۔ ہائے میں بے چاری محبت ختم ہو رہی ہوں ـــــ خدارا مجھے بچاؤ' میرے ساتھیوں کو (صداقت' اخوت' ایمانداری) کی حوصلہ افزائی کرو۔ ان کو حوصلہ دو ان کو تسلی دو۔ ورنہ میں ختم ہو جاؤں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

☆ ایس۔ امتیاز احمد پوسٹ بکس نمبر 10867

حیدری GPO نارتھ ناظم آباد کراچی 74700

☆☆☆

ماہ نور بلوچ کے نام

آپ نے اپنے پہلے ڈرامے "ماروی" میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے اور عوام میں بے حد مقبولیت اور پذیرائی حاصل کر لی۔ اس وقت ٹی وی کے ہر ناظر کے لب پر آپ ہی کا نام تھا۔ اس ڈرامے میں یوں تو کئی اداکاروں نے عمدہ پرفارمنس دی مگر ان سب پر آپ چھائی ہوئی نظر آئیں۔ آج کل آپ ٹی وی پر نظر نہیں آ رہی ہیں کیا بات ہے ـــــ؟ پلیز! کسی بھی اچھی سیریل میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائیں ـــــ جی چاہتا ہے کہ آپ ناظرین کی آنکھوں کے سامنے رہیں اور کبھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں۔ آپ کی جتنی بھی تعریف کی جائے تو کم ہے۔ دعا ہے کہ آپ مزید ترقی کریں اور ہمیشہ ہی ہنستی اور مسکراتی رہیں۔

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری

معرفت ذکریا شس اولڈ کلسٹرانگ لوہاری گیٹ ملتان

☆☆☆

یہ ہے ہمارا پیارا پاکستان......!

سرعام چور بازاری، دن دیہاڑے کم سن بچیوں سے جنسی زیادتیاں، لوٹ مار، دہشت گردی، ملکی وسائل اور دولت کی انتہائی غیر منصفانہ تقسیم، معاشی بدحالی، بال بچوں سمیت غربت سے تنگ والدین کی اجتماعی خود سوزی کی کوشش، معاشرے کے ہر شعبے میں کرپشن کی انتہا اور انصاف ناپید ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا ہے......؟

کیا یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ جس کا خواب پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہمارے بزرگوں نے عظیم قربانیاں دیں۔ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے کہ آنے والی نسلیں ایک پرامن، آزاد خطے میں اپنی زندگیاں عظیم مذہب اسلام کے قوانین اور تعلیمات کے عین مطابق بسر کر سکیں۔ کیا یہ وہ پیارا پاکستان ہے جس کا خواب حضرت علامہ محمد اقبال نے دیکھا اور حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے تعبیر تک پہنچایا تھا۔ وطن عزیز میں انصاف کا یہ عالم ہے کہ تھانہ میں زمین پر مظلوم بیٹھا [redacted] ہے اور ظالم ملزم کسی بااثر شخصیت کے ساتھ صوفے پر بیٹھا چائے پی رہا ہوتا ہے۔ جیلوں میں اکثر وبیشتر سرمایہ دار طبقہ، وڈیروں، نمبرداروں کے بے ادب بے گناہ لوگ قید ہیں اور مجرم آزاد بے خوف و خطر گھوم رہے ہیں۔

معزز خواتین و حضرات اور پیارے قارئین! یہ ہے ہمارا پیارا پاکستان......! کیا یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ نہیں......! کیا ہماری آنے والی نسلیں اس ملک میں محفوظ رہ سکیں گی......؟ ہمیں حقیقی آزادی اور جمہوری حقوق کب ملیں گے......؟ کیا خیال ہے آپ کا......؟

☆محسن بشیر موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

☆☆☆

چاندنی کے نام پپو کا پیغام

میں بے وفا نہیں بلکہ مجبور تھا۔ اس لیے تیرا ساتھ دے نہ سکا۔ لیکن میرے دل میں آج بھی تیرے پیار کی شمع روشن ہے اور مرتے دم تک روشن رہے گی۔ اور تیرے پیار کے دیئے نہ بجھ پائیں گے۔ اگر دنیا نے بجھانے کی کوشش کی تو اور بھڑک جائیں گے۔ اور میری یہ گزارش ہے۔ کہ تم اپنے آپ کو میرے لیے برباد نہ کرو ایک سپنا سمجھ کر بھول جاؤ۔ بیتے دن اگر بھولنا تیرے بس میں نہیں تو میری یادوں کے سہارے اپنی زندگی گزار دو۔ جس کے ساتھ تیرا ہم سفر ہے یہ ضروری نہیں کہ جس کے سنگ پریت لگائی جائے اس کو اپنا بنا لیا جائے۔ محبت کا مزا ہی جدائی میں آتا ہے خدا حافظ ہے آپ کے ادب کا اگر آپ میرے ساتھ رابطہ کریں۔

آپ اس پتے پر مجھے خط لکھ سکتے ہیں۔

غلام اصغر سرگانوں ماچھی ضلع شکارپور سندھ

کیا چاہتے ہو

- دیکھنا چاہتے ہو تو بیوی کے نخرے دیکھو
- سننا چاہتے ہو تو بیوی کی فرمائشیں سنو
- ڈرنا چاہتے ہو تو بیوی کے سینڈل سے ڈرو
- مرنا چاہتے ہو تو بیوی کی اداؤں پر مرو
- جانا چاہتے ہو تو بیوی سے پوچھ کر جاؤ

سید عباس خان۔ بھکر

☆ بچے پیدا ہو کر فوت ہو جاتے تھے ☆

انوری بیگم ---------- کراچی

سوال = میرے ہاں تین بچے معذور ہی پیدا ہوئے تھے چند دن کے ہو کر فوت ہو گئے تھے میری اولاد تندرست پیدا نہیں ہوتی تھی۔ معذور پیدا ہوتی تھی۔ میں ذہنی طور پر بہت پریشان تھی ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام مشکل ترین عملیات خود کیے ---- جو میں عورت ہونے کے ناطے سے نہ کر سکتی تھی۔ ان کی بدولت اللہ پاک! نے مجھے صحت مند اور خوبصورت بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اب میں بہت خوش ہوں اور آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی پریشان حال بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی انوری بیگم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں۔ جس کی رحمت سے آپ کو صحت مند اور خوبصورت بیٹا عطا ہوا دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کے بیٹے کو نیک اور صالح بنائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ---- ☆

☆ الجھنوں میں پھنس گیا ہوں ☆

منیر حسین ---------- لیہ

سوال = میں الجھنوں سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں نے بہت سے وظائف کیے اور تعویذات بھی لیے مگر ان کا الٹا اثر ہوا۔ آپ کے بارے میں بہت پڑھا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "135" مرتبہ "تت" یا تواب بحق سورۃ فیل" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 9 تاریخ سے لے کر 29 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ شوہر اپنی ماں اور بہن کی سنتا تھا ☆

کوثر پروین ---------- ضلع لاہور

سوال = میرے خاوند مجھے ہر وقت ذلیل و رسوا کرتے تھے میری کوئی بھی بات نہیں سنتے تھے میرے سر پڑھ کر بچوں کو بہت مارتے تھے صرف اپنی ماں اور بہن کی سنتے تھے۔ میرے خاوند کا نوں

کے بچے تھے میری زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے بہت محنت اور خلوص سے مشکل ترین عملیات خود کیے۔۔۔۔۔

جن کی بدولت آج میرے شوہر راہ راست پر آچکے ہیں۔ اب وہ بچوں سے بہت پیار کرتے ہیں اور میرا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔ میں تو ہر نماز کے بعد "آپ" کو ڈھیروں دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں۔☆

جواب= بیٹی کوثر پروین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا خاوند راہ راست پر آگیا ہے اب وہ آپ کا اور بچوں کا خاص خیال رکھتا ہے۔ اپنی ماں اور بہن کے کہنے پر آ کر آپ پر ظلم نہیں کرتا بلکہ آپ سب کا خیال رکھتا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا اپنے گھر میں خوش و خرم رکھے اور آپ سدا آباد اور شاد رہیں (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے نبو صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔

انشاءاللہ تعالیٰ۔۔۔۔☆

☆بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں☆

(مسرت یاسمین۔۔۔۔۔۔۔۔۔حیدر آباد)

سوال= میری بچیوں کی شادی نہیں ہو رہی تھی کوئی رشتہ ہی نہیں آتا تھا اگر کوئی رشتہ آ بھی جائے وہ ناپسند کر کے چلے جاتے تھے۔ بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں۔ میری راتوں کی نیند اڑ چکی تھی۔ خدا گواہ ہے بہت پریشانی تھی ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بہن سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات خود کیے۔۔۔۔۔

جو میں نہ کر سکتی تھی۔ ان کی بدولت میری دو بچیوں کی شادی طے ہو گئی ہے میرا بہت بڑا فرض پورا ہو رہا ہے میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب= بہن مسرت یاسمین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی بچیوں پر شادی کی جو بندش تھی اس کا خاتمہ ہوا۔ آپ کی بچیوں کی شادی طے ہو گئی ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کی بچیوں کو اپنے اپنے گھروں میں سدا خوش رکھے

اولاد (خاص کر اولاد نرینہ) کے لیے پریشان بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی۔۔۔۔۔☆

(آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ —— ☆

☆ الجھنوں، پریشانیوں کی یلغار ☆

فریاد علی —— گوجرہ

سوال = چاروں اطراف سے الجھنوں کی یلغار نے ختم کر کے رکھ دیا ہے پریشانیاں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی —— ان کا کوئی سلجھاؤ نہیں ملتا دوسری طرف ہر وقت کوئی نہ کوئی پریشانی ضرور رہتی ہے —— ہر طرف سے پھنس گیا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر اتوار کو صدقہ بھی ادا کیا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "313 مرتبہ واللہ سمیع علیم" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 34) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 3 تاریخ سے لے کر 23 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء شروع کریں ☆

اسمائے الحسنیٰ

کامیابی کا راستہ

کیا آپ بے اولاد ہیں اولاد ہو کر مر جاتی ہے یا معذور پیدا ہوتی ہے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔ ہم دنیا کے قدیم پر اسرار علوم کے ذریعے سے آپ کی مکمل راہنمائی کریں گے۔ خالق کائنات آپ کو ضرور نیک اور صالح فرزند عطا فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ —— ☆

☆ شوہر بہت ذلیل اور رسوا کرتا تھا ☆

عارفہ شہزادی —— فیصل آباد

سوال = میرے شوہر دوسری عورتوں کے کہنے پر مجھے بہت ذلیل اور رسوا کرتے تھے۔ میرے شوہر نہ گھر سے کھانا کھاتے تھے اور نہ ہی ہم سے کوئی واسطہ رکھتے تھے بس گندی عورتوں کے ساتھ پھرتے رہتے تھے بہت سمجھایا —— مگر الٹا گھر سے نکالنے کی دھمکیاں دیتے تھے خدا گواہ ہے بہت پریشانی تھی اچانک "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے نیچی لکھتے ہوئے وہ تمام مشکل ترین عملیات خود کیے —— وہ عملیات میں نہیں کر سکتی تھی جن کی بدولت میرے شوہر راہ راست پر آگئے ہیں اب انھوں نے گندی عورتوں کا پیچھا چھوڑ دیا

ہے اب ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ''آپ'' سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی عارفہ شہزادی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوا اور آپ کا بگڑا ہوا شوہر راہ راست پر آگیا ہے اب آپ کا خاص خیال رکھتا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ......☆

☆ میرے شوہر بہت غلط کار تھے ☆

☆ راحت فردوس .... اسلام آباد ☆

سوال = میرے شوہر بہت کماتے ہیں سب کچھ غیر عورتوں پر لٹا دیتے تھے۔ انھیں گھر کی کوئی فکر نہیں تھی کبھی کہاں جا رہے ہیں اور کبھی کہاں؟ انھوں نے جو بھی کمایا سب اسی طرح برباد کر دیا تھا گھر کی طرف تو ان کا بالکل دھیان نہیں تھا۔ خدا گواہ ہے کہ میں بہت ہی پریشان تھی۔ میں نے ''ماہنامہ سچی کہانی'' پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے ---- جو میں نہ کر سکتی تھی۔ ان کی بدولت میرے شوہر راہ راست پر آگئے ہیں اب گھر کی طرف دھیان بھی دیتے ہیں اور بچوں کے لیے علیحدہ گاڑی بھی لے کر دی ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی مظلوم بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ''آپ'' سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی راحت فردوس صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا شوہر راہ راست پر آگیا ہے اور اب غیر عورتوں پر کوئی روپیہ ضائع نہیں کرتا۔ اب گھر کا خیال بھی رکھتا ہے آپ سب کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ......☆

☆ دن رات محنت کرتا ہوں ☆

طاہر محمود ۔۔۔۔۔۔ لاہور

سوال = دن رات محنت کرنے کے باوجود غربت سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔ جو بھی کسی نے بتایا وہی کیا مگر نتیجہ کچھ نہ ملا۔ اب حالات خراب ہو چکے ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "101 مرتبہ یا جبار یا سمیع شرفائیل" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 8 تاریخ سے لے کر 28 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء" سے شروع کریں ☆

☆ بیوی اور ساس کا رویہ نامناسب تھا ☆

عارف حسین ۔۔۔۔۔ ملتان

سوال = میری بیوی اپنی والدہ کے ساتھ مل کر مجھے بہت تنگ کرتی تھی۔ آئے روز میری حاضری میری ساس کے دربار میں ہوتی تھی کہ تم نے یہ کیا اور یہ کیوں نہیں کیا ۔۔۔ ؟ خدا گواہ ہے کہ میری زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت سے وہ تمام عملیات خود کیے ۔۔۔ جو میں نہیں کر سکتا تھا۔ جن کی بدولت آج میری ساس مجھے ماں سے زیادہ پیار کرتی ہے اور میری بیوی بھی فرمانبردار ہو گئی ہے۔ گھر سے تمام الجھنوں اور لڑائی جھگڑا ختم ہو چکا ہے۔ میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتا ہوں اور میں اپنے جیسے بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم عارف حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ساس صاحبہ آپ کو بیٹے کی طرح پیار کرتی ہے اور آپ کی بیوی کا رویہ بھی آپ کے ساتھ ٹھیک ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ۔۔۔ ☆

☆ مجھے آسیب سے چھٹکارا ملا ☆

ریشم جان ۔۔۔ مظفر آباد

سوال = مجھ پر آسیب کا اثر تھا گھر والوں نے بہت سے سیانوں' عاملوں سے رابطہ کیا مگر آسیب نے مجھے نہ چھوڑا اور نہ ہی میری شادی ہونے دیتا تھا۔ آسیبی اثرات نے میری زندگی تباہ کر دی تھی جس وجہ سے میں ہر وقت کمرے میں بند

اولاد کی نافرمانی سے معاشرے میں لاچار اور مجبور بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی ☆

رہتی تھی۔ میری والدہ نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے میرے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے --- جو میرے بس کی بات نہیں تھی ان عملیات کی بدولت مجھے آسیب سے نجات ملی اور اب میری شادی بھی طے ہوگئی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی دکھی اور مجبور بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں۔ ☆

جواب = بیٹی ریشم جان صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ پر جو آسیب کا اثر تھا اس کا خاتمہ ہوا اور آپ دوسرے لوگوں کی طرح نارمل زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ پر جو آسیب تھا وہ آپ کی شادی نہیں ہونے دیتا تھا جواب ہو رہی ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے ندیم صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ --- ☆

☆ بے برکتی کا راج ہے ☆

محمد دین --- وزیر آباد

سوال = میرے کاروبار میں برکت نہیں ہے جو کچھ تمام دن میں کماتا ہوں شام تک ختم ہو جاتا ہے بہت سے سیانوں سے رابطہ کیا مگر یہ مسئلہ حل نہیں ہوا۔ بہت پریشانی ہے آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ ہر اتوار کو گوشت کا صدقہ بھی ادا کیا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "72" مرتبہ "سورۃ الفلق" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 7 تاریخ سے لے کر 27 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں۔ ☆

☆ بیوہ ماں کی پکار ......! ☆

نسرین بی بی --- فیصل آباد

سوال = میرا ایک ہی بیٹا ہے جسے میں نے بہت محنت سے پالا تھا کیونکہ میرا خاوند اس وقت فوت ہو گیا تھا۔ جب کہ میرا بیٹا ایک سال کا تھا میں نے دن رات محنت کر کے اس کو پالا۔ جوان

☆ کالا علم جادو ٹونہ اور آسیب کے اثرات کی وجہ سے بے بس کی زندگی بسر کرنے والے بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ☆

ہوا اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔۔۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اس کی بیوی جو کچھ کہتی ہے آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرتا تھا میری بات تو سننا درکنار میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا۔ وہ صرف اپنی بیوی اور اس کے رشتہ داروں میں دن رات مگن رہتا تھا میری طرف اس کا کوئی دھیان نہیں تھا بہت پریشانی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بہن سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ بہت ہی مشکل تھے خود کیے۔۔۔ جن کی بدولت میرا بیٹا راہ راست پر آ گیا ہے اب میرا بیٹا میرا بہت خیال رکھتا ہے کام سے سیدھا میرے پاس آتا ہے میری دوا کا خاص خیال رکھتا ہے۔ میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنی جیسے دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ"۔ یں ☆

جواب= بہن نسرین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوا آپ کا بیٹا راہ راست پر آ گیا ہے اب آپ کا بیٹا آپ کا بہت خیال کرتا ہے دعا ہے اللہ پاک آپ کے بیٹے کو مزید آپ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔۔۔☆

☆ دامن موتیوں سے بھر گیا ☆

عابدہ بی بی ۔۔۔ حیدر آباد

سوال= میری بیٹی کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے تھے مگر میری بیٹی بے اولاد تھی اسی وجہ سے آئے روز جھگڑے ہوتے تھے سسرالی طعنے دیتے تھے ہم والدین ہیں ہم سے اپنی بیٹی کی بے بسی نہیں دیکھی جاتی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور ہمدردی سے میری بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے۔۔۔ کیونکہ عورت ہونے کے ناطے سے انھیں میں نہیں کر سکتی تھی۔ ان عملیات کی بدولت میری بیٹی کے ہاں اللہ پاک نے بیٹا عطا کیا ہے اب میری بیٹی سسرال میں سب کی آنکھ کا تارا بنی ہوئی ہے خدا گواہ ہے کہ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی اور بے اولاد بیٹیوں، بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی

ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب= بیٹی عابدہ بی بی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی بیٹی صاحبہ "اولاد" ہوگئی۔ اللہ پاک! کی رحمت خاص ہوئی۔ اللہ پاک! نے خوبصورت اور تندرست بیٹا عطا فرمایا ہے اب تمام سسرالی اس پر ظلم کی بجائے پیار کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کی بیٹی اور بیٹے کو سلامت رکھے اور آپ کا نواسہ بڑا ہو کر نیک اور صالح بنے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے شاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ☆

☆تمام گھرانا اپنی اپنی بولی بول رہا ہے☆

حامد محمود ۔۔۔ ظفروال

سوال= میرے گھر میں اتفاق نہیں' گھر کے تمام افراد اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں ایک دوسرے کی بے عزتی کرتے رہتے ہیں۔ ان کو سمجھا سمجھا کر تنگ آچکا ہوں کوئی بات نہیں سمجھتے۔ خدا گواہ ہے بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب= بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ تمام اہل خانہ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد کثرت سے درود شریف پڑھیں اور آپ منگل کو گوشت کا صدقہ بھی ادا کریں۔

نوٹ۔ قریبی مسجد میں ایک جھاڑو لے کر رکھ دیں اللہ پاک بہتر کرے گا☆

☆سخت بیمار ہو گیا تھا☆

قیصر حسین ۔۔۔ دبئی (U.A.E)

سوال= مجھے دبئی میں بارہ سال ہو گئے ہیں۔ ابھی ایک سال پہلے میں نے دکان تبدیل کی تھی۔ تب سے کاروبار بند ہو گیا تھا اور الٹا قرض اوپر چڑھ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میں سخت بیمار ہو گیا تھا بہت ہی زیادہ پریشانی تھی کیونکہ میں پردیس میں بہت سخت بیمار تھا۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انہوں نے نہایت خلوص' محنت سے تمام عملیات خود کیے۔۔۔ اللہ پاک! کی نظر عنایت سے کاروبار ایک مرتبہ پھر شروع ہو گیا ہے اور صحت بھی بہتر ہو رہی ہے۔ خدا گواہ ہے بہت پریشانی تھی میں آپ کو دن رات دعائیں دیتا ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) اور میں اپنے جیسے پردیسی بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب= محترم قیصر حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے "بندش کاروبار" خاتمہ ہوا۔ اللہ پاک! کی رحمت سے آپ کا کاروبار دوبارہ شروع ہو گیا۔ آپ کی صحت بھی پہلے سے بہتر ہے دعا

ہے کہ اللہ پاک آپ کو پردیس میں تندرست اور سلامت رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک آپ کو اجر عظیم دے گا۔

انشاءاللہ تعالیٰ ——☆

☆میں ذہنی طور پر مفلوج ہو چکی تھی☆

☆راحت بیگم ...... کراچی☆

سوال = میرے شوہر کا رویہ عجیب قسم کا تھا میرے شوہر کانوں کے کچے تھے جو کچھ ان کی ماں اور بہنیں کہتی تھیں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے۔ میری نہیں سنتے تھے۔ میرے شوہر پہلے میری بات مانتے تھے لیکن اب جو میں کہتی ہوں اس کا الٹ کرتے تھے میری ساس اور میری نندیں مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ میرے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے تمام عملیات جو کہ مشکل ترین تھے وہ خود کیے—— جن کی بدولت میرے شوہر راہ راست پر آگئے ہیں۔ اب میرے شوہر ہم سب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب میرے شوہر، ماں اور بہنوں کی باتوں میں نہیں آتے اور نہ ہی ان کی باتوں کا اثر لیتے ہیں۔ اب مجھے ذہنی سکون ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) اور میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی راحت صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا ٹوٹتا ہوا گھر دوبارہ آباد اور مثالی بن گیا ہے۔ آپ کا شوہر بھی راہ راست پر آ گیا ہے اب آپ کا اور بچوں کا بہت خیال رکھتا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ دونوں کو ہمیشہ کے لیے شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔

انشاءاللہ تعالیٰ ——☆

☆زندگی کی طویل مصیبتیں☆

☆محمد علی ...... چیچہ وطنی☆

سوال = پہلے تو زندگی آسان تھی اب زندگی کا ہر لمحہ ہی نئی مصیبت لے کر آتا ہے وقت ایسا آیا ہے کہ سایہ بھی ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ ان حالات میں ہماری بات سننے کو کوئی تیار نہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے

آپ سب گھر والے پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "21 مرتبہ بسم اللہ الواسع جل جلالہ یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 5 تاریخ سے لے کر 25 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں☆

☆مجبور اور بے بس ہو چکا تھا☆

☆محمد اکرم ---- فیصل آباد☆

سوال= میں نے کاروبار کے لیے شراکت کی غرض سے رقم لگائی۔ چند ماہ کے بعد سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ نہ کاروبار رہا نہ شراکت رہی سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اب ہم تمام اہل خانہ روٹی کے ایک ایک لقمہ کو ترس رہے تھے۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انہوں نے بڑے خلوص اور محنت سے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے---جن کی بدولت ایک مرتبہ پھر میرا کاروبار شروع ہو گیا ہے اور گھریلو حالات بہت ہی بہتر ہو گئے ہیں۔ اب ہم خوشگوار اور بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ کو دن رات دعائیں دیتے ہے کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) میں اپنے جیسے بھی بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب= محترم محمد اکرم صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی تمام مشکلات کا خاتمہ ہوا اور آپ کے گھریلو حالات بھی بہتر ہوئے اور آپ بہترین اور خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو سدا خوش و خرم رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ---- ☆

آپ کا اپنا☆ خادم انسانیت

(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ

شاہین چک جی ٹی روڈ' گجرات

(0300-6493614)

پرائز بانڈز کی دنیا

تحقیق ...... چاند بابو

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ...... پشاور ...... ڈرا نمبر 59 ...... 01-08-2014 7500

02	042	045		240	247	624	624		72
04	20	26	35	7	2	42	48	51	73
07	22	27	37	4		45	49	52	74
10	24	28	40	0	2	47	50	70	76
11	0422	1375		2240	2470	3844	7420		81

شہر ...... لاہور ...... ڈرا نمبر 59 ...... 15-08-2014 1500

01	030	091		190	197	596	695		90
02	09	15	29	1	5	42	56	61	91
04	10	16	36	9		50	59	65	92
05	14	19	41	6	0	51	60	69	95
06	0916	0245		1906	5490	5961	6950		96

انعامی مبلہ

تحقیق ..... بابا راز و شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ..... پشاور ..... ڈرا نمبر 59 ..... 01-08-2014 7500

00	050	168	353	382	746	903	75

02	12	22	30	3		0	45	53	58	80
03	13	27	33		5		50	55	63	92
05	16	28	35	0		3	51	56	73	93

06	0300	0503	3530	3545	4794	8190	98

شہر ..... لاہور ..... ڈرا نمبر 59 ..... 15-08-2014 1500

01	030	051	150	159	888	951	80

03	11	15	27	1		0	36	51	59	90
05	12	19	28		5		40	52	61	91
09	14	21	33	1		9	50	53	69	95

10	0519	1509	1591	2485	2596	9511	96

قسمت اپنی اپنی

تحقیق ..... بابا کمال شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ..... کراچی ..... ڈرا نمبر 10 ..... 01-08-2014 25000

00	030	095	299		524	590	992	76	
02	09	25	29	2	0	37	51	55	90
03	14	26	34	9		46	52	59	92
05	20	28	35	5	9	50	53	65	95
06	0345	0952	2995		5909	9040	9925	99	

شہر ..... ملتان ..... ڈرا نمبر 07 ..... 15-08-2014 100

01	051	150	153		351	724	737	53	
03	10	15	23	1	1	30	35	46	71
04	11	20	24	5		31	37	50	72
05	13	22	26	0	3	33	42	51	73
06	0401	0513	1040		1501	1530	3510	76	

مقدر کا سکندر

تحقیق ــــ باباروحی شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر ــــ کراچی ــــ ڈرا نمبر 10 ــــ 01-08-2014 ــــ 25000

00	029	414	424		500	580	920	90
01	05	20	37	4 9	44	54	73	92
02	09	24	40	2	49	55	86	93
03	13	29	42	0 4	51	56	88	94
04	0031	0245	0294		4240	5490	9204	98

شہر ــــ ملتان ــــ ڈرا نمبر 07 ــــ 15-08-2014 ــــ 100

00	106	203	204		330	402	801	81
01	08	14	21	2 1	40	44	77	82
02	10	18	24	0	41	48	79	84
03	12	20	28	8 4	42	71	80	89
04	1082	2048	4028		4402	4500	8014	95

بیوٹی کیئر

انچارج۔ فضہ ماہین

اس عنوان کے تحت ہمیں "بیوٹی ٹپس" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کریں گے۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کروا سکتی ہیں۔

بیوٹی کیئر۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 صبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

مزیدار مکھن

(Utterly Butterly Yumm)

اگر گرمی کی حدت کی وجہ سے چہرہ خشک ہو گیا ہے۔ جلد مرجھائی ہوئی پژمردہ نظر آرہی ہے۔ تو ایک چائے کا چمچ مکھن لے کر تھوڑے سے پانی میں اس کو اچھی طرح پھینٹ لیں اور اس کو اپنے چہرے پر لگا لیں۔ اگر آپ سفید مکھن استعمال کریں گی تو نتائج لاجواب ملیں گے۔ گھر پر سفید مکھن بنانے کے لیے دودھ کے اوپر آئی بالائی اتار کر مکسر میں بلینڈ کر لیں۔ آپ کو فوراً ہی سفید مکھن حاصل ہو جائے گا۔ بالائی کی مقدار کا انحصار اس پر ہے کہ آپ کو کتنا مکھن درکار ہے۔ اسی تناسب سے بالائی لیں اور سفید مکھن بنا کر جلد کو شادابی دیں۔

☆ شازیہ انصاری۔ ساہیوال ضلع سرگودھا

فروٹ ٹانک

رس دار پھلوں کی شیرینی سے بھرپور ہم آہنگی اور تازہ کریم کی سے محروم خشک جلد کے لیے اکسیر ہے۔ دھوپ میں سارا دن گزارنے کے بعد اسے آپ اپنی جلد کے لیے تازگی بخشنے والا بہترین مشروب تصور کریں۔

اجزاء۔

سلائڈ فروٹ (خربوزہ، آڑو، اسٹرابیری اور کیلا ایک کپ، کریم کھانے کے دو سے تین چمچ، بیر (کاٹیج چیز) چائے کے تین چمچ، دیسی شکر ایک چائے کا چمچ، پنچی کا آٹا چائے کے چار چمچ۔

ترکیب۔

بلینڈر میں تمام اشیاء مکس کر کے بلینڈ کر لیں اور اسے چہرے پر مل لیں۔ دس منٹ تک لگا رہنے دیں اور پھر نیم گرم پانی سے دھو لیں۔

☆ سیما۔ اسلام آباد

چند پسندیدہ سومنٹ

1- کینو کا تازہ چھلکا چہرے پر رگڑنے سے جلد میں کھنچاؤ آتا ہے اور یہ جلد کی ساخت اور رنگت کو بھی بہتر بنانے میں ممد و معاون ہے۔

2- انار کا رس اسٹرنجنٹ کا کام بھی دیتا ہے اور یہ ایک قدرتی ٹونر بھی ہے۔

☆ شاہین۔ لاہور

طب یونانی، طب روحانی اور طب نبوی ﷺ سے علاج

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ ...... موبائل نمبر 0333-520355 www.devapk.com

ہومیوپیتھک بانجھ پن کے خاتمے کے لیے بہترین طریقہ علاج

میرا طریقہ شریعت کے عین مطابق ہے

س=ڈاکٹر صاحب! کیا بانجھ پن کا خاتمہ ممکن ہے؟

جواب=ہومیوپیتھک اس دور میں ایک بہترین طریقہ علاج ہے۔ بیٹا یا بیٹی دینا یہ سب رب العزت کے اختیار میں ہے۔ مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسے لوگ جنہیں شادی کیے ہوئے طویل عرصہ ہو گیا ہے مگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور وہ مسائل کا شکار ہیں۔ وہ ایک مرتبہ میرے پاس ضرور تشریف لائیں۔ میں نہ صرف ان کا کامیاب علاج کروں گا بلکہ ان کے بانجھ پن کے خاتمے کے لیے ایسی ادویات دوں گا۔ جن کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کو اولاد نرینہ عطا فرمائے گا بلکہ وہ خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزار سکیں گے۔ پاکستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ہومیوپیتھک پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اب تک جو لوگ میرے پاس آئے اور انہیں بیٹے یا بیٹی کی خواہش تھی میرے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ میں نے ہومیوپیتھک پر جدید ریسرچ کی ہے جس کے نتیجے میں میرے پاس علاج کی غرض سے آنے والے ہزاروں لوگ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بیٹے کی خواہش لے کر آئے...... بعض ایسے بھی تھے جن کے گھر میں 4 سے 5 بیٹیاں تھیں اور وہ بیٹے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے گھر میں بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے تنازعات جنم لے رہے تھے۔ میرے علاج کے بعد رب العزت نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ اس کے بعد وہ میرے علاج سے اس قدر مطمئن اور خوش ہوئے کہ بعد میں اپنے ہمراہ سینکڑوں ایسے جوڑے لے کر آئے جن کے ہاں اولاد نرینہ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کامیاب علاج کروانے کے بعد رب العزت نے انہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازا۔ ہمارے پاس Azosperor کا خاص طور پر علاج کیا جاتا ہے۔

س=ڈاکٹر صاحب! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے علاج کے بعد 90 فی صد جوڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا...... لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ عامل اور پیروں فقیروں کے آستانوں کا رخ کرتا ہے۔ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن سے عوام الناس صحیح یا غلط میں تمیز کر سکتے ہیں؟

جواب=یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ متعدد لوگ ضعیف

اعتقادی کے باعث ایسے جعلسازوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 90'000 سے زائد عامل وغیرہ کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس جانے والے سائلوں کی تعداد پانچ لاکھ یومیہ سے کم نہیں —— آپ شہر کے کسی بھی گلی محلے، کوچے یا شہر کے کسی ویران کونے میں چلے جائیں وہاں آپ کو یہ عامل پیر فقیر ضرور دکھائی دیں گے اور سادہ لوح عوام خاص طور پر خواتین ان کا شکار ہوتی ہیں۔

افسوس آج معاشرے میں ہر جگہ جادو ٹونے، تعویذ گنڈے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کالے جادو اور دوسرے عملیات کا باقاعدہ اعلان دعویٰ کیا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں شرک اور منتر، تنتر جھاڑ پھونک جو جادو کرنے والے ہیں وہ دوسرے افراد کو نقصان یا فائدہ پہنچانے کا کام جنات و شیاطین کے تعاون سے کرتے ہیں۔ جب یہ بدفطرت افراد شرک و کفر کرتے ہیں تو شیطان اس عامل کے ساتھ اس کام میں تعاون کرتا ہے کیونکہ یہ تعاون اس شرط پر ہوتا ہے کہ عوام الناس مرد یا عورت سے شرک کروایا جائے۔ غرض اخبارات میں دعووں سے مرعوب ہو کر پریشان حال لوگ ان عاملوں پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت خواتین اور لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی ہے اور آستانے پر آنے والا ہر فرد اس امید کے ساتھ آتا ہے کہ یہاں پر ایمان عامل، پیر فقیر اس کے تمام مسائل کو منتروں سے حل کر دے گا۔

اس کے برعکس معاشرے میں کچھ ایسے عالم بھی ہیں جو لوگوں کے مسائل کے لیے قرآنی آیات وظائف دیتے ہیں اور وہ یہ کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور لوگ شفایاب بھی ہوتے ہیں لیکن ایسے بے غرض لوگ بہت کم ہیں۔

اچھا تو ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان میں Perceptional Disorder ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ زیادہ ہوتا ہے وہ مختلف چیزیں تصور کر لیتے ہیں کہ میرے آگے پیچھے کچھ لوگ پھر رہے ہیں یا فلاں چیز مجھے مار رہی ہے۔ سائنس کے مطابق بعض لوگوں کے Senscry Organs اتنے تیز ہوتے ہیں کہ وہ کمرے کے دوسرے جانب یا شہر سے باہر ہونے والی چیزوں کو دیکھ یا سن سکتے ہیں۔ وہ صرف لاعلمی، جہالت اور ضعیف اعتقادی کی وجہ سے ان جعلی عاملوں اور پیروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں ان میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ لوگ ہسٹیریا جیسے مرض کا علاج جادو ٹونے سے کرواتے ہیں۔

س: ہسٹیریا ہے کیا——؟

جواب: ہسٹیریا کا مرض زیادہ تر خواتین کو ہوتا ہے۔ مردوں میں اس کا تناسب انتہائی کم ہے۔ ہسٹیریا ایک نفسیاتی مرض ہے۔ دراصل جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کی جنسی

جبلت بیدار ہو جاتی ہے۔ یہ جنسی بھی ہو سکتی ہیں۔ محبت میں کمی یا عدم توجگی بھی ہو سکتی ہے جب یہ خواہشات پوری نہیں ہو پاتیں تو مریض عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ مریض کو محسوس ہوتا ہے کہ گلے میں کوئی آکر اٹک گیا ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ اس ہسٹیریا کے دورے کو لوگ جن یا آسیب کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

حالانکہ ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا لڑکی کے علاج میں خاص احتیاط برتنی چاہیے۔ جادو کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں ملتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن شریف دنیا کی واحد عظیم ترین کتاب موجود ہے۔ جس میں بنیادی مسائل کا حل موجود ہے۔ ضرورت اس سے استفادہ ہونے کی ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے مرض کا باقاعدہ علاج ہونا چاہیے۔ ہم مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ لہٰذا معاشرے میں بے چینی، خود غرضی اور توہم پرستی بڑھ رہی ہے۔

س= ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ ازدواجی یا جنسی صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

جواب= بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی، جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت پر موسم، جذبات، دوست احباب، ثقافت، والدین، اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے رویے کا ذکر تو بڑی شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری سوچ، اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی سوچ اور کردار کا ناقدانہ جائزہ لینا چاہیے۔ اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت تبدیلی ہوگی وہ ذہنی، جسمانی اور جنسی صحت کی بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ ماہرین نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔ یہ تو شہوت ہے۔ اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا جس میں عزت و احترام اور قربت و لگن یکجا ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ خیالات و جذبات کا احترام کرتے ہوں اور پر سکون، مطمئن ہوں۔ اپنے

آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھیے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جنسی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجیے اور جو کام مضر ہیں انہیں ترک کر دیجیے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شاید سب سے قوی جذبہ بھی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں میں کامیاب اور ڈسپلن کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، کاروبار، معاشرتی تعلقات وغیرہ میں برے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کر کے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پروائی اختیار کر کے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر محتاط رویہ ان کی جنسی صحت کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف افسوس ملتے اور اپنے مستقبل کو تاریک دیکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پروائی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گہرا دیتی ہے۔

نہ کہنا سیکھیے

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کر لی تو یہ بد اخلاقی ہوگی بلکہ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر پست ہمتی کی وجہ سے "اس دفعہ اور" کہہ کر ہر بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور "نہ" کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر "نہ" کہنے کا سلیقہ آ جائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھیے آپ کو ایک نئی حرارت و اعتماد کا احساس ہوگا۔

خوفزدہ مت ہوئیے

"معذرت" کرنے یا "نہ" کہنے کی جرأت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ "نہ" کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو منفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہرحال صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجیے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے

بارے میں افرادِ خانہ بالخصوص شریک حیات سے گفتگو کرتے اور مشورے کرتے رہتے ہیں۔ اپنے ازدواجی معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے بھی شریک حیات سے مکالمہ کیجئے۔ اپنے انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریک حیات کو شامل کیجئے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟ اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر اپنی شریک حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول بہتر ہوگا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نوجوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق نوجوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آشنا کر دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے تو جوانوں کو بھی قابل اعتماد، سنجیدہ اور باعمل اور باعلم دوست احباب اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو دیگر ایسے افراد مل جائیں تو اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ نوجوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہوگا بلکہ مجموعی طور پر بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

غلط فہمیاں دور کیجئے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہو گئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیجئے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ مثال کے طور پر نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نوجوان نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگتے ہیں) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت کی علامت ہے۔ لیکن نوجوان بلاوجہ اس سے خوفزدہ ہو کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال پاکستانی نوجوانوں میں بہت عام ہے۔ رومانی ماحول نے نوجوانوں کی صحت کو مزید برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مند رکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کیجئے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ لوگ جنس کے بارے میں

بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ مگر یہ ہے کہ اپنے کردار اور رویے کو تول کر جنسی معلومات سے باخبر ہو کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆ حکیم شیخ محمد امین

موبائل نمبر 0345-7000088 راولپنڈی

☆☆☆

ہیپاٹائٹس بی سی کا مکمل علاج یونانی اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے

گردے کے امراض، مردانہ امراض، پرانا نزلہ زکام، جلدی امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے

☆ حکیم محمد امین ماہر معالج و گولڈ میڈلسٹ

تعارف

ہیپاٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب مشرقی ایشیا اور اس کے گردونواح کے ملکوں میں ایک وبا کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے چاہ کن اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک وبا کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا سکیں۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے یہاں یہ مرض تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص ہیپاٹائٹس B اور C کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جو ایک انسان سے تندرست انسان کو منتقل ہو جاتا ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے تو 2 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اتنے عرصے میں ان جراثیم کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک، مہلک اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا اس مرض سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ عام یرقان (پیلیا) سمجھ کر مختلف لوگوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا بھر میں سب سے زیادہ مبتلا ان لوگوں کی ہو رہی ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان کا HB تشخیص ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض ورطہ حیرت ہوتا ہے۔ مہنگا علاج، مہنگا ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا ہوتا ہے کہ یہ مرض کسمپرسی میں عذاب بن کر نازل ہو جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپاٹائٹس کا (Reactive) ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب یونانی، طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان، مصر، چین، ثمرقند اور بخارا کے ماہرین طبیب بڑے وثوق سے

علاج کرتے رہے ہیں۔ ان ادویات سے نہ صرف یرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور و معروف حکیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کا وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔ یہ بہت نازک عضو ہے۔ اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی ہے۔ اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر ستونوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کے دائروں کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور سبز رنگ کا مادہ یعنی "بائل" کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی ہوتا ہے۔ یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے "پتہ" میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں کی زیادتی کے جگر پر مضر اثرات

شراب نوشی تمباکو نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال مثلاً چرس افیون، بکثرت تمباکو نوشی یا زنگ کا پانی استعمال کرنا اور بڑی مقدار میں پیراسیٹامول کا استعمال وغیرہ ہے۔ کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا عمل روکا جا سکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام A,B,C,D,E وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم نقصان دہ ہیں B اور C ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک قسمیں ہیں۔ D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ آور ہوتے ہیں اور متعدد یرقان پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis.B)

ہیپاٹائٹس کے اسباب میں قسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس یرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم

میں پہنچ جائے تو پھر 80 فی صد افراد میں سالہا سال تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپاٹائٹس کے یرقان کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50 فی صد مریضوں کو دائمی سوزش جگر (Hepatits Chronic) اور ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25 فی صد لوگوں میں یہ جگر سکڑ (Cirhosis of Lecel) پیدا کرتا ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہیپاٹائٹس C کا مرض ہیپاٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C سے بعض صورتوں میں مریض کی ہلاکت کے 26 فی صد امکانات ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس B اور C کے مرض کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33 فی صد ایسے مریض بھی ہیں جو ہیپاٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ دو چار ماہ کورس، کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاء اللہ تعالیٰ 100 فی صد (Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ممالک میں بے انتہا مریض شفایاب ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ مریضوں کی سہولت کے پیش نظر آپ لوگ منی آرڈر یا ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج کر گھر بیٹھے کورس منگوا سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔ طبی مشورے و علاج و معالجہ کے لیے مرض کی مکمل تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپاٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپاٹائٹس C متعدی یرقان ہیپاٹائٹس کی اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپاٹائٹس C ہے۔ پاکستان میں ہیپاٹائٹس C کے شکار افراد کی تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان میں ہر گیارہواں افراد ہیپاٹائٹس C کے مرض میں مبتلا ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہزار ہا سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج ، قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی قسم کے مضر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔ حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور جتنی ادویات سے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپاٹائٹس C بلکہ دیگر امراض کے لیے بھی موثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل استعمال کے بعد ہیپاٹائٹس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive) ہوتی ہے۔

ہیپاٹائٹس کے مریضوں کے لیے غذائی چارٹ

لوکی، بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی) دیسی مرغی

(کم مقدار) نینڈے، کونگ آئل، شلجم، خربوزہ، کالی مرچ (ہلکی) سونف، مسی، کھیرا، میتھی، سرسوں کا ساگ، ککڑی، کریلا، کھویا، گریپ فروٹ اور پالک ہے۔

دی کمر پیا ٹانٹس کورس

موبائل نمبر 0345-7000088

☆☆☆

شادی شدہ کمزور مرد

''احسن مسی'' خاص استعمال کریں

20 سال سے آزمودہ

مضر اثرات سے قطعی پاک

سفرجل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس پھل کے باغات اسپین، افغانستان اور عرب ممالک کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پھل بہت لذیذ اور لطیف ہوتا ہے۔ قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کر دی ہے۔ جس سے بوڑھے مرد بھی جوان ہو جاتے ہیں اور کمزور مردوں کے لیے ایک ٹانک ہے۔ سفرجل ایک ایسا نایاب پھل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

''سفرجل کھاؤ یہ دل کو طاقت دیتا ہے، دل کے دورے کو روکتا ہے، دل کو مضبوط کرتا ہے، دل کی بیماریوں کو ٹھیک کرتا ہے، سانس کو خوشبودار بناتا ہے اور سینے کا بوجھ اتارتا ہے۔'' پھر آپ سرکار ﷺ نے سفرجل کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ۔

''سفرجل کھاؤ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں مامور فرمایا جسے جنت کا یہ پھل سفرجل نہ کھلایا ہو کیونکہ یہ مرد کی قوت کو چالیس گنا بڑھا دیتا ہے۔''

حکماء قدیم کے نزدیک یہ دل و جگر کی بیماریوں اور قوت خاص کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ حکیم سیف اللہ سیکھوانی اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

''سفرجل میں قدرت مطلق نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔''

زمانہ قدیم کے نامور حکماء لکھتے ہیں کہ۔

''یہ پھل بے حد مقوی باہ اور قوت خاص میں اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔''

حکیم محمد امین سفرجل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

''اس پھل میں قدرت نے وہ قوت رکھی ہے کہ شاید ہی کسی اور پھل میں ہو۔ کیونکہ یہ پھل قوت خاص کے لیے تخم کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ جانے اس پھل میں اور کیا کیا قوتیں موجود ہیں جو کہ انسان کے لیے حقیقی طور پر مفید ہو سکتی ہیں۔ سفرجل کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کر کے آپ کے سامنے وہ حقیقی راز کھول رہا ہوں جو کہ استاد محترم نے کئی سال خدمت کرانے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ باہ کو قوت دینے، سرعت انزال کو دور کرنے اور وقت خاص میں تحریک پیدا کرنے کے لیے باکمال چیز ہے۔ جس کی صرف ایک ہی خوراک کھانے سے مرد میں اتنا کرنٹ آجاتا ہے کہ مرد چار شادیاں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کا نام ''احسن مسی خاص'' ہے گولیوں کی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ہر قسم کے مفت طبی مشورے اور گھر منگوانے کے لیے اس نمبر پر رابطہ

کریں۔ 0345-7000088۔ احسن کسی خاص

پورے پاکستان میں ہر اچھے دواخانہ ' ہومیو پیتھک

سٹور پر دستیاب ہے نام لے کر طلب کریں۔

ہمارے ڈیلر حضرات

☆ خواجہ سٹور بالمقابل ایمپریس مارکیٹ 'صدر کراچی

☆ صدر میڈیکل سٹور 'صدر کراچی

☆ پیر ہومیو سٹور میر کرم علی تالپور روڈ 'صدر کراچی

☆ محمد علی میڈیکل سٹور آرام باغ ' کراچی

☆ طلعت ٹریڈرز واٹر پمپ چورنگی ' کراچی

☆ عرفان قادری جڑی بوٹی لانڈھی ' کراچی

☆ بسم اللہ ہومیو بلدیہ ٹاؤن ' کراچی

☆ مصطفےٰ دواخانہ صدر سالہ روڈ راحت سینما ' حیدرآباد

☆ ماریہ دواخانہ پولیس لائن ' حیدرآباد

☆ محمد علی دواخانہ لبرٹی پلازہ آبپارہ ' اسلام آباد

☆ مسلم ہومیو ' نعمان ہومیو گجیٹ روڈ ' حیدرآباد

☆ جرمن ہومیو گجیٹ روڈ ' حیدرآباد

☆ عدنان میڈیکل سٹور گلشن مارکیٹ کورنگی ' کراچی

☆ طارق ہومیو ' ڈہرکی

☆ اسٹار شاپ ٹھٹھہ

☆ عاشی ہومیو ایم اے جناح روڈ ' ٹنڈو آدم

☆ کرنل پنساری سٹور شاہی بازار لاڑکانہ

☆ خالد برادرز مدنی سویٹ ' سکھر

☆ مدینہ میڈیکل ورکشاپ ' ٹنڈو آدم

☆ پاپولر میڈیکل سٹور شاہی بازار جیکب آباد

☆ ضیاء ہومیو سکندر پورہ ' پشاور

☆ عارف میڈیکل سندھی ہوٹل نیو کراچی ' کراچی

☆ شافی دواخانہ ' شمع دواخانہ شاہی بازار بہاولپور

☆ علی ہومیو سٹور گھنٹہ گھر ' ملتان

☆ امین یونانی دواخانہ بلاک سی گھنٹہ گھر ' ڈی جی خان

☆ ارشد برادرز گھاس منڈی ' ملتان

☆ حافظ دواخانہ کلاں بازار ڈی آئی خان

☆ مشہور دواخانہ ' مسلم بازار ' پشاور

☆ الصحت ' عابد ' سٹینڈرڈ دواخانہ گھنٹہ گھر ' پشاور

☆ رحمانیہ ' ملت دواخانہ گھنٹہ گھر ' پشاور

☆ نوید صحت ' ناصر دواخانہ پشاور صدر

☆ حافظ دواخانہ ' شکر درہ کوہاٹ

☆ حکیم جمیل مینا بازار ' تیمرگرہ

☆ مدینہ پنساری گوجر خان روڈ ' مردان

☆ سعید میڈیکل ' نوشہرہ

☆ الصمد پنساری ' ایبٹ آباد

☆ الصحت پنساری ' ایبٹ آباد

☆ مشتاق پنساری ' غازی گھاٹ

☆ بادشاہ دوخانہ بوہڑ بازار ' راولپنڈی

☆ حکیم صوفی نور محمد اہلحدیث چوک ' جہلم

☆ زمان دواخانہ صدر روہتاس روڈ ' جہلم

☆ ہمدرد دواخانہ ' جہلم

☆ ہمدرد دواخانہ ' رتہ

☆ ہمدرد دواخانہ کالا موسیٰ

☆ ہمدرد دواخانہ ' میرپور

☆ ہمدرد دواخانہ ' مظفرآباد

☆ ہمدرد دواخانہ ' گلگت

☆ ہمدرد دواخانہ چلاس

☆ الحسن پنساری سٹور لکی مروت

☆ امجد برادرز لکی گیٹ بنوں

☆☆

قلمی دوستی

کوپن ماہ اگست 2014ء

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن ارسال نہ کرنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ خواتین اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ اپنے تعارف کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

انچارج قلمی دوستی ——— ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور



نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، سکواش کھیلنا، مخلص دوستوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasooelzia@yahoo.com



نام: اے رشید

عمر: 33 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن





نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل ایل بی

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ پوسٹ بکس نمبر 217 جی پی او صدر راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@786yahoo.com



نام: عبدالغفور

عمر: 45 سال

تعلیم: ایف۔ اے (فاضل عربی) ٹیچنگ

مشغلہ: مذہبی، تاریخی، روحانی اور ہر قسم کی کتب کا مطالعہ کرنا، سیر و سیاحت کرنا، روحانی علاج کرنا، خط و کتابت کرنا، ٹیلی فونک دوستی کرنا، اچھے اور باوفا لوگوں سے قلمی دوستی کرنا اور نبھانا۔

پتہ: عبدالغفور، موبائل نمبر 0312-7218443 0343-1624326 حافظ آباد

⊙⊙⊙

نام: ڈاکٹر حافظ محمد یونس

عمر: 37 سال

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، روحانی و نفسانی بیماریوں کا علاج کرنا، دکھی انسانیت کی خدمت کرنا۔

پتہ: ڈاکٹر محمد یونس معرفت اویس ہومیو پیتھک کلینک ضلع خوشاب

موبائل نمبر 0300-4032656

www.dr younas 15@yahoo.com

⊙⊙⊙

نام: عاصم بشیر

عمر: 31 سال

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، چیٹ کرنا، تحفہ و تحائف کا تبادلہ کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0308-4747401 لاہور

⊙⊙⊙

نام: مقصود احمد قادری

عمر: 26 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا، دعائیں لکھنا اور پڑھنا، لکڑی کا فینسی کام کرنا اور وفادار لوگوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: مقصود احمد قادری معرفت الحمد اووڈ ورکس باجوہ روڈ نزد اعوان چوک بائی پاس روڈ، گوجرانوالہ

موبائل نمبر 0300-4775506

⊙⊙⊙

نام: تیمور نوید

عمر: 21 سال

تعلیم: ایف۔ اے

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: تیمور نوید، موبائل نمبر 0331-6709220 (0305-4629150) لاہور

⊙⊙⊙

نام: عبدالستار

عمر: 21 سال

تعلیم: D.H.M.S

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، ہر خط کا جواب دینا، بے سہارا لوگوں کی خدمت کرنا، تصاویر کا تبادلہ کرنا، دینی کتب پڑھنا۔

پتہ: ہومیو ڈاکٹر عبدالستار جتوئی نزد نیو سبزی منڈی جام پور ضلع راجن پور

* * *

نام: ماسٹر کیانی

عمر: 21 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: میوزک سننا، سیر و تفریح، دوسروں کو خوش

رکھنا' دوستی کرنا' کہانیاں لکھنا' شعر و غزل کہنا' ڈرائیونگ کرنا۔ لڑکیاں زحمت نہ کریں۔

پتہ: ماسٹر کریانہ' جہانگیر ٹاؤن سرگودھا روڈ چکوال شہر

***

نام: رابعہ محمد لطیف احمد

عمر: 27سال

تعلیم: B.Com

مشغلہ: تاریخی ناول پڑھنا اور اپنی بے وفا دوست کو یاد کرنا۔

پتہ: فیصل الیکٹرک سٹور سروس صادق آباد روڈ راولپنڈی

***

نام: امتیاز احمد

عمر: 22سال

تعلیم: B.Sc

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا لڑکے اور لڑکیوں سے سیرو تفریح کرنا' ہم عمر مخلص ملکی اور غیر ملکی لوگوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: امتیاز احمد محلہ مغل پورہ ڈنگہ ضلع گجرات

***

نام: محمد بابر

عمر: 19سال

تعلیم: ایف۔اے

مشغلہ: مختلف رسائل پڑھنا' کرکٹ کھیلنا' دوستی کرنا

پتہ: PL نمبر62150-پی۔ پی۔ آئی۔ واہ کینٹ۔ پی او بکس نمبر47040

***

نام: میاں محمد شہباز گجر

عمر: 27سال

تعلیم: باجیسم میں گریجویشن

مشغلہ: قلمی دوستی

پتہ: 20 راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

***

نام: صاحبزادہ خان پرنس

عمر: 25سال

مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: A-204 شیخ ملتون ٹاؤن مردان

***

نام: محمد سعید اختر خان

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: میوزک سننا' قلمی دوستی رکھنا۔

پتہ: تحصیل پیپلاں ضلع میانوالی۔ 11 کنال پیپلاں آرا مشین نزد فردوس سینما مسز شفیق کو ملک کر سعید اختر خان کو ملے۔

***

نام: سید نعمان شاہ

عمر: 22سال

تعلیم: M.A انگلش پارٹ I

مشغلہ: ڈش دیکھنا' کرکٹ کھیلنا۔

پتہ: B-407 بلاک سبزہ زار لاہور

***

نام: محمد محمود احمد بھٹی

عمر: 20سال

تعلیم: ایف۔اے

مشغلہ: سیرو تفریح' قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: محمد محمود احمد بھٹی۔ محلہ چاہ سنگراں والہ طرف راوی نیو ممتاز آباد ملتان

***

نام: این۔ اے۔ صنم ملتانی
عمر: 19 سال
تعلیم: لاسٹ ایئر۔
مشغلہ: N کی یاد میں دن رات تڑپنا، غمگین میوزک سننا، سیر و تفریح کرنا، لڑکے لڑکیوں سے دوستی کرنا۔ لڑکی کو اپنا ثبوت بھیجنے پر گفٹ بھیجوں گا۔
پتہ: این۔ اے۔ صنم ملتانی۔ C/O چوہان راجپوت سپر اسٹار ویڈیو کلب چک نمبر 6 فیض مبارک پور براستہ لاڑ ملتان شریف

***

نام: طارق احمد
عمر: 18 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: ضلع ڈیرہ بگٹی بلوچستان۔ ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ بلوس ڈیرہ بگٹی

***

نام: عارف بگٹی
عمر: 20 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: لڑکیوں، لڑکوں سے قلمی دوستی کرنا دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کرنا۔ لڑکے اور لڑکیاں رابطہ کریں، جواب ضرور ملے گا۔
پتہ: ضلع ڈیرہ بگٹی بلوچستان۔ ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ بلوس ڈیرہ بگٹی

***

نام: جنگی خان
عمر: 30 سال
مشغلہ: لینڈ کروزر ڈرائیونگ کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: صوبہ بلوچستان ضلع ڈیرہ بگٹی ڈاکخانہ ڈیرہ بگٹی

***

نام: جاوید اقبال میرانی
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: لڑکوں بلیو لڑکیوں سے قلمی دوستی۔
پتہ: سرا آئو 1 ڈی اینڈ کمپنی۔ چوبارہ ورود لیہ

***

نام: سید خیر محمد شاہ نقوی
عمر: 17 سال
تعلیم: D.A.E (سول) سیکنڈ ایئر
مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: سید عبدالستار شاہ سبزی فروش۔ گنداوہ ضلع جھل مگسی بلوچستان۔ بعد ملے سید خیر محمد شاہ کو۔

***

نام: محمد عمران ثاقب قیر
عمر: 23 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: اچھے دوست بنانا
پتہ: مکان نمبر B.V-69 محبت نگر قیر سٹی کراچی کوڈ 75050۔ نزد عزیز اللہ ملک شاپ کو مل کر محمد عمران ثاقب کو ملے۔

***

نام: ایم اخلاق خان ساغر
عمر: 22 سال
تعلیم: ایف۔ اے
مشغلہ: شاعری کرنا، کرکٹ کھیلنا، لڑکیوں لڑکوں سے قلمی دوستی، جو پہلے خط لکھے گا خوبصورت انگوٹھی تحفے کے طور پر دی جائے گی۔

پتہ: معرفت ایم سلیم ڈیرل لیبارٹری مل روڈ بنگہ ایم اخلاق خان کو ملے۔

* * *

نام: نعمان ساجد
عمر: 21 سال
تعلیم: B.A (فائنل ایئر)
مشغلہ: ہر قسم کے ناول اور رسالے پڑھنا، شعرو شاعری۔
پتہ: مکان نمبر P-70/7 گلی نمبر 6 محلہ سہیل آباد نزد شالہ کالونی فیصل آباد

* * *

نام: عبداللہ احمد بلوچ
عمر: 23 سال
تعلیم: چھ جماعت
مشغلہ: ڈاک ٹکٹیں جمع کرنا
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 16297 الخشہ ابوظہبی

* * *

نام: شفیق الرحمان
عمر: 24 سال
تعلیم: بی ایس سی
مشغلہ: مطالعہ
پتہ: مکان نمبر 795 اسٹریٹ 8 نگر پانوالی گوجرانوالہ

* * *

نام: نصیر الدین بن محمد انور
عمر: 21 سال
تعلیم: ہائی سکول
مشغلہ: فکر معاش
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 11265 دیرہ دبئی یو اے ای

* * *

نام: شوکت یوسف بلوچ
عمر: 24 سال
تعلیم: مناسب
مشغلہ: مطالعہ، موسیقی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 9453 دبئی یو اے ای

* * *

نام: سیف اللہ کھوسہ
عمر: 17 سال
تعلیم: آٹھویں
مشغلہ: مطالعہ
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 2657 شارجہ یو اے ای

* * *

نام: پرویز قاسم جی منگی
عمر: 24 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: مطالعہ
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 863 دبئی یو اے ای

* * *

نام: جہاں زیب شیر
عمر: 29 سال
تعلیم: سات کلاس
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 1455 المین ابوظہبی یو اے ای

* * *

نام: شیخ یوسف ادریس احمد
عمر: 25 سال
تعلیم: بی اے
مشغلہ: جہیز کے خلاف آواز اٹھانا
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 1305 صفات کویت اے ای

* * *

نام: محمد اسماعیل چودھری
عمر: 22 سال
تعلیم: مڈل
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 6061 دیرہ دوبئی یو اے ای

★ ★ ★

نام: غلام سرور حنیف بھٹو
عمر: 22 سال
تعلیم: آٹھ
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 3401 پن کوڈ نمبر 13035 صفات کویت اے سی

★ ★ ★

نام: عبدالصمد بی ایم
عمر: 30 سال
تعلیم: ایس ایس ایل سی
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 23669 صفات کویت

★ ★ ★

نام: نگل نور محمد 31965
عمر: 25 سال
تعلیم: مڈل
مشغلہ: دوستی
پتہ: نگل پٹھون ایچ کیو کیمپ کے جی ارزات صلالہ سلطنت عمان

★ ★ ★

نام: نثار احمد بلوچ
عمر: 24 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: دوستی
پتہ: نمبر 31960 سلطان قابوس ملٹری کالج پوسٹ

بکس نمبر 1729 سی پی او رجیب عمان

★ ★ ★

نام: محمد اشرف
عمر: 23 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: غریبوں کی مدد کرنا
پتہ: خلاط الوطنی گل رقم نمبر 70 عمارۃ قیس الغانم شارع مکہ کوڈ نمبر 63000 فاحیل کویت

★ ★ ★

نام: ایم آر اے
عمر: 32 سال
تعلیم: بی ایس سی
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 1019۔ بحرین

★ ★ ★

نام: ملک عبدالمالک
عمر: 28 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 309 ابوظہبی یو اے ای

★ ★ ★

نام: مصطفیٰ علی
عمر: 25 سال
تعلیم: بی ای
مشغلہ: خدمت خلق، مطالعہ
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 1198 شارجہ یو اے ای

★ ★ ★

ناقابل فراموش واقعات

کوپن ماہ اگست 2014ء

اس کالم میں آپ مختصر سبق آموز، معلوماتی، حیرت انگیز، ناقابل فراموش، خوفناک، دہشت ناک واقعات اور اسلامی معلومات ارسال کرسکتے ہیں۔ جس کے ہمراہ آپ کو اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کرنا ہوگا۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں۔ اپنی تحریریں صاف اور خوشخط لکھیں۔

معرفت انچارج ناقابل فراموش واقعات ...... ماہنامہ سچی کہانی، 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

کیا وہ قبر میں زندہ تھی؟

میں چھٹیاں گزارنے کے لیے اپنے ماموں کے ہمراہ ان کے گھر ملاخیل گیا۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں سرسبز درختوں کے ساتھ یہ خوبصورت گاؤں آباد ہے گاؤں کے تھوڑے ہی فاصلے پر پہاڑی سے قدرتی پانی نکلتا ہے۔ اور یہی پانی نالے کی صورت میں گاؤں کے ساتھ بہتا ہوا آگے کھیتوں میں جا نکلتا ہے نالے کے پار چند فرلانگ کے فاصلے پر دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ اپنی جھونپڑیوں میں آباد تھے۔ ان لوگوں نے بھیڑ بکریاں، گائے بھینس پال رکھی تھیں۔ جنگل سے خشک لکڑیاں کاٹ کر، دیسی گھی اور شہد اکٹھا کر کے قریبی قصبے سلطان خیل اور تحڑوال میں فروخت کر کے گزارہ کرتے تھے اس نالے کے قریب ہی گاؤں کا قبرستان ہے۔ یہاں چونکہ بڑے بڑے پتھر تھے اس لیے گاؤں کی عورتیں یہاں آ کر کپڑے دھویا کرتیں۔ میں اپنے ماموں زاد بہن بھائیوں کے ساتھ یہاں آ کر چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر پانی میں چھوڑا کرتا دوپہر تک ہم یہیں کھیلتے اور پھر نانا جان ہمیں گھر لے جاتے کھانا کھانے کے بعد باہر نکلنے پر پابندی نافذ ہو جاتی۔ مجھے اس گاؤں میں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہی گزرا ہوگا کہ ایک قریبی بستی میں ایک نوجوان اور خوبرو لڑکی کی موت سانپ کے ڈسنے سے واقع ہوگئی اسے اسی گاؤں کے قبرستان میں دفنا دیا گیا۔ دفنانے کے تھوڑی دیر بعد ہمارے گاؤں کی ایک عورت کپڑے دھو کر سکھانے کے لیے قبروں پر بچھا رہی تھی کہ ایک کپڑا اس نے لڑکی کی قبر پر بچھا دیا۔ پچھلے پہر وہ کپڑے اکٹھے کر رہی تھی تو اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ کپڑا بدستور گیلا ہے جو اس نے لڑکی کی قبر پر بچھایا تھا۔ عین اسی وقت ایک بزرگ سائیں بابا کا گزر ہوا وہ عورت کی طرف متوجہ ہوئے جو بار بار دوسری عورتوں سے کہہ رہی تھی کہ نہ جانے یہ کپڑا ابھی تک کیوں گیلا ہے۔ سائیں بابا قریب آئے اور پوچھنے لگے کہ قبر کس کی ہے؟ عورت نے

انہیں پورا واقعہ سنایا بابا نے عورت سے کہا یہ لڑکی زندہ ہے اس کے گھر والوں کو بلاؤ عورت گھبراہٹ کے عالم میں گھر دوڑی تھوڑی دیر بعد ہی لڑکی کے رشتے دار وہاں آپہنچے بابا نے ان سے کہا پہلے تو انہوں نے سخت احتجاج کیا لیکن سائیں بابا کے اصرار اور ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر انہوں نے قبر کھودی اور لاش نکال کر گھر لے گئے۔ بابا بھی ان کے ساتھ گھر پہنچے گھر پہنچ کے بعد لڑکی کے بکھرے ہوئے بال چارپائی سے نیچے لٹکا دیے اور اپنے تھیلے سے بین نکال کر بجانے لگے تھوڑی دیر بعد یکے بعد دیگرے چار سانپ آگئے بابا نے کچھ پڑھا اور سانپوں سے کہا جاؤ اس خبیث کو بلاؤ یقین کریں سانپ واپس اس طرح پلٹ گئے جیسے وہ بھی انسانوں کی زبان جانتے ہوں چند منٹوں کے بعد وہ سانپوں کے بین مرکز میں ایک سانپ پھن پھلائے آپہنچا۔

پہلے تو وہ بین کی سریلی آواز میں مست رہا پھر زمین پر سر رکھ دیا اس کے بعد پھر سائیں بابا نے بین رکھ دی۔ اور کچھ پڑھ کر سانپ پر پھونک ماری دوسرے لمے سانپ رینگنے لگا اور لڑکی کے سیاہ بالوں کی طرف سے چڑھ کر بائیں ٹانگ پر پہنچا جہاں اس نے وار کیا تھا اسی ڈسے ہوئے زخم پر سانپ نے منہ رکھا تقریباً تین منٹ بعد سانپ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سائیں بابا نے کچھ پڑھا اور پانی کے چند قطرے لڑکی کے منہ پر گرائے لڑکی کا چہرہ اب تک پرسکون تھا۔ چہرے کی رنگت بدلنے لگی اور یکا یک لڑکی نے آنکھیں کھول دیں اور وہاں پر موجود ہر شخص انگشت بدنداں تھا۔ سائیں بابا تھوڑی دیر رکنے کے بعد چلے گئے روکنے سے بھی وہ لوگ انہیں روک نہ سکے اس واقعے کو ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے لیکن آج تک ان بزرگ کی یہ کرامات میرے دل سے محو نہ ہو سکی اور حقیقت یہ ہے کہ اگر میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو شاید کبھی بھی اس واقعے کی صداقت پر یقین نہ کرتا۔ وہ لڑکی اب تک زندہ ہے اور کئی بچوں کی ماں ہے۔ اس کا اصل نام اور مقام اس لیے نہیں لکھا گیا کہ سائیں بابا نے ایسا کرنے سے منع کیا تھا

☆ نعیم۔ کراچی

☆☆☆

پردیسی بابو

رشید چند سال پہلے اسی گاؤں میں محکمہ نہر کے دفتر میں بطور کلرک تبدیل ہو کر آیا تھا۔ اسے یہ گاؤں اور اس پر فضا ماحول میں آباد لوگ بہت اچھے لگے۔ رشید بھی ایک اچھا اور قابل نوجوان تھا۔ اسی وجہ سے یہ گاؤں کے لوگوں میں گھل مل گیا اور لوگ بھی اسے پسند کرتے لگے۔ اسی دوران رشید کی ملاقات گاؤں کی ایک لڑکی پروین سے ہوئی جب وہ گاؤں سے باہر نہر پر کپڑے دھو رہی تھی پروین ایک غریب لڑکی تھی مگر اس کے باپ نے اسے پرائمری تک تعلیم ضرور دی تھی اسی وجہ سے رشید اور پروین میں پہلی ملاقات کا بہت اثر ہوا اور وہ دونوں چند ملاقاتوں میں ایک دوسرے کو چاہنے لگے رشید اور پروین نے آئندہ زندگی کے بہت اچھے اچھے خواب دیکھے رشید کو یہاں آئے ایک سال کا عرصہ گزرا ہو گا کہ رشید کا ٹرانسفر کسی اور جگہ ہو گیا۔ پروین نے یہ خبر سن کر خاموشی اور اداسی کو گلے لگا لیا لیکن رشید نے اسے اپنی محبت کا بھرپور

یقین دلایا اور واپس آنے کا اور خط لکھنے کا وعدہ کیا مگر اس کے باوجود پروین پر کوئی اثر نہ ہوا آخر رشید نے ایک بار پھر مسکرا کر پروین کو خدا حافظ کہا اور شہر کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر رشید پروین کو کچھ عرصہ ہی یاد رکھ سکا اور چند خطوط ہی لکھے۔ آہستہ آہستہ رشید پروین کو بھلا کر اپنی زندگی میں مگن ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد اس کی شادی ہو گئی اور آہستہ آہستہ وہ اپنی فیملی میں اس قدر کھو گیا کہ اسے ماضی کے گزرے لمحات کی کوئی جھلک تک یاد نہ رہی۔ آخر کار چودہ سال اسی طرح گزر گئے اور ایک دن رشید ایک افسر کی حیثیت سے ایک بار پھر اسی گاؤں کے ریلوے اسٹیشن پر اترا لیکن اس بار رشید اکیلا نہ تھا بلکہ اس کے خاندان والے بھی اس کے ساتھ تھے۔ رشید اور اس کے خاندان والے تانگے میں سوار ہو کر جب گاؤں جانے لگے تو راستے میں نہر کے کنارے اسی جگہ پروین جہاں رشید اور پروین کی ملاقات ہوئی تھی وہاں ایک پاگل لڑکی اور بیمار عورت جو کہ دراصل پروین ہی تھی بار بار ہر راہ گیر سے یہ سوال کر رہی تھی کہ میرا پردیسی بابو نہیں آیا۔ میرا پردیسی بابو ضرور آئے گا۔ تانگے والے نے رشید اور اس کے بچوں کا تجسس دیکھ کر انہیں اس عورت کی ساری کہانی سنا دی تب رشید کو ماضی کے چودہ برس پہلے کے تمام واقعات یاد آ گئے مگر اس کے پاس سوائے پچھتاوے اور ندامت کے کچھ بھی نہ تھا وہ اپنی سوچوں میں گم تھا اور بار بار یہ الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے میرا پردیسی بابو نہیں آیا۔ میرا پردیسی بابو ضرور آئے گا۔

٭ نعمان۔ انڈیا

☆☆☆

گروپ بندی

دہلی کے قریب غازی آباد کے قصبہ لونی میں رہنے والے جنتا دل کے ممبر اور پراپرٹی ڈیلر 33 سالہ سید راشد علی اور ان کے پانچ ساتھیوں کو دن میں بارہ بجے شارع عام پر اس وقت گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا جب وہ قریب کے اسٹیٹ بینک سے دس ہزار روپے نکال کر اپنی سفید جیپسی ماروتی کار میں گھر واپس آ رہے تھے۔ حملہ آور مرنے والوں کے آٹومیٹک ہتھیار اور تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ روپے بھی لوٹ کر لے گئے۔

چودھری سید راشد علی اپنے علاقے کی سرکردہ شخصیت تھے۔ وہ سیاست میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے اندرا گاندھی قتل کے بعد 84ء میں جنتا پارٹی سے کانگریس کے امیدوار ایچ کے ایل بھگت کے مقابلہ میں جن وچار منچ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا تھا اور ہار گئے تھے۔

چودھری سید راشد علی کے قریبی تعلقات جن خاص لوگوں سے تھے ان میں اترپردیش کے وزیر اسلم خان، مرکزی وزیر ارون نہرو اور عارف محمد خان کے نام قابل ذکر ہیں اور انہیں تعلقات کی وجہ سے چودھری سید راشد علی کو ان کی حفاظت کے لیے یوپی پولیس کے دو سیکورٹی گارڈز بھی ملے ہوئے تھے۔

چودھری راشد علی کے گھرانے میں زمین کی خرید و فروخت کا کاروبار تقریباً ستائیس سال سے ان کے والد سید مصطفیٰ علی کے زمانے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس دوران تقریباً چودہ کالونیاں مختلف ناموں سے جن میں ہزاروں کی تعداد میں مکانات ہیں وہ بسا چکے تھے۔

چودھری سید مصطفیٰ علی کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک بیٹے محمد علی کی 82ء میں کار ٹرک حادثہ میں موت واقع ہو گئی تھی۔ چودھری سید راشد علی کے قتل کے بعد

اب تین بھائی ہیں۔ مرحوم راشد علی کے چھوٹے بھائی ارشد علی پیشے سے ڈاکٹر ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ راشد بھائی کو دو سرکاری شیڈو ملے ہوئے تھے ایک شیڈو تقریباً دس دن سے چھٹی پر گیا ہوا تھا۔ دوسرا اسٹین گن لے کر راشد علی صاحب کے ساتھ چلتا تھا۔

واردات والے دن تیرہ اگست کو دن میں گیارہ بجے راشد صاحب گھر سے بینک جانے کے لیے نکلے تھے ان کا سرکاری شیڈو ان کے گھر سے نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے بغیر بتائے گھر پر اسٹین گن چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ چودھری راشد کے ساتھ ان کا ڈرائیور عظیم پرائیویٹ شیڈو ہم سنگھ اور انجیری، ولیش محمد عرف جیم ساتھی معروف دین وغیرہ بھی گئے تھے۔

ڈاکٹر ارشد نے بتایا کہ جیپسی کار راشد صاحب چلا رہے تھے اور ان کا ڈرائیور عظیم برابر میں بیٹھا تھا۔ باقی لوگ پیچھے بیٹھے تھے جیسے ہی یہ لوگ بینک سے لونی انٹر کالج کی طرف آئے ایک تیز رفتار بلیرو جیپ نے راشد علی کی جیپسی میں سامنے سے ٹکر ماری۔ ٹکر لگتے ہی جیپسی میں بیٹھا ڈرائیور عظیم نیچے گر گیا اور پھر جیپ میں سوار آٹھ حملہ آوروں نے اسٹین گنوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور جیپسی میں بیٹھے کسی بھی آدمی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اتفاق سے عظیم ڈرائیور کسی طرح بھاگ نکلا اور اس نے پولیس کو خبر دی۔

ڈاکٹر ارشد نے بتایا کہ چودھری سید راشد علی اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی خبر لونی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لونی کا تمام بازار بند ہو گیا۔ علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

ڈاکٹر ارشد کے مطابق چودھری راشد نے لونی میں پچاس بیگھہ زمین کا سودا کیا تھا۔ اور زمین کے مالک کو ساڑھے چار لاکھ روپے پہلے ہی ادا کر دیے تھے۔ تیرہ اگست کو ساڑھے پانچ لاکھ روپے دے کر دس لاکھ روپے کا ایگریمنٹ غازی آباد جا کر کرانا تھا۔ اس لیے چودھری راشد علی نے نوے ہزار روپیہ تو بینک سے نکالا اور باقی کی رقم وہ گھر سے لے کر گئے تھے۔

ڈاکٹر ارشد کے مطابق چودھری راشد کے ڈرائیور عظیم اور دو لوگوں نے جو جیپسی کے پیچھے موٹر سائیکل پر سوار تھے تین ملزمان کو پہچان لیا ہے جن کے نام شیر، کلو رام رانا اور کیشو ہے۔ کلو رام رانا کے متعلق بتایا گیا کہ یہ شخص پی اے سی میں ونگ کمانڈر تھا اور آج کل معطل چل رہا ہے۔

پرائیویٹ شیڈو ہم سنگھ ہری دوار کے قصبہ لکسر کا رہنے والا تھا۔ چودھری راشد نے اپنے پسماندگان میں پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا ہے۔ مرحوم راشد کا دس سالہ لڑکا دہرہ دون میں زیر تعلیم ہے۔ وہ باپ کی موت پر آیا اور ایک ہفتہ بعد پھر اسکول چلا گیا۔

ڈاکٹر ارشد کے مطابق پولیس نے 19 اگست کو دو ملزم اجل اور اشوک کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا ہے۔ ان کے قبضے سے پولیس نے 20 ہزار روپے کے وہ نوٹ جو بینک سے نکالے گئے تھے اور مقتول راشد علی کا ریوالور جو قاتل قتل کے بعد لے کر بھاگ گئے تھے برآمد کر لیا ہے۔ باقی ملزمان کی سختی سے تلاش جاری ہے۔

لونی میں تناؤ کے پیش نظر واردات کے وقت بڑی تعداد میں پی اے سی تعینات کر دی گئی تھی۔ ڈی آئی جی میرٹھ زون کیشور جہاں نے بھی لونی کا دورہ کیا اور پولیس حکام کو یہ ہدایت دی کہ وہ کسی بھی صورت میں ٹکراؤ نہ ہونے دیں۔

ڈاکٹر ارشد کے مطابق چودھری راشد کے قتل میں بی جے پی، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کی سازش

ہے۔ کیونکہ لونی عارتی آباد کے علاوہ سہارنپور اور دہرہ دون تک چودھری راشد کا شہرہ تھا۔

انہوں نے کہا کہ چودھری راشد صاحب فرقہ پرستی سے سخت نفرت اور آپسی اتحاد پر زیادہ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے قتل کو سیاسی رنگ دیا جا رہا ہے۔

چودھری راشد کو گزشتہ دنوں چاؤن اریا لونی کے سابق چیئرمین کے قتل کا ملزم بھی بتایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ سابق چیئرمین کمال کی بیوہ کوشلیا کا چودھری راشد کے قتل میں ہاتھ ہو سکتا ہے۔ شک اس لئے بھی زیادہ کیا جا رہا ہے کہ کوشلیا کچھ دنوں سے قصبے سے غائب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چودھری راشد علی نے کمال کو قتل کرانے کے لئے منند رفوجی گروہ کی مدد لی تھی۔ گزشتہ سال کے قتل کے بعد اس کی بیوہ کوشلیا اس سیٹ کی امیدوار تھی۔ اس کے مقابلے میں چودھری راشد علی کا بھائی لوراو علی تھا جو پہلے الیکشن میں کمال کے مقابلہ میں ہار گیا تھا۔

چاؤن اریا لونی کے چیئرمین کا چناؤ ستائیس جولائی کو ہونا تھا: ٹکراؤ کے ڈر سے پولیس نے ملتوی کرا دیا۔

چودھری راشد کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ زمینوں کا ناجائز دھندہ کرتے تھے۔ اس دھندے میں دو گروپ بن گئے۔

ایک گروپ چودھری راشد علی کا تھا اور دوسرا گروپ کمال کا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے نمٹنے کے لئے باہر کے غنڈوں کا بھی سہارا لیتے تھے۔ اسی لئے راشد علی کے قتل میں تیر اور کالو رام رانا کو استعمال کیا گیا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ منند رفوجی اور تیر ایک زمانہ میں تیاگی گروہ میں شامل تھے اور اب کچھ عرصہ سے ان لوگوں نے اپنے گروہ الگ بنا لئے ہیں۔

☆ محسن سنگھ۔ انڈیا

☆☆☆

برتن مانجھنے والی عورت

ہر طبقے کی عورتوں کی عزت کی جائے۔ مزدور عورتوں کو معقول تنخواہ دی جائے۔ ان کو ظلم و ستم سے بچایا جائے۔ ان کے بچوں کے مستقبل کا بھی خیال رکھا جائے اور انہیں پڑھنے اور جینے کا حق دیا جائے ---- یہ سب نعرے بڑے دلکش ہیں اور عورتوں کی تنظیمیں انہیں اکثر بلند کرتی رہتی ہیں۔

لیکن اگر یہی نعرے مطالبوں کے روپ میں برتن مانجھنے والی مزدور عورتوں کی طرف سے پیش کئے جائیں تو عورتوں کی کون سی ایسی انجمن ہو گی جو ان پر ہمدردانہ غور کرے گی؟ ایسی تنظیموں کی کرتا دھرتا تو وہی پڑھی لکھی عورتیں ہوتی ہیں جن کے ہاتھوں یہ مزدور عورتیں ستائی جا رہی ہیں۔

سوہن جب ایک ہفتے غیر حاضری کے بعد رضیہ بیگم کی کوٹھی پر آئی تو رضیہ بیگم اس پر برس پڑیں۔ گالیاں تک دے ڈالیں۔ اس پر سوہن کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ بولی۔

بیگم صاحب میں ایک ہفتے تک اس لئے کام پر نہ آ سکی کہ مجھے بخار آ گیا تھا۔ میں غریب ضرور ہوں مگر میں گالیاں برداشت نہیں کر سکتی۔ میرے دو پیسے نکلتے ہیں دے دیجئے۔ اب میں کبھی نہیں آؤں گی۔

اور رضیہ بیگم نے ایک ہفتے کے پیسے کاٹ کر باقی پیسے سوہن کو دے دیے ان کو اس پر ذرا بھی رحم نہ آیا --- اگرچہ یہی لیڈیز کلب کی میٹنگ میں یہی رضیہ بیگم دھواں دھار تقریریں کر کے سماج اور حکومت پر زور دیتی ہیں کہ بے چاری مزدور عورتوں کی حالت سدھارنے کے لئے جلدی قدم اٹھایا جائے۔

رسولن کے تین بچے ہیں۔ حال ہی میں اس کا شوہر ایک حادثے میں چل بسا تھا۔ بے چاری رسولن برتن مانجھ کر بچوں کا پیٹ پال رہی ہے۔ اجرت اسے بہت کم ملتی ہے۔ کام کا بھی بھروسہ نہیں کہ کب نے کب ذرا سی بات پر اسے جواب مل جائے۔

نازو نو سال کی ایک دبلی پتلی لڑکی ہے۔ وہ ایک وکیل صاحب کے گھر برتن مانجھنے کا کام کرتی ہے۔ ایک دن اس کے ہاتھ سے شیشے کی پلیٹ گر کر ٹوٹ گئی۔ اس حادثے سے نازو کا چہرہ مارے خوف کے سفید پڑ گیا۔

وکیل کی بیوی جو ایم اے کر چکی ہیں نازو پر اس طرح ٹوٹ پڑیں جیسے نازو نے کوئی بہت قیمتی چیز چرا لی ہو۔ انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا' پلیٹ کی قیمت (شاید سود سمیت) اس کی ماہانہ اجرت میں سے کاٹ لئے۔

شمشاد بیگم رام پور کی رہنے والی ہیں۔ رام پور میں ان کا اپنا مکان ہے' زمین ہے' کافی جائیداد ہے۔ ہر سال وہ دہلی سے اپنے میکے رام پور جاتی ہیں اور ایک نئی نوکرانی ساتھ لے آتی ہیں۔ وہ سخت طبیعت کی اور بدمزاج واقع ہوئی ہیں' اس لئے کوئی بھی نوکرانی ان کے پاس زیادہ دن تک نہیں ٹک سکتی۔

محمودہ صاحبہ ایک بڑے افسر کی بیوی ہیں۔ پڑھی لکھی بھی ہیں' مگر ان کے دل میں غریبوں کے لئے کوئی ہمدردی نہیں۔ حال ہی میں ایک غریب لڑکی' جو ان کے گھر برتن مانجھتی تھی اور رات کو ان کے گھر کسی کونے میں دبک کر سو جایا کرتی تھی ان کی سنگ دلی کی بھینٹ چڑھ گئی۔

وہ بے چاری سردی کے دنوں میں اوڑھنے بچھانے کا سامان نہ ہونے کی بنا پر ساری رات ٹھٹھرتی رہتی تھی۔ لیکن محمودہ بیگم کو بھی اتنا خیال نہ آیا کہ کوئی پھٹا پرانا کمبل ہی اسے دے دیں۔ آخر وہ لڑکی سردی کو برداشت نہ کر سکی اور سخت بیمار پڑ گئی۔ محمودہ بیگم نے اسے خیراتی ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ بس اس کے آگے انہوں نے کچھ نہیں کیا۔

بتول پچھلے بیس بائیس سال سے برتن مانجھنے کا کام کرتی چلی آرہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ بیس سال پہلے اسے برتن مانجھنے کے عوض ایک گھر سے ہر مہینے روپے مل جاتے تھے۔ تہوار اور شادی کے موقعے پر ساڑھی اور انعام بھی مل جاتا تھا۔ اب اجرت کے تو پانچ سو روپے ملتے ہیں مگر تہوار اور شادی کے موقع پر کچھ بھی نہیں ملتا۔

وہ کہتی ہے بیس سال پہلے وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا بڑے گھر کے لوگ اپنے نوکروں کے دکھ سکھ میں حصہ لیتے تھے۔ مجھے یاد ہے جب میری بیٹی کی شادی ہو رہی تھی تو مجسٹریٹ صاحب کی بیوی نے مجھے ایک ہزار روپے دیئے تھے اور شادی کے دن وہ ایک گھنٹے کے لئے میری جھونپڑی میں بھی آئی تھیں۔

ایسا خلوص اتنی محبت آج کی عورتوں میں کہاں؟ سنا ہے آج بڑی بڑی عورتوں کی انجمنیں ہیں ان انجمنوں میں عورتوں کے تحفظ اور ترقی کے مسئلے پر غور و فکر کیا جاتا ہے۔ پھر یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بیدار مغز باشعور اپنے گھر میں کام کرنے والی مزدور عورتوں کی زندگی کے بارے میں غور و فکر کیوں نہیں کرتیں؟

یہ برتن مانجھنے والی مزدور عورتیں کب تک کم تنخواہ کا عذاب اور اس کے ساتھ جھڑکیاں اور گالیاں برداشت کرتی رہیں گی؟

☆ سمیرا۔ ڈی۔ جی۔ خان

☆☆

شاھدہ کا دستر خوان

انچارج۔ شاہدہ پروین

کھانے پکانے کی تراکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف صاف اور خوشخط لکھی ہونے چاہیے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کر دیں گے۔

لکھیے: شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ۔ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



حلوہ پوری اور چھولے کا سالن

حلوے کے اجزاء۔

سوجی	ایک پاؤ
کیوڑہ	ایک چائے کا چمچ
چینی	آدھا کلو
لونگ	دو یا تین عدد
الائچی	پانچ یا چھ عدد
پانی	آدھا کلو
بادام (گری)	50 گرام (باریک کٹے ہوئے)
گھی / آئل	ایک پاؤ
زردے کا رنگ	آدھا چائے کا چمچ (ذرا سا پانی میں حل کریں)

ترکیب۔

گھی یا آئل دیگچی میں ڈال کر ہلکا سا گرم کر کے الائچی اور لونگ ڈال دیں۔ آنچ بالکل دھیمی کر کے سوجی ڈال دیں اور خوشبو آنے تک ہلکا براؤن کر لیں۔ چینی اور پانی کا الگ دیگچی میں ہلکا شیرہ بنالیں۔ سوجی براؤن ہو۔ زبر شیرہ ڈال دیں اور آنچ درمیانی کر کے پکنے دیں۔ ی نرم ہو جائے تو حلوہ کی بھنائی کریں یہاں تک کہ گھی الگ نظر آنے لگے اور حلوہ سخت جائے تو رنگ اور بادام ڈال دیں۔ پانچ منٹ دم پر رکھیں۔ کیوڑہ ڈال کر پیش کریں۔

پوری

اجزاء برائے پوری

سفید آٹا	ایک کپ
گھی / آئل	پوریاں تلنے کے لیے
براؤن آٹا	ایک کپ
چینی	آدھا چائے کا چمچ
نمک	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب۔

دونوں آٹے ملا کر چھان لیں اس میں نمک اور چینی ملا کر نیم گرم پانی سے آٹا گوندھ لیں۔ تھوڑی دیر کے لیے گیلے کپڑے سے پوریوں کا آٹا ڈھک دیں۔ پھر کڑاہی میں گھی یا آئل گرم کریں اور آنچ ہلکی کر دیں۔ چھوٹی چھوٹی پوریاں بیل کر تل لیں۔ ٹشو پیپر پر نکال کر رکھتے جائیں تاکہ گھی یا آئل جذب ہو جائے۔

چھولے کا سالن

اجزاء۔

چھولے	آدھا کلو
املی کا پانی	آدھی پیالی
پیاز	دو سے تین عدد (باریک کاٹ لیں)
پانی	ایک لیٹر
ٹماٹر	تین یا چار عدد (ٹکڑوں میں کٹے ہوئے)
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ (پاؤڈر)
دھنیا	ایک کھانے کا چمچ (پسا ہوا)
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ (پسی ہوئی)
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
گھی / آئل	ایک کھانا پکانے کا چمچ
ادرک	آدھا کھانے کا چمچ (پیسٹ)
لہسن	آدھا کھانے کا چمچ (پیسٹ)

ترکیب۔

سب سے پہلے چھولے صاف کر کے پوری

رات کے لیے بھگو دیں۔ صبح دو بار پانی سے نکال کر دھو لیں اور ابال لیں۔ گھی یا آئل گرم کر کے پیاز کو ہلکا سا براؤن کر لیں۔ ٹماٹر اور ک، لہسن اور تمام مصالحے ڈال کر بھون لیں۔ جب ٹماٹر گل جائیں تو چھولے ڈال کر املی کا پانی اور پانی ڈال کر پکائیں۔ دس منٹ تک پکانے کے بعد اتار لیں اور پوریوں کے ساتھ پیش کریں۔

☆ عائشہ۔ لاہور

شیر عید

اجزاء

دودھ	دو کلو
چینی	ایک کپ
سویاں	آدھا کلو (موٹی والی)
چھوٹی الائچی	چھ عدد (صرف دانے پیس لیں)
کھویا	ایک پاؤ
دیسی گھی	دو کھانے کے چمچ
کریم	ایک پیکٹ
چھوہارے	چھ عدد (لمبائی میں کاٹ لیں)
کارن فلور	تین کھانے کے چمچ
بادام پستہ	آدھا کپ (باریک کٹے ہوئے)

ترکیب۔

آدھا گھنٹہ پہلے چھوہارے آدھ کپ دودھ میں بھگو دیں۔ دودھ کو ایک دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھیں دوسری دیگچی میں پانی ڈال کر سویاں ابال لیں۔ جب سویاں گل جائیں تو پانی نچوڑ کر فوراً ٹھنڈا پانی نتھار لیں۔ دودھ میں الائچی اور چینی بھی شامل کر لیں۔ کارن فلور کو آدھا کپ دودھ میں یا پانی حل کر لیں جیسے ہی دودھ کو ابال آئے کارن فلور ڈال دیں۔ ساتھ ہی کھویا ڈال کر مکس کریں۔ جب کسٹرڈ کی طرح گاڑھا ہو جائے تو اتار کر دیسی گھی ڈال لیں اور ٹھنڈا کر لیں۔ اب ایک سرونگ باؤل میں پہلے سویاں ڈالیں پھر دودھ ڈال کر چمچ سے دونوں چیزوں کو مکس کر لیں ساتھ ہی کریم ڈال کر مکس کریں اور اوپر بادام پستہ چھڑک دیں اور چھوہاروں سے درمیان میں پھول سا بنا دیں۔ چاند رات کو ہی بنا کر فریج میں رکھ دیں۔ عید والے دن مزیدار شیر عید مہمانوں کو پیش کریں۔

☆ مسعودہ۔ ملتان

رنگین سویاں

اجزاء۔

سویاں	آدھا کلو
گھی/آئل	آدھا کلو
چینی	آدھا کلو
کیوڑہ	دو چائے کے چمچ
الائچی	دو دانے
زردہ رنگ	ایک چٹکی
کھویا	آدھا کلو
گلابی رنگ	ایک چٹکی
بادام	آدھا پاؤ (باریک کاٹ لیں)
کشمش	آدھا پاؤ

ترکیب۔

چینی کا شیرہ قوام کی طرح بنا لیں۔ سویوں کے تین برابر حصے کر لیں۔ ایک حصے کو زردہ اور دوسرے کو گلابی رنگ کے پانی میں علیحدہ علیحدہ ابال لیں۔ بقیہ تیسرے حصے کو سادہ پانی میں ابال لیں۔ اب کسی کھلے

مٹ کے برتن میں پہلے سادہ رنگ کی سویاں گول چھلے کی صورت میں رکھیں۔ اس پر قوام کی تہہ بچھائیں (جو کہ آپ کو علیحدہ تیار کرنا ہے) اب گلابی سویوں کی تہہ جمائیں اور میوہ ڈالیں۔ اب زرد سویاں ڈال کر قوام ڈالیں۔ درمیان سے سویاں کو کاٹ دیں تاکہ شیرہ اچھی طرح جذب ہو جائے اور سویاں کھانے میں پریشانی بھی نہ ہو۔ گھی یا آئل گرم کریں اس میں الائچی ڈال کر سویوں کے اوپر بگھار کر لیں۔ سویاں ٹھنڈی ہو جائیں تو کھویا شامل کر لیں۔ آخر میں کیوڑہ ڈال دیں۔ رنگین سویاں تیار ہیں۔

[illegible]ابہ۔ کراچی

چٹ پٹے آلو چھولے

اجزاء۔

سفید چنے	آدھا کلو
ہری مرچ	چار عدد (باریک کاٹ لیں)
آلو	آدھا کلو
دھنیا	باریک کٹا ہوا تھوڑا سا
املی کا پانی	ایک کپ
پودینہ	باریک کٹا ہوا تھوڑا سا
سفید زیرہ	دو چائے کے چمچ
ٹماٹر	ایک عدد (باریک کاٹ لیں)
دھنیا ثابت	دو چائے کے چمچ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
چینی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سوڈا	ایک چائے کا چمچ
پیاز	دو عدد (باریک کاٹ لیں)
ٹماٹر	دو عدد

ترکیب۔

رات کو چنے پانی میں بھگو دیں۔ سب سے پہلے سفید زیرے کو توے پر بھون کر پیس لیں پھر ثابت دھنیے کو بھی توے پر بھون کر پیس لیں۔ ثابت لال مرچ کو بھی توے پر بھون کر پیس لیں۔

لال مرچ پاؤڈر، ایک چمچ چینی ایک چمچ نمک آدھا چمچ کو املی کے پانی میں ڈال کر پانچ منٹ پکائیں۔

رات کو پانی میں بھگوئے ہوئے چنے صبح اچھی طرح دھوئیں اور سوڈا ڈال کر ابالنے کے لیے رکھ دیں۔ جب چنے گل جائیں تو اس میں آلو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈال دیں۔ آلو گل جانے پر چولہے پر سے اتار دیں اور اس میں املی کا پانی، پیاز، ٹماٹر، دھنیا، پودینہ اور ہری مرچ ڈال کر مکس کریں اور اوپر بھونا ہوا مصالحہ چھڑک دیں۔

☆ عظمی۔ اسلام آباد

کھجور کی چٹنی

اجزاء۔

کھجور	آٹھ دس دانے
نمک	ایک چائے کا چمچ
سرکہ	چھ کھانے کے چمچ
زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا	ایک گڈی
ہری مرچیں	تین عدد

ترکیب۔

کھجور کے بیج نکال لیں۔ ایک فرائی پین میں

سرکہ اور کھجور ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں یہاں تک کہ کھجور بالکل گل جائے اور سرکہ خشک ہو جائے۔ اب کھجوروں کو اور باقی تمام اجزاء کو گرائنڈر میں پیس لیں۔ چٹنی تیار ہے۔

☆ نوشین۔ سرگودھا

میری پسند

انچارج نور فاطمہ

کوپن ماہ اگست 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنا شعر یا قطعہ یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

کیئر میری پسند ——— ماہنامہ سچی کہانی 29' حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

اکیلی تو بھی ہے، میرا بھی دور ہے محبوب
گلے تو مل شب ہجراں کے عید ہے

ملک عدیم اعوان ——— گجرات

یہ وقت ضرورت ہے چلو آ گلے لگ جائیں
اور ہنس کے کہو کہ تم سے ذرا "عید مبارک"

مظفر حسین مظفر ——— تونسہ شریف

میں بھی آیا ہوں تمہیں عید کا تحفہ دینے
اپنی پلکوں پہ سجائے ہوئے اشکوں کے چراغ

دُر محمد رضا بلوچ ——— شرک بلوچستان

دولت سکون قلب کی پا لیں تو عید ہو
ہر ہر نفس لطیف بنا لیں تو عید ہو

نادل ساجن ——— شرک بلوچستان

آج پھر عید ہے اے دوستا
آج پھر تیری یاد آئی ہے

پرنس عبدالاتفاق شاہین چکوال ——— دانے

ابھی کیوں نہیں اٹھتی قیامت یہ ماجرا کیا ہے
ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

حسن نواز سرگانہ ——— نامعلوم

رسوائیوں کا خوف ہے تو کتنا بھی چھوڑ دے
جاتی نہیں نشست نظر کی لگی ہوئی

شہباز حیدر سرگانہ ——— ساغر صدیقی

ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایت نے دم توڑ دیا

بدر حسین قریشی ——— بہاول پور رضا تونسہ

فقیر لوگ ہیں ہم تو نشے میں رہتے ہیں
ہماری چاند ستاروں سے دوستی کیسی

احمد محمود زخمی بہاول نگر ——— قتیل شفائی

ملال کا ہمیں نہ دلاؤ احساس قتیل
قتل ہو جاتے ہیں زنجیر ہلانے والے

یاسمین داس لاہور ——— انور نیاز

ہلال عید میرا بھی پیام لیتا جا
کسی کے واسطے میرا سلام لیتا جا

دولت سکون قلب کی پائیں تو عید ہو
ہر ہر نفس لطیف بنا لیں تو عید ہو

❀❀❀

گلے ملو کہ محبت کی عید آئی ہے
ہمارے پیار کی ہولی بھی رنگ لائی ہے

وہ دن تو عید کا دن ہوتا ہے ہمارے لیے
تمہارا ہاتھ کے جو منہ ہم سحر کو دیکھتے ہیں

❀❀❀

ادھر سے چاند تم دیکھو ادھر سے چاند ہم دیکھیں
نگاہیں یوں ہی ٹکرائیں ہماری عید ہو جائے

عید کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے

❀❀❀

اے دوست! تجھ پہ عید کی خوشیاں نثار ہوں
جلتی رہے شمع تیری انجمن سے دور

میرے لہو کے رنگ سے چمکی مہندی کتنے ہاتھوں کی
شہر میں جس دن قتل ہوا تو عید منائی لوگوں نے

❀❀❀

عید تو اب غم کا اک پیغام ہے اپنے لیے
عید کی خوشیاں مبارک تم کو ہوں جان وفا

خدا کرے تجھے عید راس آجائے
تو جس کو چاہے وہ تیرے پاس آ جائے

❀❀❀

کیوں گلے ملتی نہیں وہ تجھ سے ناز
عید کیا اب کے بھی خالی جائے گی

مری دعا ہے مناؤ ہزار عیدیں تم
مسرتوں کی تمہیں ہر گھڑی مبارک ہو

❀❀❀

آج پھر عید کا چاند نظر آیا
اب نہ وہ تو ہے اور نہ وہ میں ہوں

کیا لطف عید ہے اگر تم مجھ سے دور ہو
گزرے گا روز عید تصور میں تمہارے

❀❀❀

بجھے چراغ جلاؤ کہ عید کا دن ہے
رخ جمیل دکھاؤ کہ عید کا دن ہے

ہو مبارک چاند تم کو عید کا
شکریہ! تم نے دیا موقع اپنی دید کا

❀❀❀

بیچارگی کے زخم ہیں اور بے بسی کے پھول
دامن میں اور کچھ بھی نہیں عید کے لیے

سب سے ملے وہ عید پہ ہم سے ملائے خالی ہاتھ
عید کے دن سچ پوچھو تو عید منائی لوگوں نے

❀❀❀

مجھے تیری تجھے میری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گزر جائے گی

دوستوں سے دور جا کر کیا مزہ ہے عید کا
دوستوں کی دید حاصل ہو تو پھر ہے لطف عید کا

کون سی چیز تجھے عید کا تحفہ بھیجوں
پیار بھیجوں کہ دعاؤں کا ذخیرہ بھیجوں

پلکوں پہ آنسوؤں کے ستارے سجا دیے
کس دھج سے حسرتوں نے کیا اہتمام عید

نگاہوں کو جس دن تری دید ہوگی!
قسم ہے اس دن مری عید ہوگی

عید تو ہوتی ہے اس کی جس کا دلبر پاس ہو
ہم سے تو بچھڑے صنم ہیں کیا ہماری عید ہے

ہم نہ تھے تو بھی عید آئی تھی
ہم نہ ہوں گے تو بھی عید آئے گی

اے عید کے چاند آج وہ آئیں کہ نہ آئیں
بتا تجھے دیکھیں تو گلے کس کو لگائیں

آنکھ اٹھانے سے کہیں ساعت دید آتی ہے
عمر گھٹ جاتی ہے اک سال تو عید آتی ہے

تیری تصویر پہ لب رکھ کے میری جان جگر
گونگے بہروں کی طرح عید منا لیتے ہیں

وفا کا سندیسہ لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید

احباب پوچھتے ہیں بڑی سادگی کے ساتھ
میں اب کے عید مناؤں گا کس کے ساتھ

عید کے دن کہاں عید ہوئی
تیری فرقت کے نئے رنگ کی تجدید ہوئی

ہلال عید کے جانب میری بلا دیکھے
کہ میری چشم تصور میں بس رہے ہو تم

اے مرے دوست آج پھر تم کو
عید کی ہر خوشی مبارک ہو

دستور ہے دنیا کا مگر یہ تو بتاؤ
ہم کس سے ملیں کس سے کہیں عید مبارک

عید کا چاند دیکھنے والے
آ! کہ میری بھی عید ہو جائے

پھول اور بھی ہیں مگر گلاب جیسا کوئی نہیں
دوست اور بھی ہیں مگر آپ جیسا کوئی نہیں

یہ وقت ضرورت ہے ملو آ کے گلے سے
اور ہنس کے کہو ہم سے ذرا عید مبارک

❁❁❁

وہ جنہیں اپنا بنانے کا سوچ بھی نہ سکے
انہیں کے نام ہم نے لکھا ہے عید مبارک

❁❁❁

دیکھوں ہلال عید کہ دیکھوں ترا جمال
وہ آسمان کا چاند ہے تو زمین کا چاند

❁❁❁

تیرے لیے دعائیں تھیں اور ذکر تھا تیرا
سامان اشک و آہ سے ہم نے منائی عید

❁❁❁

فراز آسمان پہ جب ہلال عید ابھرے گا
ستارہ میری پلکوں پہ تیری الفت کا چمکے گا

❁❁❁

نگاہ شوق کو منظور دید تیری ہے
دکھا دے منہ ہمیں مانا کہ عید تیری ہے

❁❁❁

پھر آ گئی عید مگر دل اداس ہے
خوشیوں کی ہے نوید مگر دل اداس ہے

❁❁❁

عید آئی تم نہ آئے کیا مزہ عید کا
عید ہی تو نام ہے ایک دوسرے کی دید کا

❁❁❁

گل نہ ہو گا تو جشن خوشبو کیا
تم نہ ہو گے تو عید کیا ہو گی

❁❁❁

عید آئی ہے دوست تجھے کیا بھیجوں
چوڑیاں کانچ کی یا پھولوں کا گجرا بھیجوں

❁❁❁

اپنا بھی کسی طرح سے کٹ جائے گا یہ دن
تم جس سے ملو آج اسے عید مبارک

❁❁❁

کاش اس عید سعید کے حسین لمحوں میں
میری ذات گم ، گمشدہ بھی تجھے یاد آئے

❁❁❁

دیکھا جو دور سے ہم نے عید کے چاند کو
بعد میں کھایا دھوکا ”پاپا“ آپ جناب کو

❁❁❁

آج عید، کل عید، صبح عید، شام عید ہو
خدا کرے تری زندگی کے ہر لمحے کا نام عید ہو

❁❁❁

آ گئی باغ جہاں میں نیک ساعت عید کی
اک تمنا رہ گئی باقی تمہاری دید کی

❁❁❁

عید کے بعد وہ ملنے کے لیے آئے ہیں
عید کا چاند نظر آنے لگا عید کے بعد

❁❁❁

نہ چھیڑ اتنا انہیں اے وعدۂ شب کی پشیمانی
کہ اب تو عید ملنے پر بھی وہ شرمائے جاتے ہیں

❁❁❁

ابھی اسیر قفس رہا ہونے دو
رہا ہوئے تو ہم عیدیں ہزار کر لیں گے

❁❁❁

جرم عشق کب ہے دنیا سے چھپائیں
ہم نے تو قتل کو چاہا ہے ہزاروں سے کہیں گے

★ نسیم احمد ------ کہاریاں

ہم تو نفرت سے نہیں پیار سے کرو مغلوب
ہم تو شامل ہیں محبت کے گنہگاروں میں

ریاض احمد عاجز۔ ملتان

جنازہ روک کر میرا وہ اس انداز سے بولے
ہم نے گلی کہی تھی تم دنیا چھوڑ چلے

★ عبدالوحید ------ بدین سندھ

اگر تم نے ہمیں چاہا ہے دلوں کی طرح
ہم بھی سنور جائیں گے بکھرے بالوں کی طرح

باسم علی گل۔ ملتان

اس کی محفل میں ذرا سچ کہہ کر جانا
وہ تنگ ظرف کو محفل سے اٹھا دیتے ہیں

فیضان حسین خٹکی۔ حیدرآباد سندھ

شیشہ ہے دل کا چور تو کیا درد ہو
حد ان کا دیکھ لیتا ہوں ٹکڑوں کو جوڑ کر
میں وقت آنے پہ خود زہر بھر کے پی لوں گا
اگر تو میری موت کا معیار اتنا پست نہ کر

★ فرخ سلطانہ ------ ایبٹ آباد

پھول ہوں تیرے ہم پہ خار بہت ہیں
ہم ہیں لاوارث تیری طلبگار بہت ہیں
اس دنیا کی بھیڑ میں کھو جانے والے
اب تو آجا ہم بیمار بہت ہیں

دوست محمد ریکی۔ کنڈیاں

اب نہ آنا لوٹ کر خدا را کبھی
یہ گھر میں نے بڑی مشکل سے سنوارا ہے

★ اللہ بخش ------ میلسی

اے سال نو کی مبارک لکھوں کہ دعا لکھوں
سوچتا ہوں اس کمسن نازنین کو کیا لکھوں

وہ ابھی تک مکمل کے ہوا بھی نہیں ہمکلام
یا راحت اسے آشنا لکھوں یا نا آشنا لکھوں

راحت نصیر خان نیازی ترک خیل

یہ زندگی جو مجھے ملی ہے
یہ مجھ کو نہ ملتی تو ٹھیک تھا

★ صابرہ علی ------ کیچ مکران

میں چاہتوں کی تلاش میں
یوں گلی گلی نہ پھرا صوفی

میاں افضل حسین صوفی۔ تحصیل کمالیہ

ملا جو بھی دوست ہم کو اسے دعویٰ وفا تھا
کٹی زندگی ہماری یہ فریب کھاتے کھاتے

★ عبدالغفور ------ سنڈی ریاض الدین

وہ آنسوؤں کی بھیک تیرے غم سے مانگ کر
پلکوں کے در پہ سجایا کریں گے ہم

ایم حسین سوڈی۔ ٹی خان

گھر سے نکلے تھے خوشی کی تلاش میں
راستوں میں غم ملے اور ساتھ ہو لیے

★ ایم منصور احمد ------ جھنگ

تو سدا جیتا رہے پیار کے حقدار نصیب اللہ
جن کی فطرت میں ہو وفا وہ دعا کرتے ہیں

چوہدری ایم نصیب اللہ خان۔ دھوریہ

تجھ سے بچھڑ کر میرے محبوب
نہ پوچھ کہ حال کیا ہے محبوب

★ عبدالصبور خان ------ پشاور

دل تو ریزہ ریزہ ہو گیا ہے
چہرہ گھر ہے بہار جیسا ہے

★ رضوان احمد ------ بھکر

خواب تھا جو بند آنکھوں کا
کھلے نینوں کا ایک سپنا تھا
ڈھونڈوں اسے میں کہاں اصغر
وہ بے وفا جو کبھی اپنا تھا

میاں محمد اصغر۔ گلاس ٹوبہ علی

تمہیں دل لگانے کو کس نے کہا تھا بہل جائے گا بہلتے بہلتے
مریض محبت انہیں کا فسانہ سناتا رہا دم نکلتے نکلتے

شبانہ خان کوٹ ادو ضلع ڈیرہ غازی خان

ہو گیا پیار کا دو ہچکیوں میں فیصلہ
ایک ہچکی موت کی اور اک تمہاری یاد کی

محمد ندیم خان۔ کوٹری

وہ کہہ دلی بھولی صدا سن لو
داستان غم وفا سن لو
سب کی سنتے ہو حسن کے داتا
ہم فقیروں کی بھی دعا سن لو

مجاہد انجم شو۔ نیو ملتان

چاندنی کو وصل کہتا ہوں
رات کو یار اصول کہتا ہوں
تپ کی ساحلی کی موت کو
اوتی پیروں کی بھول کہتا ہوں

انجم خان بنت شو۔ نیو ملتان

سحر سحر سے خیالوں کی بھیک مانگی ہے
کرن کرن سے اجالوں کی بھیک مانگی ہے
نہ دے سکی یہ کبھی ظرف سنگدل دنیا
مری نظر نے سوالوں کی بھیک مانگی ہے

نگہت جاوید گل۔ لودھراں

ہوش کو جام کی ضرورت ہے
عقل کو وہم کی ضرورت ہے
حسن سے ہے تکلفی کے لیے
ذوق شام کی ضرورت ہے

نبیلہ غزل۔ گوجرانوالہ

ہم عشرت کا ایک گھونٹ نہیں
عاشقی آرزو کی چتا ہے
زندگی حادثوں کی دنیا میں
راہ بھولی ہوئی حسینہ ہے

ندیم صابر شہزاد۔ چوک سرور شہید

دیکھا ہے میں نے دل کی بے چینیوں کا منظر
اک ٹوٹتی کلی میں اک ڈوبتی کرن میں

امجد کنول۔ آزاد کشمیر

زخموں میں لطف بہار لیتا ہوں
غم حیات کو ہنس کر گزار لیتا ہوں
کلیوں سے رنگ ستاروں سے روشنی لے کر
جمال یار کا نقشہ اتار لیتا ہوں

مرزا شریف ساجد۔ خوشاب

عجیب لوگ بھی دشمن کو مار دیتے ہیں
تخیلات کی چھریاں اتار دیتے ہیں
یہ پتیوں کے ستارہ شناس دیوانے
بلندیوں کے مقدر سنوار دیتے ہیں

شبیر احمد عطاری۔ بہاولپور

جانے والے ہماری محفل سے
چاند تاروں کو ساتھ لیتا جا
ہم خزاں سے نباہ کر لیں گے
تو بہاروں کو ساتھ لیتا جا

محمد فاروق گل۔ ملتان

[illegible] کا ہم زندگی ہی نہیں
ہم نے بھی حسین دیکھے ہیں
دل بیدار کی آنکھوں سے
سنگ بھی ہے جبیں دیکھے ہیں

ور محمد شاہ فرخ۔ بلوچستان

سانپ پلتے ہیں آستینوں میں
لب تشنہ کے خزانوں میں
لب شراروں کی فصل ہے ساغر
رنگ اگتے تھے جن زمینوں میں

قمر خان۔ کوئٹہ

کسی کے درد محبت کے غم بھر کے لیے
تجھ کو مانگ لیا خدا سے عمر بھر کے لیے

سجاد حسین کاظمی۔ [illegible]

غزلیں نظمیں

کوپن ماہ اگست 2014ء

انچارج ــــ معیز وحمر

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنی غزل' نعت' نظم یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

کیلئے غزلیں نظمیں ــــ ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

غزل

مرے بالوں میں تیرے لمس کے جالے ابھرتے ہیں
مرے قدموں کے پیچھے جب بھی چھالے ابھرتے ہیں
کبھی اُگتے ہیں دیواروں میں اک پیپل کے درخت
کبھی دروازوں پر کچھ ریشمی تالے ابھرتے ہیں
زمانے بھر کی آنکھوں کے لیے پھرتے ہیں ہاتھوں میں
حسیں چہروں کے ہونٹوں پر جو تل کالے ابھرتے ہیں
کبھی اے چاند تیرے حسن کی تسخیر کرنے کو
لیے دامن میں امیدیں یہ متوالے ابھرتے ہیں
یہاں آئے وہاں جائے' ادھر آئے اُدھر جائے
یوں دھرتی پر مرے ہی چاند کے ہالے ابھرتے ہیں
کبھی کانٹوں میں بھرتی ہے مرادوں کی کسک ساری
کبھی بلبل کے دل سے چار سو نالے ابھرتے ہیں

☆ امجد رحمان مراد۔ سیالکوٹ

غزل

کون آیا ہے دل کے آنگن میں
پھول کھلنے لگے ہیں گلشن میں
میرے سینے پہ ہاتھ تو رکھو
ہے بہت شور دل کی دھڑکن میں
جس سے مل کر قرار آیا ہے
تو ہی پہلا ملا ہے جیون میں
بھیگ کر آج تیز بارش میں
آگ تو نے لگا دی ساون میں
تو نے مہکا دیا ہے کچھ ایسا
جیسے خوشبو بسی ہے چندن میں

☆ نور یحان آفاق۔ حیدر آباد

غزل

ہماری چاہت کی تجھے نہ کچھ خبر ہو گی
تڑپتے ہوئے یوں ہی یہ شب بسر ہو گی
تیری وفا سے ہے یہ جہاں پھر روشن
تمہاری دید کے لائق نہ یہ نظر ہو گی
یہ تو ممکن نہیں اپنی وفا کو رسوا کریں
نہ یہ زباں کھلے گی نہ آنکھ تر ہو گی

رواں ہے کون سی منزل کو کارواں دل کا
تیری یاد صرف اس کی ہم سفر ہو گی
میری خاموشی کا سبب نہ جانا تو نے کبھی
میرے بچھڑنے کے بعد پھر تجھے قدر ہو گی
تیرے پیار کے چراغ نہ ہوں اس طرح فروزاں
نہ ہو گی شام کبھی اس کی نہ سحر ہو گی
وہ تو ہیں سنگدل ان سے کیا گلہ جاوید
پھر تمہاری آہ و فغاں بے اثر ہو گی
☆ محمد اسلم جاوید۔ فیصل آباد

جواب

معلوم تو ہمیں بھی تھے تیرے بے رخی کے قصے محسن!
یقین تبھی آیا جب تماشا خود بنے
(پروین شاکر کا جواب)
تماشا تو ہم بنے بیٹھے تھے لو سنو
جنت اور تاق کا ہم سے نہیں کوئی واسطہ
ہمیں جب بھی لگی ضرب کی
تقسیم ہوئے اور بکھرتے چلے گئے
(ساگر کا جواب)
بے پردہ لوگ تماشا بنا نہیں کرتے سنا تم نے
بے وفاؤں کی محفل لگے گی آج
چپ کر کے وقت پہ آ جانا
مہمان خاص ہو تم کیونکہ بے وفا ہو تم
(انجلی کا جواب)
بے وفائی کا الزام دینا گناہ کبیرہ ہے
زندگی بھر ساتھ بھلے نہ چلو
وہاں تک تو ساتھ چلو جہاں تک ساتھ ممکن ہے
پھر جہاں حالات بدلیں گے وہاں تم بھی بدل جانا
(ساحل کا جواب)
وہاں نہ تم بدل پاؤ گے نہ ہم وہاں کتنا دلکش منظر ہو جب
ہم قیامت کے دن کریں شکوہ تیری بے وفائی کا اور تم
لپٹ کر دھیرے سے کہو چپ رہو
خدا کے لیے آج ہم صرف تمہارے ہیں اور صرف تمہارے
☆ ساحل علی۔ موبائل نمبر 0300-8366273 لاہور



غزل

مدت کے بعد ان کی نظر کرم ہوئی
اک بار بھول کر ملاقات ہو گئی
ستانے لگے ہو مجھ کو وہ حادثات تم
وہ بات سنتے سنتے اک رات ہو گئی
یہ تیری بھول تھی میں تیرا غمگسار
میں خوش تھا تیری زلف کو پھر مات ہو گئی
تو نے چھپائی صورت زلفوں کی اوٹ میں
پھر دیکھو میرے گالوں پہ برسات ہو گئی
لیکن جو میرے یار نے پردہ دیا اٹھا
دیدار عام میری حیات ہو گئی
☆ احمد حبیب قیصر۔ لاہور

آزاد نظمیں

(1)

وعدہ کیا تھا
اس نے کہ
آئیں گے خواب میں
مگر
یہ وعدہ بھی
گزشتہ وعدوں
کی طرح
اس نے وفا نہ کیا

(2)

اس نے لکھ بھیجا ہے مجھے
کہ
اسے کوئی غزل لکھ بھیجوں
قلم ہے میرا کہ
سرشار ہے عجب مستی میں
الفاظ پہ الفاظ لکھتا جاتا ہے
ورق پہ ورق سیاہ کرتا جاتا ہے
اور
ہر ورق پر
اسی کے نام کے
الفاظ رقم ہیں

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

غزل

کاش! پھر آئیں بھی گزرے زمانے میرے
سب حسیں راتیں وہ دن سارے سہانے میرے
گیت گاؤں کے دعائیں وہ بھی ماؤں کی
چھن گئے مجھ سے تو انمول خزانے میرے
سب کے ہمدرد تھے جو لوگ مرے گاؤں کے
سب بلا پاس لیے وہ تو خدا نے میرے
رنگ سب پیار کے آجائیں گے پھر شعروں میں
آپ لے آئیں تو وہ یار پرانے میرے
ان کی یادیں بھی مرا ساتھ کہاں تک دیں گی
روز امتیاز بدلتے ہیں ٹھکانے میرے

☆ ایم ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

غزل

واقف ہے میرے غم سے اور جانتا ہے سب
وہ اتنا بھی نادان نہیں کہ جاہل کہیں اسے
چاہیں تو گنوا دیں اس کو، چاہیں تو پالیں ہم
وہ اتنا بھی مسئلہ نہیں کہ مشکل کہیں اسے
ادھر یاد کریں ہم، ادھر محسوس ہو اس کو
وہ اتنا بھی عالم نہیں کہ قابل کہیں اسے
ہر چند کہ ہم نے اسے پا ہی لیا ہے
وہ اتنا بھی قریب نہیں کہ حاصل کہیں اسے
کہتے ہیں کہ قسمت سے ہمیں مل ہی جائے گا
وہ اتنا بھی نصیب نہیں کہ حاصل کہیں اسے
تصور میں خیالات میں قربت ملی اس کی
وہ اتنا بھی ساتھ نہیں کہ شامل کہیں اسے
ہر خوبی دنیا والو، اس میں مگر شی
وہ اتنا بھی مکمل نہیں، کہ کامل کہیں اسے

ثمینہ اقبال گوجرانوالہ

عید کے دن

مہرباں ہوتا ہے جس طرح خدا عید کے دن
ایسے ہوتی ہے ادا رسم وفا عید کے دن
اک زمانہ ہوا بچھڑے ہوئے ان سے مجھ کو
کیا کوئی مژدہ نیا لائی صبا عید کے دن
ملتفت ہو کے جو وہ مجھ سے بغلگیر ہوئے
مل گیا ہے مجھے پیغام وفا عید کے دن
انھیں انسانوں نے دیکھا ہے محبت سے مجھے
مجھ کو اعزاز تیرے در سے ملا عید کے دن
اس ادا سے وہ میرے سامنے آیا دلبر
بھا گئی دل کو میرے اس کی ادا عید کے دن
دوستوں نے بھی بدل ڈالیں نگاہیں مجھ سے
مجھ کو قسمت نے یہ انعام دیا عید کے دن
مجھ کو دنیا کی نہیں تیری رضا ہے درکار
ہے یہ اللہ سے جوہر کی دعا عید کے دن

☆ سید صداقت علی جوہر۔ کراچی

عید

اے عید خوشیاں بانٹتے ہوئے بھی
اگر تیرا وہاں سے گزر ہو
کہ جہاں منتظر نظریں تھکی ہیں
اور آخر کار تھک کر وقت سے سسکی ہیں
کوئی آئے اور ہمیں بھی گلے لگائے
ہمارے رخساروں پہ بہتے آنسوؤں کو
دھیرے سے سمیٹ لے تو اے عید
اے دکھوں اور مسکراہٹوں بھری عید
بھولنا نہیں! بلکہ آگے بڑھ کر ان کے میلے دامن
اور شکستہ جھولیوں میں لبالب
خوشیوں کے پھول بھر دینا اور پھر
ان کی مسکراہٹوں کو جاوداں کر دینا

☆ روبینہ حبیب۔ لاہور

عید

آج
ہے عید کا دن
دنیا ڈوبی ہے خوشیوں میں
کاش
تم چلے آتے
میری
عید بھی ہو جاتی

★ مجاہد حسین ------ میاں چنوں

غزل

اے چاند رات کے چاند سن تو ذرا
میں ہوں چاند آج تجھ سے بہت خفا
کہاں غیب رہتا ہے تو یونہی سال بھر
اداس رہتا ہے تجھ بن یہ دل جگر
چاند تجھے دیکھ کر میں کرتا ہوں دعا
میرے اپنوں کو یا رب دے لمبی عمر
جانم تیرے میرے پیار کا ہے گواہ خدا
اے چاند رات کے چاند سن تو ذرا
تجھ سے تو ہے ایک رات کی دوستی
ان سے ہے میری صدیوں سے دل لگی
اس کے بغیر ادھوری ہے یہ میری زندگی
تیرے بن نئی ہے یعقوب کے دل کی لگی
[illegible] سے جا کر اس کے کان میں کہنا
اے چاند رات کے چاند سن تو ذرا
میں تو بہت دور ہوں اپنے یار سے
گر تیرا تو گزر ہو گا اس کے دیار سے

جھک کر اس کو سلام کرنا پیار سے
پھر کہنا میری طرف سے اس کو عید مبارک
اور کہنا تجھے لاکھوں عیدیں ایسی دکھائے خدا
اے چاند رات کے چاند سن تو ذرا
★ محمد سعد یعقوب ملک، ٹھکہ نوالہ

غزل

خدارا مجھے نہ تڑپانا عید کے دن
اپنا سمجھ کے گلے لگانا عید کے دن
لوگوں کو ملتے دیکھ کر میرا دل جلے گا
میری جاں مجھے نہ ترسانا عید کے دن
عید کے روز ملنا رسم ہے صدیوں پرانی
تم ملنے سے نہ گھبرانا عید کے دن
زندگی کا کیا دوبارہ عید نصیب ہو نہ ہو
مجھ سے دامن نہ چھڑانا عید کے دن
اگر دوستی ہو دوستی کا بھرم رکھنا
زمانے بھر کے طعنوں سے بچانا عید کے دن
تجھ سے ملنے کی دعائیں کرتا ہوں کنول
میری حسرتوں کا خون نہ بہانا عید کے دن
★ اشرف خیالی مغلی، سنبہ مظفر آباد

ہلال عید

ہلال دیکھنا تو اپنے جذبات سنبھال رکھنا
ہر قدم پہ ملے گی نئی خوشی بس تم دل کا خیال رکھنا
نئی فضاؤں کے طالب ہو نیا آشیاں بھی ہو گا
پرانے تنکے بکھر بھی جائیں تو مت کوئی ملال رکھنا
سمندر سے بھی گہرا رکھنا راز دل محفل میں
چھپکے چھپکے اشک بہانا آنکھوں کو تم لال رکھنا
اونچی اڑان رکھنے والے پنچھی بھی گھر آتے ہیں
تم بھی یاد کے آشیاں اپنا یاد وعدہ وصال رکھنا
ظلم و تکبر کو فنا ہے یہ جائے گا مٹ جائے گا
جلیل ہے تمہارا رب یاد اس کا جلال رکھنا

روز عید بے شک شاداں و فرحاں رہنا تم بھی تبسم
بادل کے قبضے میں ہے زیست اس کا بھی خیال رکھنا
★ اورنگزیب تبسم جگی منڈھول، پونچھ (AK)

عید کے بعد

عید کے دن نہ کی ہم سے ملو عید کے بعد
ہم بھی اب عید منائیں گے تری دید کے بعد
شکریہ ان کا کہ وہ آ تو گئے ہیں ملنے
عید کا چاند نظر آنے لگا عید کے بعد
ہو گیا صاف مرا دل بھی اب شیشے کی طرح
عید ملنے کا تیرے جذبہ پہ شاکر کے بعد
دل کا جو حال ہے میں تجھ کو بتاؤں کیسے
تشنگی باقی ہے نظارہ حرید کے بعد
ان کا پیغام ملا ملنے کا ہم کو جوہر
کیوں نہ پھر عید ہماری ہو اس نوید کے بعد
★ سید طلاوت علی۔ کراچی

غزل

ہمارے پیار سے جلنے لگی ہے اک دنیا
دعا کرو کسی دشمن کی بد دعا نہ لگے
جو روٹھنا ہے تو اتنے سکوں سے روٹھو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتہ نہ چلے
کچھ اس ادا سے میرے ساتھ تم بے وفائی کرو
کہ تیرے بعد مجھے تو بے وفا نہ لگے
عابد ندیم، جھنگ شہر

غزل

دریا کی لہریں بھول گئی تھیں انگڑائیاں
جب ڈالے ہم ہاتھوں میں ہاتھ گزرے تھے

کروٹیں بدلیں اتنی کہ بستر بھی بے چین ہو گیا
بن تیرے کچھ اس طرح لمحات گزرے تھے
اب ساحل پہ بھی مت جایئے گا ارشد
ستائیں گے وہ مقام جہاں ساتھ گزرے تھے
★ مقصودہ بیگم ------ کوٹ ادو

زخمی عید

ہر طرف شور تھا عید آئی ہے
ہم نے بھی سنا لیکن خاموش رہے
کیونکہ میں تجھ سے بہت دور ہوں
تیری یاد میرے ہر سو ہے
چاند دیکھا تو وہ بہت یاد آیا
کاش ہم بھی اپنے چاند کو دیکھتے
تو چاند یوں اداس نہ ہوتا کبھی
مگر پھر بھی او بے وفا صنم
ہم تجھے عید مبارک کہتے ہیں
★ فرحانہ بیگم ------ [illegible]

عید

میرے رستے زخم کا ناسور بن جاتی ہے عید
کیا کہوں کتنے نئے غم مجھ کو دے جاتی ہے عید
راحتوں سے بھرے دامن بھر رہے ہیں سارے لوگ
میری آنکھیں آنسوؤں سے خالی کر جاتی ہے عید
ہر طرف ویرانیاں، محرومیاں، تنہائیاں
کیسے کیسے تحفے آ کر مجھ کو دے جاتی ہے عید
تیر لفظوں کے، زہر باتوں کا، خنجر یاد کے
کتنے کانٹے میرے سینے میں چبھو جاتی ہے عید
چھوڑ کر مجھ کو انجم یاس کے طوفان میں
مسکرا کر میری حالت پہ چلی جاتی ہے عید
★ جمال دین ------ بھلوال

آزادی

میں آج اکیلا نہیں میرے ساتھ مہمان ہیں
ہزاروں
آزادی کی خاطر نکلے مجاہدوں کے کارواں ہیں
کشمیر ہے کشمیریوں کا یہ آواز گونج رہی ہے
خدا کے فضل سے آج میرے ہم زبان ہیں
ہزاروں
مٹ رہے ہیں اب اندھیرے ٹوٹ رہی ہیں
زنجیریں
قدم قدم سے اجالوں کے مل رہے نشان ہیں
ہزاروں
ہر اہل نظر اہل ہنر اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہوا ہے
جذبوں ولولوں وفاؤں کے اپنے ساتھ سامان
ہیں
رخ طوفان کا موڑ رہا ہے سامنے بن کر چٹان
کھڑا
ہے
دستہ اکیلا ہے سینے میں مگر ارمان ہیں
ہزاروں
اب کسی کے خون سے ہولی تو کھیل نہ سکے گا
ظالم
مٹا دیں گے تیرے ظلم کو یہ اعلان ہیں ہزاروں
اب ہری رہے گی ہر شاخ پھول کھلیں گے ڈالی
ڈالی
خون جگر سے سینچ رہے گلستان کو باغباں ہیں
ہزاروں
آج بھی کود جاتے ہیں نار نمرود میں بے خوف
و
خطر
آج بھی حق کی خاطر جان دیتے رحمان ہیں
ہزاروں
،
رحمان ملک، فیصل آباد

یہی نام محمد مصطفیٰ تو اسمِ اعظم ہے

ہزاروں حسن ہیں نور و جمال عرش رفعت میں
ہزاروں راز ہیں سرکارؐ کی مہر نبوت میں
مسیحا کر کرم آکر دکھا اپنی مسیحائی
ابھی باقی ہے کچھ کچھ جان بیمار محبت میں
خدارا اپنے روضے پہ بلالو یارسول اللہ
تڑپتے رات دن ہیں آپ کے بیمار فرقت میں
گنہگاران امت ساتھ ہوں گی حشر کے دن سب
رسول اللہؐ جائیں گے کبھی تنہا نہ جنت میں
اسی نام حبیبؐ حق سے بہلاتا ہوں میں دل کو
مچل جاتا ہے جب دل دید کی ارمان و حسرت میں
یہی نام محمد مصطفیٰ تو اسم اعظم ہے
بلا میں رنج میں مشکل میں آفت میں مصیبت میں
شریعت صاف کہتی ہے وہ منکر ہے وہ کافر ہے
جو شک لاتا ہے اک ذرہ بھی حضرت کی رسالت میں
خدا ٹھہرائے گا حق دار اکرم مجھ کو جنت کا
ہوا ہوں جاں بحق تسلیم آنحضرتؐ کی فرقت میں

★ رستم علی ------- ٹوبہ ٹیک سنگھ

غزل

چھوڑ کے سب اجالوں کو اندھیرا جانے کیوں اچھا لگے
عاشق کا سوداگر خدا جانے کیوں اچھا لگے
لکھتا ہوں لکھی ہے غزل میں نے تیرے لئے
تیرے لئے ہر پل سوچنا جانے کیوں اچھا لگے
اپنے وطن کی مٹی کو کیوں چھوڑ کر تم جاتے ہو
پرائے دیسوں میں جانا تم کو جانے کیوں اچھا لگے
تیرے ہجر میں اے دوست کیا کیا زخم کھائے ہیں
تیرے وصل کی ہر گھڑی ہائے جانے کیوں اچھا لگے
کھو کے اس کی یاد میں کیا پایا تو نے فوزیہ
پھر بھی اس کو غیر کی محفل میں جانا کیوں اچھا لگے

فوزیہ بشیر، لاہور کینٹ

دل کی امنگ

کشمیر کا بوٹا بوٹا خوش رنگ ہے
کیا ہوا جو آج وقت تنگ ہے
دیکھ کر سرفروشوں کے کارنامے
میں تو کیا ساری دنیا دنگ ہے
کشمیر کی فضاؤں میں ہواؤں میں
آج بھی اڑتی آزادی کی پتنگ ہے
آج کشمیر تنہا نہیں آزادی کی جنگ میں
آج دیکھو دوستو دنیا ساری سنگ ہے
ظلم کبھی بھی پھول پھل نہیں سکتا
ظالم کے لئے یہ دنیا تنگ ہے
دار و رسن میں کود جاتے ہیں خوشی سے
عجب مجاہدوں کے جینے کا ڈھنگ ہے
میں بھی کام آؤں وطن کے رحمان
یہی جھلکا تنہا دل کی امنگ ہے

★ طارق حسین ناز ------- خانیوال

مومن!

فرد مندی وجود میں بھری ہوئی
افلاک سے ہے آئی سوغات مومن
فقر محمل کے سامنے فولاد کی دیوار
بزم کفراں میں اک ٹھوس بات مومن
پہلو بہ پہلو اس کے دست بستہ سلام فرشتے
قاری قرآن ادھر قرآن کی آیات مومن

پختگی ایماں و قائلِ توحید ہے اگر
تو دستورِ خودداری ماخوذ ذاتِ مومن
امان آشفتہ حال کے لیے دنیا میں
بہشت میں حوروں کا اخراج باعث مومن
دست و پاشکستہ کے لیے خندہ پیشانی اس کی
پاک پست خیال و پاک قباحت مومن
محبت محمدی شیوۂ ازل اس کا
کلمہ توحید فقط ہی متاعِ حیات مومن
بلکہ بجز اس کی دل میں دینِ اسلام
جنت کے ہوئے سبھی مقامات مومن
فکرِ لحد کے لیے سجدوں میں گرا ہوا
شب و روز ارشدؔ فدا صحابت مومن

ارشد علی ارشدؔ۔ اٹک

دنیا کا تماشا

دنیا کو تم کبھی خوش نہیں رکھ سکتے۔ اگر تم احمق ہوئے تو دنیا تم پر ہنسے گی اور تمہارا مذاق اڑائے گی۔ اگر تم عقل مند ہوئے تو حسد کرے گی۔ اگر تم الگ تھلگ رہے تو تمہیں چڑچڑا اور متکبر گردانا جائے گا۔ اگر ہر ایک سے گھل مل کر رہو گے تو تمہیں خوشامدی سمجھا جائے گا۔ اگر تم نے سوچ سمجھ کر دولت خرچ کی تو تمہیں پست خیال اور کنجوس کہیں گے۔ اگر فراخ دل ہوئے تو بے وقوف اور فضول خرچ کہیں گے۔ حتیٰ کہ ایک دن آئے گا تم چپکے سے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔ جہاں سے جاتے ہوئے تم حیران ہو گے۔ یہ کیا تماشا تھا۔ اس تماشے کی ضرورت تھی۔

ملک امجد علی اعوان۔ آزاد کشمیر

عقیدت بحضور سرورِ کائنات

نہ کیوں آج جھومیں کہ سرکارؐ آئے
خدا کی خدائی کے مختارؐ آئے
نہ کیوں بارہویں پہ ہمیں پیار آئے
کہ آئے اسی روز سرکارؐ آئے
وہ آئے وہ عالم کے مختار آئے
لو آج امت کے غمخوار آئے
مسرت سے ہم کیوں نہ دھومیں مچائیں
ہمارے شہنشاہ و سردار آئے
مسلمانو! صبحِ بہاراں مبارک
وہ لے ساتھ انوارِ سرکار آئے
مبارک تجھے آمنہؓ ہو مبارک
ترے گھر شہنشاہِ ابرار آئے

★ رقیہ بی بی ------ شیخوپورہ

غزل

دل کو اپنے کڑی سزا دوں گا
اب میں پھر تجھے بھلا دوں گا
چاہے تو کبھی ہی لوٹا دے
جانِ من میں تجھے یہ دوں گا
تو ہے گر خوش میں اپنی خواہش کو
اپنے ہاتھوں گلا دبا دوں گا
میں سراپا ہوں فقر ہی تم جاناں
میں بجز غم تجھے بھی کیا دوں گا
یہ میری زندگی رہے نہ رہے
پیار کرنا تجھے سکھا دوں گا
تجھ کو ہوگی نہ اب یہ خوش فہمی
دور تک میں تجھے صدا دوں گا
میری راہ میں جو ہیلم حائل ہے
اب میں دیوار وہ گرا دوں گا

★ محمد ابراہیم ------ سرائے عالمگیر

نعت بحضور صاحب تاج و معراج

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
سلام اے سر وحدت اے سراج بزم ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہو گیا پھر فضل ربانی
تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی
اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فر کسرائی و خاقانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرے کو تابانی
ترا در ہو مرا سر ہو مرا دل ہو ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی
حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچہ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی

★ ساجدہ پروین ------ لیاقت آباد

بھیگی انگڑائیاں

ضرور آپ کوئی مہ جبیں رہی ہوں گی
بہت حسین بہت دل نشیں رہی ہوں گی
کہیں بھی پھول کھلے آپ مسکرائی ہیں
کہیں بھی کوئی بجے آپ تلملائی ہیں
کہیں بھی ساز چھڑے آپ گنگنائی ہیں
شگفتہ حسن کی ہر انجمن میں آپ کبھی
کسی سے دور کسی سے قریب رہی ہوں گی
ضرور آپ کوئی مہ جبیں رہی ہوں گی
جمال سرو کی رعنائیاں بتاتی ہیں
بھیگی بھیگی یہ انگڑائیاں بتاتی ہیں
ہجوم شوق کی تنہائیاں بتاتی ہیں
کہ شعر و نغمہ کے دلکش چمن میں آپ کبھی
خود ایک نغمہ نازک تریں رہی ہوں گی
ضرور آپ کوئی مہ جبیں رہی ہوں گی
جو حکم ہو تو بتا دوں میں چاند سے پہلے
حضور آج بھی ہیں میر کی لطیف غزل
بہت عزیز ہیں مجھ کو پرانے تاج محل
ہمارے شہر ہمارے دل میں آپ کبھی
شعور حسن سے اندوہ گیں رہی ہوں گی
ضرور آپ کوئی مہ جبیں رہی ہوں گی

کوکب مظفر خان۔ گوجرانوالہ

غزل

ملا کیا دوست تیری دوستی سے
ہوئے محروم دنیا کی خوشی سے
چمن ایسا جلایا بجلیوں نے
سہم جاتے ہیں ہم اب روشنی سے
ہمیں جس نے مٹایا وہ کہاں ہے
یہی تو پوچھتے ہیں ہر کسی سے
جنہیں اپنا سمجھتے تھے ابھی تک
نظر آئے ہمیں وہ اجنبی سے
[illegible] جفاؤں پہ دعائیں دے رہے ہیں
بغاوت سے تمہیں اپنی خوشی نے
تمہیں ہم بھول کر بھی جی تو لیں گے
مگر یہ دیکھنا کس بے بسی سے
جہاں بکھرے ہوئے تھے خواب رنگیں
وہ در چھوڑا ہے کتنی بے بسی سے
کبھی تو یہ حقیقت جان لو گے
تمہیں چاہا تھا ہم نے سادگی سے

نہ جب کوئی تمہارے پاس ہو گا
تب پچھتاؤ گے میری کمی سے

رخسار زہرا

سوہنی بستی

کیا سوہنی میری بستی ہے
ہر چیز یہاں پہ سستی ہے
روٹی کے سوا آٹے کے سوا
مرغی کے سوا انڈے کے سوا
چائے کے سوا چینی کے سوا
بس مکھن دودھ اور گھی کے سوا
روٹی کے سوا دال کے سوا
بس موسم کے ہر پھل کے سوا
سگریٹ کے سوا ماچس کے سوا
سوئی کے سوا کشمش کے سوا
صابن کے سوا کپڑے کے سوا
چاندی کے سوا سونے کے سوا
پالش کے سوا جوتے کے سوا
کاغذ کے سوا گتے کے سوا
تنکے کے سوا جھاڑو کے سوا
چمچے کے سوا دوائیوں کے سوا
کوٹھے کے سوا کوٹھی کے سوا
لوہے کے سوا لکڑی کے سوا
پنکھے کے سوا کولر کے سوا
کرائے کے سوا گاڑی کے سوا
ہر چیز یہاں پہ سستی ہے
کیا سوہنی میری بستی ہے

حاجی محمد اکرم ارائیں، ملتان

غزل

میری ترسی ہوئی آنکھوں کو دلاسہ دے جا
آخری وقت ہے دیدار کا تحفہ دے جا
چند سانسوں کا ہوں مہماں تمہاری بستی میں
مر رہا ہوں میں جینے کا سہارا دے جا
آخری وقت ہے دیدار کا تحفہ دے جا
میری ترسی ہوئی آنکھوں کو دلاسا دے جا
زندگی بھر تجھے فرصت نہ ملی ملنے کی
مرچکا ہوں میری میت کو کندھا دے جا
آخری وقت ہے دیدار کا تحفہ دے جا
پھر پکارا ہے میری قبر کی مٹی نے تجھے
آکے دو اشک بہا جا مجھے دلاسہ دے جا
آخری وقت ہے دیدار کا تحفہ دے جا
میری ترسی ہوئی آنکھوں کو دلاسہ دے جا

★ بشارت علی ——— میرپور

نظم "دنیا"

(1)

جرم آدم نے کیا دانہ گندم کے لیے
نسل آدم کو ملی جو وہ سزا ہے دنیا
میں کہ مفلس ہوں تو پھر میری صدا کون سنے
کیا کسی گنبد بے در کی صدا ہے دنیا

(2)

بات اتنی ہے کہ حق بات کہی تھی میں نے
شاید اس جرم پہ ہی مجھ سے خفا ہے دنیا
چند لفظ سے کاٹوں تو یہ ممکن ہے کٹے
جانے کب سے یونہی زنجیر پا ہے دنیا

(3)

لاکھ چاہوں میرا دنیا میں مگر دل نہ لگے
رنج و غم، درد و قلق، کرب و بلا ہے دنیا
سیکڑوں رنگ کے آلام و مسائل میں گھری
ایک زنداں کے سوا اور یہ کیا ہے دنیا؟

(۳)

میں نے سوچا ہے کہ اب اپنی زباں سے جسیم
زخم دنیا نے دیے ہو ہیں نہ وہ چاٹوں گا

تیشہ لفظ ہے جب تک میرے ان ہاتھوں میں
چاہے کچھ بھی ہو، یہ زنجیر گراں کاٹوں گا

☆ مشتاق احمد ------ سعودی عرب

گلستان

انچارج
روبینہ کوثر

کوپن ماہ اگست 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اقوال زریں لطیفے اور معلوماتی تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔
جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

گلستان ------ ماہنامہ سچی کہانی' 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور



ماں کی محبت

ماں کے وجود سے جتنا پیار کرو اتنا ہی کم ہے اس کی محبت چٹان سے زیادہ مضبوط اور پھول سے زیادہ خوب صورت ہے جس نے اس کے وجود کو اہمیت نہ دی وہ دنیا میں کبھی عزت کی زندگی نہیں گزار سکتا جس کی ماں نہیں وہ دنیا کا سب سے زیادہ بدنصیب شخص ہے اور جس نے ماں کے ہوتے ہوئے اس کے وجود کا احساس نہ کیا وہ دوزخی ہے۔

تین لفظوں کا حرف گلاب جیسی خوشبو چودھویں کے چاند جیسی چاندنی فرشتوں جیسی معصومیت' سچائی کا پیکر' لازوال محبت' شفقت' تڑپ' پیاس' قربانی جب یہ تمام حرف یک جان ہو جائیں تو بن جاتا ہے تین لفظوں کا حرف ماں۔

☆ بشارت صدیقی۔ لاہور

ہنس مکھ

ایک روز گرڈ اسٹیشن میں خرابی کے باعث ہمارے علاقے میں بجلی کی فراہمی تقریباً 20 گھنٹے کے لیے بند رہی۔ شام کو ہمسائے کا لڑکا ہمارے گھر آیا اور میری امی سے بولا۔

''آنٹی! بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے فریج میں برف نہیں جمی ہے۔ امی نے کہا ہے کہ آپ تھوڑی سی برف دے دیں۔'' اتفاق سے اس وقت ٹی وی پر خبروں میں مری میں برف باری ہوتے ہوئے دکھایا

جا رہا تھا۔ میں نے ایک اچٹتی نظر ٹی وی پر ڈالتے ہوئے لڑکے کو کہا۔
"میاں! آج تو برف صرف مری سے ملے گی۔"
☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

سچ مگر......!

- اگر ہمیں رات تین بجے تک عبادت کرنے کے لیے کہا جائے تو 9 بجے ہی نیند آ جائے گی لیکن اگر اتنے بجے تک فلم دیکھنے کے لیے جاگنا پڑے تو یہ بہت معمولی سی بات ہو گی۔
- ہم روزہ رکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں لیکن ڈائٹنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔
- ہم گانے سننے اور گانوں کی سی ڈی خریدنے میں عار محسوس نہیں کرتے لیکن نعتیں سننے اور سی ڈی کے پیسوں سے غریبوں کی مدد کرنے میں ہم برا محسوس کرتے ہیں۔
- ہم فٹنگ والے باریک کپڑے پہن کر قبر کا عذاب خریدنے کے لیے تیار ہیں لیکن کھلے یا مناسب کپڑے پہن کر آخرت کی سہولیات خریدنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔
- ہم خدا سے دعا مانگ کر اپنا مقصد پورا ہونے پر یقین نہیں رکھتے' لیکن تعویذ خرید کر مقصد پورا ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔
- ہم کہتے ہیں کہ ہم حسن و اخلاق رکھتے ہیں لیکن کسی غریب یا فقیر کو سلام کرنا گوارا نہیں کرتے۔
- ہم آخرت پر یقین تو رکھتے ہیں مگر اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔
- ہم میلی نظریں یا فحش فقرات تو برداشت کر سکتے ہیں لیکن فیشن سے باز نہیں آ سکتے۔
- ہم دوسروں کی برائیاں تو کرتے ہیں لیکن اپنے بارے میں برائی یا تنقید برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی گریبان میں جھانک کر دیکھتے ہیں کہ ہم اندر سے کتنے برے ہیں جو ہم دوسروں کو برا کہہ کر اپنے گناہوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔
- ہم دوسروں کی غیبت تو کر سکتے ہیں لیکن ایک اچھی بات کہہ کر صدقے کے برابر ثواب حاصل نہیں کر سکتے۔
- ہم صبح سویرے اپنی کسی محبوبہ کو یا کسی دوست کو یا کسی کو بھی ملنے کے بہانے واک کے لیے تو اٹھ سکتے ہیں لیکن نماز کے لیے ہم سے نہیں اٹھا جاتا یوں کہہ لیں اصل نیند ہی اذان کے وقت آتی ہے۔
- ہم ڈانس کرنے یا گانا سنانے ڈراموں کی اسٹوریاں سنانے میں ماہر ہیں اور ان کاموں کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں لیکن کوئی نعت' حدیث یا کوئی بھی اچھی بات کہنے پر ہم شرمیلے بن جاتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کے سو سال آخرت کے ایک لمحے کے برابر ہیں۔ تو آپ خود ہی سوچ لیں آپ نے اس ایک لمحے کے لیے جو کہ ہماری کامیابی یا ناکامی کا سبب بنے گا۔ اس کے لیے آپ نے کیا تیار کیا ہے۔

☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

اقوال زریں

⊛ خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرو۔

⊛ خوبصورتی مٹ جاتی ہے اور سیرت قبر تک ساتھ جاتی ہے۔

⊛ کسی کو پانے کی آرزو مت کرو بلکہ اپنے آپ کو اس قابل بناؤ کہ دنیا والے تجھ کو پانے کی کوشش کریں۔

⊛ خود احسان کرو اور اس احسان کو بھول جاؤ مگر جب کوئی تم پر احسان کرے تو اس کو یاد رکھو۔

☆ فضا ماہرہ۔ پشاور

اسلامی معلومات

قرآن پاک میں کل 6666 آیات ہیں۔
قرآن کریم کی سب سے مختصر آیت "سورۃ رحمٰن" کی آیت نمبر 69 ہے۔
مسجد نبوی ﷺ میں پہلی اذان "حضرت بلال رضی اللہ عنہ" نے دی۔
خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی۔
حضور ﷺ شعب ابی طالب میں 3 برس تک رہے۔

☆ امن فضا۔ پشاور

سنہری باتیں

جب ضرورت اصولوں سے زیادہ بڑی ہو تو انسان کا سر جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
جب خلوص محبت اور وفا کے سچے جذبات کی قدریں مٹ جاتی ہیں تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے اور انسان دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے۔
کسی کا دل نہ دکھاؤ ہو سکتا ہے کہ وہی آنسو تمہارے لئے سزا بن جائیں۔
دنیا دھوکے فریب اور مکاری کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندروں کے ساتھ ناچنے والا آدمی اکثر زمین پر آگرتا ہے۔

چوہدری عارف رضا............ گجرات

اقوال زریں

○__ جو درخت پھل نہ دے سایہ ضرور دیتا ہے۔
○__ ظالم کو معاف کرنا جرم ہے۔
○__ دل کی سب سے بڑی بیماری حسد ہے۔
○__ زندگی موت کی امانت ہے۔
○__ غصے کا بہترین علاج خاموشی ہے۔
○__ دولت سے ہم خوشامد خرید سکتے ہیں محبت نہیں۔

☆ نگین بشارت۔ لاہور

"رمضان المبارک کی آمد پر حضور ﷺ کا خطبہ مبارک"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم لوگوں کو خطاب فرمایا کہ:

اے لوگو! تمہارے اوپر عنقریب ایک با عظمت و مبارک مہینہ آرہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات "شب قدر" ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس ماہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام یعنی "تراویح" کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کئے اور جو شخص اس مہینے میں کسی فرض کو ادا کرے گا اس کو ستر فرضوں کی

لوایکی کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری اور خبر گیری کرنے کا ہے۔

اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے گا اس کے لیے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہو گا۔ اور اس کو اسی قدر ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو ملا مگر روزہ دار کے ثواب میں کمی نہ ہو گی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ" ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے (پھر یہ ثواب کیسے لیں؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں) اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو (بھی) مرحمت فرما دیں گے جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرا دے۔ جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلائے تو اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہ لگے گی (اور پھر جنت میں تو بھوک پیاس کا نام ہی نہیں) یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی کا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام (خادم یا ملازم) کا کام ہلکا کر دے تو حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ اور دوزخ کی آگ سے محفوظ فرما دیں گے۔ اور چار چیزوں کی اس ماہ مبارک میں کثرت رکھا کرو، جن میں دو چیزیں اللہ کی رضا کے لیے ہیں اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمہیں چارہ کار نہیں دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے۔ اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔ (بیہقی شعب الایمان)

حافظہ جمیل بٹ۔ سکھر

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ پر تکلف زندگی بسر کرنے سے باز آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے پر تکلف زندگی بسر نہیں کرتے۔

2۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو بوؤ گے کاٹو گے

3۔ بہتر آدمی وہ جو دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچائے

4۔ سنا ہوا دیکھے ہوئے کے برابر نہیں ہوتا

5۔ جو رزق حلال نہیں کھاتا اس کی کوئی عبادت بھی اللہ کو منظور نہیں ہوتی۔

6۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مزدور کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ اللہ کو یہ ہاتھ بہت پیارا ہے۔

7۔ فرض ادا کرنے کے بعد حلال روزی کی تلاش و جستجو فرض ہے۔

★ بابر حسین شاہ۔ گھوگی

بھوک

دنیا میں جتنی نعمتیں ہیں بھوک ان کی ماں ہے۔

بھوک بے غیرتی کراتی ہے
بھوک گداگری سکھاتی ہے
بھوک جرائم کی ترغیب دلاتی ہے
بھوک انتہاپسند کا سبق سکھاتی ہے

اس کا حملہ شدید اور اس کا درد بھرپور اور اس کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔

ریاض احمد پریمی گجرات

اقوال زریں

لوگو اپنی پاکیزگی زیادہ مت جتایا کرو۔ پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔

مصیبت کی برداشت کے لئے صبر اور نماز کا سہارا ضروری ہے۔

مسلمانوں کی رنجش کا خاتمہ سلام و تعظیم ہے۔

شرک کے بعد بدترین گناہ ایذا رسانی ہے۔

نبیلہ ارم۔ شیخوپورہ

زندگی

زندگی سفر ہے لوگ سفر میں منزل کی تلاش میں ہیں
زندگی حسرتوں کا دریا ہے کبھی کم نہیں ہوتی
زندگی ایک کتاب ہے اسے پڑھ لو
زندگی امتحان ہے اس میں فیل نہیں ہونا چاہیے
زندگی کو کھلونا سمجھ کر یہ موت کی امانت ہے
دوسروں پہ چلنے والا خود جلتا رہے گا
کسی کی قبر پہ دعا پڑھ اپنی بھی موت کو یاد کر لو
کسی کا دل دکھانے سے اچھا ہے اپنی زبان قابو میں رکھو
بے وفائی سے اچھا ہے کسی سے وعدہ نہ کرو
وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لو کر ہمیں کتنا سچ ہے

★ مبارک علی قریشی ------- چنیوٹ

قسمت

قسمت ہمارے معاملات کو ہماری آرزوؤں تمناؤں سے بہتر طور پر چلاتی ہے۔

ہماری قسمت کا فیصلہ اکثر ہماری زبان کی نوک پر ہوتا ہے۔

قسمت ہم سے وہی کچھ چھین لیتی ہے جو ہم کو دیتی ہے۔

قسمت ملکیت کے طور پر نہیں آزمائش کے طور پر تمہارے پاس آتی ہے۔

انسان قسمت اور جدوجہد کے درمیان ایک متحرک لنگر ہے۔

قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی انہیں گھٹاتی ہے۔

قسمت پر دروازے پر رک کر پوچھتی ہے کہ کیا عقل اندر ہے۔

محمد رفیق چغتائی۔ میری ستہ

اقوال زریں

دنیا کے لئے اتنی محنت کرو جتنا تجھے یہاں رہنا ہے۔ آخرت کے لئے اتنی محنت کرو جتنا تجھے وہاں رہنا ہوگا۔ اللہ کی رضا کے لئے اتنی کوشش کرو جتنا تو اس کا محتاج ہے۔ صرف اسی ذات سے مانگ جو دوسروں کا محتاج نہیں ہے۔ جب تو اللہ کی نافرمانی کرو تو وہاں جا جہاں تجھے وہ نہ دیکھے۔

حافظ حبیب اللہ مرحش آباد سکھر سندھ

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک ذہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئز

☆کوپن برائے ماہ اگست 2014ء☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اس ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ انٹریز اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع ــــــ کٹنگ یا اوور رائٹنگ فوٹو کاپی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہمیں ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہو جانا چاہیے۔

1۔سوال ــــ کرہ ہوائی میں سب سے زیادہ کون سی گیس موجود ہے ــــ؟

جواب

2۔سوال ــــ عشرہ مبشرہ سے کیا مراد ہے ــــ؟

جواب

3۔سوال ــــ سب سے پہلے مسلمانوں نے کون سا ملک فتح کیا ــــ؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

ماہ جولائی 2014ء کے درست جوابات

(1) ماسکو "مالدیپ" کا دار الحکومت ہے۔ (2) سب سے چھوٹا براعظم "آسٹریلیا" ہے۔ (3) کیوی "نیوزی لینڈ" کا قومی پرندہ ہے۔

اس ماہ کے ونر ہیں "طفیل خان زینہ" سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

(ادارہ سچی کہانی لاہور)

سچی کہانی کوئز۔ 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

موبائل نمبر 0314-4008530